نوائے غزوۂ ہند

برِّ صغیر اور پوری دنیا میں غلبۂ دین کا داعی

جون ۲۰۲۵ء | ذوالحجۃ الحرام ۱۴۴۶ھ

بانی مُدیر: حافِظ طیّب نواز شہید رحمۃ اللہ علیہ

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نصائح

’’تم سب دن اور رات کی گزرگاہ میں ہو، تمہاری عمریں کم ہو رہی ہیں اور سارے اعمال حفاظت سے رکھے جا رہے ہیں اور موت اچانک آئے گی۔ جو خیر بوئے گا وہ اپنے پسند کی چیز کاٹے گا اور جو شر بوئے گا وہ ندامت و حسرت کاٹے گا۔ انسان جیسا بوئے گا ویسا ہی اسے ملے گا اور ہر انسان کو اس کے مقدر کا مل کر رہے گا، لہٰذا سست آدمی کے مقدر میں جو لکھا ہوا ہے وہ اسے مل کر رہے گا اور کوئی تیز آدمی اس سے آگے بڑھ کر اس کے مقدر کا نہیں لے سکتا اور خوب زیادہ کوشش کرنے والا انسان وہ چیز حاصل نہیں کر سکتا جو اس کے مقدر میں نہیں ہے اور جسے کوئی خیر ملتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے دینے سے ہی ملتی ہے اور جس کی کسی شر سے حفاظت ہوتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ ہی کے کرنے سے ہوتی ہے۔ متقی لوگ ہی سردار ہوتے ہیں اور فقہا لوگ امت کے قائد ہیں، ان کے ساتھ بیٹھنے سے دین کی سمجھ بڑھتی ہے۔‘‘

أخرجهُ أبو نعيم في الحلية (ج 1 ص 134)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نوائے غزوۂ ہند

جلد نمبر: ۱۸، شمارہ نمبر: ۴

جون ۲۰۲۵ء | ذوالحجۃ الحرام ۱۴۴۶ھ

بحمد اللہ... مُسلسل اشاعت کا اٹھارہواں ۱۸ سال!

تجاویز، تبصروں اور تحریروں کے لیے اس برقی پتے (email) پر رابطہ کیجیے: editor@nghmag.com

www.nawaighazwaehind.site

www.nawai.io/Twitter

www.nawai.io/Bot

www.nawai.io/ChirpWire

contactNGH.01

نبیٔ مہربان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’جان لو کہ نصرت (اللہ کی مدد) صبر کے ساتھ ہے، اور راحت تنگی کے ساتھ ہے، اور بے شک ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔‘‘

(سنن الترمذی)

اس شمارے میں

اداریہ
اپنا اپنا اسماعیل پیش کرو 5

تزکیہ و احسان
اصلاحِ معاشرہ: سورۃ الحجرات کی روشنی میں 7

اسوۂ حسنہ
سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سائے میں 11

آخرت
موت و مابعد الموت 15

فکر و منہج
مدرسہ و مبارزہ (مدارس و دینی جدوجہد کی تحریک) 21

جمہوریت...... ایک دجل، ایک فریب!
جمہوری نظام تباہی کے دہانے پر! 27

عالمی منظر نامہ
خیالات کا ماہنامچہ 33
اخباری کالموں کا جائزہ 35
مغلوبِ گماں تو ہے 42

طوفان الاقصیٰ
یہ غزہ ہے! یہاں زندگی اور موت کی جنگ جاری ہے 44
افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر 51
ایمان، استقامت، فرعون اور غزہ 53
مذمت اپنی جگہ دھندہ اپنی جگہ 56

افغان باقی کہسار باقی...... الحکم للہ والملک للہ
عمرِ ثالث 58

پاکستان کا مقدر...... شریعتِ اسلامی کا نفاذ!
سیکولر مزاحمت اور نظام مسائل کا حل نہیں 62

کشمیر...... غزوۂ ہند کا ایک دروازہ!
دخترانِ کشمیر کے نام 65

...... ہند ہے سارا میرا!
ثكلتنا أمهاتنا إن لم ننصر رسول الله 68
امتِ واحد بن جائیے! 69

علیکم بالشام
شام میں جہاد کا مستقبل 71
نئے حکمرانوں کے نام 78

حلقۂ مجاہد
مجاہد جہاد کیوں چھوڑ جاتا ہے؟ 87
سورۃ الانفال 89

ناول و افسانے
الشوک والقرنفل (کانٹے اور پھول) 93

وغیرہ وغیرہ
اِک نظر ادھر بھی 98

اس کے علاوہ دیگر مستقل سلسلے......

اعلانات از ادارہ:

- مجلّہ ’نوائے غزوۂ ہند‘ میں علمائے کرام کی اجازت کے بعد جانداروں کی تصاویر شامل ہوتی ہیں۔ تاہم یہ اجازت فقط مجلّے کے ’ویب ورژن (PDF وغیرہ)‘ کے لیے ہے، اگر کوئی مجلّے کو کاغذ پر چھاپنا چاہے تو براہِ کرم مذکورہ تصاویر کو دھندلا (blur) کر کے چھاپے۔ قدیم و معاصر علماء کی اکثریت بہر حال کاغذ پر چھپی تصویر کی اجازت نہیں دیتی!
- مجلّہ ’نوائے غزوۂ ہند‘ میں شائع ہونے والے ’مستعار‘ مضامین (بشمول سوشل میڈیا پوسٹس/سٹیٹس/ٹویٹس) مجلّے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں اور ان مضامین وغیرہ میں موجود تمام خیالات اور ان کے مصنفین کے تمام افکار و آرا سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

’غزوۂ ہند‘ تمام اہلِ ایمان کا قضیہ ہے اور اس ’غزوے‘ کی حمایت و نصرت تمام اہلِ ایمان بالخصوص برِّ صغیر میں بستے اہلِ ایمان کا فریضہ ہے۔ ’غزوۂ ہند‘ کی دعوت کو پھیلانے اور مضبوط کرنے کی ایک کوشش کا نام ’نوائے غزوۂ ہند‘ ہے۔

نوائے غزوۂ ہند:

- اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کفر سے معرکہ آرا مجاہدین فی سبیل اللہ کا موقف مخلصین اور محبّینِ مجاہدین تک پہنچاتا ہے۔
- برِّ صغیر، افغانستان اور ساری دنیا کے جہاد کی تفصیلات، خبریں اور محاذوں کی صورتِ حال آپ تک پہنچانے کی کوشش ہے۔
- امریکہ، بھارت، اسرائیل اور اس کے حواریوں کے منصوبوں کو طشت از بام کرنے، اُن کی شکست کے احوال بیان کرنے اور اُن کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کی ایک سعی ہے۔

اس لیے...... اسے بہتر سے بہترین بنانے اور دوسروں تک پہنچانے میں ہمارا ساتھ دیجیے!

editor@nghmag.com

اپنا اپنا اسماعیل پیش کرو!

آلاء النجار سے کون واقف نہیں؟ نو شہیدوں کی ماں جن کی عمریں ۶ ماہ سے ۱۲ سال کے درمیان تھیں، حمدی النجار کی بیوہ، حافظۂ قرآن، بچوں کے امراض کی ماہر طبیبہ، خنساءِ دوراں۔ وہ امت کے کٹے پھٹے بچوں کے لیے دوا دارو کا انتظام کر رہی تھی۔ ایسے میں جھلسے ہوئے نو (۹) بچے اسی کے ہسپتال 'الناصر میڈیکل کمپلیکس' میں لائے گئے، جھلسے ہوئے نو بچے یا جھلسے ہوئے نو لاشے اور دو جھلسے ہوئے مزید لوگ بھی، آلاء کا گیارہ سالہ لختِ جگر آدم اور ان بچوں کا باپ، آلاء کا شریکِ حیات حمدی النجار۔ وہ صدمے کے عالم میں کچھ بول بھی نہ سکی۔ یحییٰ، رکان، رسلان، جبران، ایو، ریوان، سیدن، لقمان اور سدرہ...... آلاء کے دل نے ان سبھی ناموں کو باری باری پکارا، لیکن کہیں سے کوئی جواب نہ آیا۔ آلاء نے حمدی کو پکارا، لیکن حمدی بھی جان کنی کے عالم میں تھا۔

کچھ دیر کو آنکھیں بند کر لیجیے۔ تصور کیجیے، آلاء النجار آپ ہی ہیں۔ یہ آپ کے سامنے آپ کے لخت ہائے جگر پڑے ہیں۔ سخت دل ہیں تو بھی آپ کے رونگٹے تو کھڑے ہوئے ہوں گے۔ ورنہ تصور کے ان چند ثانیوں میں آپ کی زبان گنگ ضرور ہو گئی ہو گی۔ دماغ ماؤف ہو گیا ہو گا، دل چند چند بار دھڑکنا بھول گیا ہو گا۔ آلاء النجار نے یہ سب کچھ جھیلا ہے، بلکہ وہ اب تک جھیل رہی ہے۔ وہ اس صدمے سے تا دمِ تحریر باہر نہیں نکل سکی۔ کہنے والوں نے کہا ہے کہ وہ نہ کھاتی پیتی ہے، نہ بولتی ہے، بس تسبیح گھماتی رہتی ہے۔ ہم ہوتے تو ہمیں تسبیح کا بھی کہاں ہوش رہتا۔ دل پھٹ جاتا، جگر پاش پاش ہو جاتا۔

ذوالحجۃ کا مہینہ ہے، یہ سطور پڑھنے کے ایک آدھ دن بعد یا تو آپ سنتِ ابراہیمی (علیہ وعلیٰ نبینا اَلف صلاۃ وسلام) ادا کرنے والے ہوں گے یا کر چکے ہوں گے۔ خلیل اللہؑ کو بذریعہ خواب وحی ہوئی کہ اپنی قیمتی ترین چیز، اپنا قیمتی ترین بیٹا، اپنے بڑھاپے کی اولاد، اپنے اسماعیلؑ کو ہماری خاطر ذبح کر دو۔ تسلیم و رضا کے مجسم خلیل اللہ (علیہ صلاۃ اللہ وسلام) نے ایک لحظے کو سوچا بھی نہیں۔ باپ کا کسی درجے میں غم خوار اور اب چھوٹا موٹا مشیر، اسماعیلؑ، اس عمر کی اولاد جس کو بوڑھے باپ نے بڑے چاؤ سے، بڑے ارمانوں سے پالا ہوتا ہے اور اب یہ بھاگ بھاگ کر کام کروانے والا بن جاتا ہے، اسی کو ذبح کرنے کا حکم ہوا ہے۔ جب اسماعیلؑ کو ابراہیمؑ نے بتایا تو اسماعیلؑ بولے یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ، ابا جان! کر گزریے وہ کام جس کا حکم آپ کو دیا گیا ہے:

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی

یہ فیضانِ نظر بھی تھا اور مکتبِ جوارِ کعبہ و ابراہیمؑ کی کرامت بھی۔ خلیل اللہؑ نے دل کے ٹکڑے کو لٹایا اور چھری پھیر دی۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ○ (سورۃ الانعام: ۱۶۲-۱۶۳)

"کہہ دو کہ: بے شک میری نماز، میری عبادت اور میرا جینا اور مرنا سب کچھ اللہ ربّ العالمین کے لیے ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اسی بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے، اور میں اس کے آگے سب سے پہلے سر جھکانے والا ہوں۔"

چھرا تھا، خون کی دھار تھی، اور ابراہیمؑ کا دل بارگاہِ خداوندی میں فروتنی، انؑ کا سارا وجود، اس وجود کا رُواں رُواں، ریشہ ریشہ حالتِ سجدہ میں تھا۔ اسماعیلؑ اب ذبیح اللہ ہو گئے تھے۔

یہ سنتِ خلیل اللّٰہی ہزاروں سال سے جاری ہے۔ یہاں قربانی اپنی قیمتی ترین چیز کی ہوتی ہے۔ اللہ کے احکام کی بجا آوری یہ قربانی ہے۔ اس قربانی کو ذوالحجۃ کی شرط کے بغیر اہلِ غزہ پچھلے ڈیڑھ سال سے دن کے چوبیس گھنٹے پیش کر رہے ہیں۔ آلاء النجار اسی خلیل اللّٰہی سلسلے سے ہے۔

ہمارے پاس کہنے کو مزید کچھ بھی نہیں ہے۔ آلاء النجار کے لیے اس کے ایمان کی سلامتی کا سوال ہے اور اپنے لیے ایمان و اسلام اور غیرت و حمیت کا سوال ہے، خلیل اللّٰہی سلسلے کی نسبت اور قربانی کی توفیق کا سوال ہے۔ آلاء النجار کی دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر قربانی دیکھو اور پھر اپنے اعمال کا جائزہ لو، کیا آس لگائے بیٹھے ہو!؟

ہم سب سے بس ایک ہی تقاضا ہے: اپنا اپنا اسماعیل پیش کرو!

اللهم اهدنا فيمن هديت وعافنا فيمن عافيت وتولنا فيمن توليت وبارك لنا فيما أعطيت وقنا شر ما قضيت إنك تقضي ولا يقضى عليك وإنه لا يذل من واليت ولا يعز من عاديت تباركت ربنا وتعاليت!

اللهم وفقنا لما تحب وترضى وخذ من دمائنا حتى ترضى. اللهم اهدنا لما اختلف فيه من الحق بإذنك. اللهم زدنا ولا تنقصنا وأكرمنا ولا تهنّا وأعطنا ولا تحرمنا وآثرنا ولا تؤثر علينا وارضنا وارض عنا. اللهم إنّا نسئلك الثّبات في الأمر ونسئلك عزيمة الرشد ونسئلك شكر نعمتك وحسن عبادتك. اللهم انصر من نصر دين محمد صلى الله عليه وسلم واجعلنا منهم واخذل من خذل دين محمد صلى الله عليه وسلم ولا تجعلنا منهم، آمين يا ربّ العالمين!

•••••

مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' اہلِ دین و دانش کے نصائح، رائے اور مشورے کا محتاج ہے
اور چاہتا ہے کہ اہلِ دین و دانش کے
قیمتی نصائح، رائے اور مشورے ادارے تک پہنچیں۔
editor@nghmag.com

اصلاحِ معاشرہ

سورۃ الحجرات کی روشنی میں

مولانا بلال عبد الحی حسنی ندوی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاۗءٌ مِّنْ نِّسَاۗءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○(سورۃ الحجرات:۱۱)

"اے ایمان والو! کوئی قوم دوسری قوم کی ہنسی نہ اڑائے، ہو سکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کی ہنسی کریں، ہو سکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں، اور ایک دوسرے پر عیب نہ لگاؤ اور نہ برے ناموں سے پکارو، ایمان کے بعد فسق بدترین نام ہے، اور جو توبہ نہ کریں وہی ناانصاف ہیں۔"

اصلاح معاشرہ کے قیمتی اصول

قومی عصبیت

موجودہ دور کے فتنوں میں جس فتنہ نے مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کر رکھا ہے وہ فتنہ "قومیت" کا ہے، یہ کوئی نیا فتنہ نہیں ہے، زمانۂ جاہلیت میں اسی قومیت نے ہزاروں کی جان لی، آدم کی اولاد کو اس نے ٹکڑیوں میں بانٹ دیا، قبائل کی تفصیل و تقسیم اس لیے تھی کہ تعارف و تفاہم کا ذریعہ بنے، لوگوں نے اس کو افتراق کا ذریعہ بنالیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَاۗىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا (سورۃ الحجرات:۱۳)

"اور تمہارے خاندان اور برادریاں بنادیں تا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔"

ایک رب کے بندے اور ایک باپ کی اولاد، لیکن رنگ و نسل نے ان کے شیرازے کو ایسا منتشر کیا کہ وہ تاش کے پتوں کی طرح بکھر گئے۔

قومی فخر و غرور اس طرح ان کے اندر داخل ہو گیا تھا کہ ایک قبیلہ دوسرے قبیلوں کی سرعام تحقیر و تذلیل کرتا، اپنے باپ دادا کے مفاخر بیان کرنے کے لیے مجلسیں آراستہ کی جاتیں، اور اس میں دوسروں کی کمزوریاں تلاش کی جاتیں، اور ان کو کم دکھانے کی کوششیں ہوتیں، اس کے نتیجہ میں کبھی کبھی بڑی طویل خوں ریز لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا اور سیکڑوں جانیں تلف ہو جاتیں، لیکن یہ چیزیں ان کے یہاں کچھ معیوب نہ تھیں، بلکہ ان کو قومی مشاغل کا اہم حصہ سمجھا جاتا تھا۔

اسلام کی تعلیم

اسلام نے اس جاہلی نخوت اور بے جا فخر و غرور کو توڑا، ارشاد ہوتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ

"اے ایمان والو! کوئی قوم دوسری قوم کی ہنسی نہ اڑائے، ہو سکتا ہے کہ وہ (جن کا مذاق اڑایا جا رہا ہے) ان سے بہتر ہوں (جو مذاق اڑانے والے ہیں)۔"

آیت شریفہ میں ہر طرح کے قومی تقدس کی نفی کی جارہی ہے اور صاف صاف یہ اشارہ دیا جارہا ہے کہ وجہ امتیاز کسی قوم کا فرد ہونا نہیں ہے، بلکہ امتیاز کی اصل بنیاد وہ صفات ہیں جو ایمان والے کے لیے قربِ الٰہی کا ذریعہ ہیں، خیر کا انحصار اسی پر ہے، فضل و کمال کسی قوم کی جاگیر نہیں ہے بلکہ یہ وہ صفات ہیں جو محنت و جستجو کے بعد توفیقِ الٰہی سے حاصل ہوتی ہیں، اور ان میں بہت سی باطنی کیفیات اور اندرونی حالات وہ ہیں جو ظاہر بین اپنی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا تھا، تاہم ہر آدمی اپنی کمزوریوں سے بخوبی واقف ہوتا ہے، اس کے بعد پھر اس کے لیے کہاں جواز رہ جاتا ہے کہ وہ اپنے بارے میں اور اپنی قوم کے بارے میں بڑائی کے احساس میں مبتلا ہو، اور دوسروں کو حقیر سمجھے، اسی لیے قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ اس کی ممانعت کر دی گئی کہ کوئی قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے، اور اس کی نفسیاتی وجہ بھی بیان کر دی گئی کہ وہ اپنی بڑائی کے احساس کی جس بنیاد کو لے کر یہ عمل کر رہا ہے، ہو سکتا ہے وہ بنیاد ہی کھوکھلی ہو۔

یہاں لفظ "قوم" کا استعمال ہوا ہے، اس کے مفہوم میں خاندان اور قبیلہ بھی داخل ہے، جماعت اور گروہ بھی شامل ہے، اور ظاہر ہے جب قبیلہ خاندان اور جماعت کو اس سے روکا جارہا ہے کہ وہ کسی دوسرے خاندان، جماعت یا گروہ کی تحقیر کریں تو کسی ایک فرد کو اس کی اجازت کہاں حاصل ہو سکتی ہے۔

خاص طور پر "قوم" کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ زمانۂ جاہلیت کا خاص مرض تھا جس میں وہ مبتلا تھے، جب اخوتِ اسلامی کی لڑی میں ان کو پرو دیا گیا تو اب نسل و قوم کی تفریق کہاں باقی رہ سکتی تھی، اس کے مفہوم میں فرد واحد بھی داخل ہے، آیت کی رو سے کسی کو بھی وہ فرد ہو یا جماعت ہو یا قبیلہ، اس کا جواز نہیں ہے کہ وہ دوسروں کا مذاق اڑائے۔

آیت کے شانِ نزول میں ایک واقعہ یہ بھی نقل کیا جاتا ہے کہ بنو تمیم کے کچھ لوگوں نے ایک موقع پر ان حضراتِ صحابہؓ کی تحقیر کی تھی، جو کمزور سمجھے جاتے تھے، حضرت بلال حبشیؓ، حضرت صہیب رومیؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، جو سب کے سب دوسرے ملکوں کے تھے، قبائل عرب میں ان کو کوئی خاندانی شناخت نہیں تھی، ان کو نامناسب کلمات کہہ دیئے گئے تھے، اس پر آیت شریفہ میں تنبیہ کی گئی اور سختی سے روک دیا گیا۔[1]

خواتین سے خطاب

گرچہ "قوم" میں خواتین بھی شامل ہیں، اور ممانعت عام ہے، لیکن چونکہ خواتین میں یہ مرض زیادہ ہوتا ہے، ہو سکتا ہے کہ کسی فاسد ذہن میں یہ بات آجائے کہ یہ حکم صرف مردوں کے لیے ہے، اس لیے ان کے بارے میں مستقل وہی بات دہرائی جارہی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

وَلَا نِسَآءٌ مِّنۡ نِّسَآءٍ عَسٰۤی اَنۡ یَّکُنَّ خَیۡرًا مِّنۡهُنَّ

"اور نہ عورتیں عورتوں کی ہنسی کریں، ہو سکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں۔"

آیت کا یہ حصہ خواتین کے لیے خاص طور پر قابل غور ہے، سماج میں بگاڑ کا ایک بڑا سبب ان کی بے احتیاطی ہے، جس طرح مردوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ صنف نازک کا خیال رکھیں، آنحضرت ﷺ نے ایک سفر کے موقع پر فرمایا تھا:

رفقاً بالقوارير[2]

"ان آبگینوں کا خیال رکھو، کسی کو تکلیف نہ پہنچ جائے۔"

آپ ﷺ سے بڑھ کر عورتوں کو حق دینے والا کون ہو سکتا ہے؟ اسی طرح عورتوں کو بھی اس کی تلقین کی گئی ہے کہ وہ خود بھی حق شناس اور احسان شناس بنیں، ایک حدیث میں ان کے جہنم میں جانے کے دو بنیادی اسباب بیان کیے گئے ہیں، ایک طعن کی کثرت اور دوسرے شوہروں کی احسان ناشناسی۔[3]

آیت شریفہ میں بھی بطور خاص عورتوں کو اسی کی تلقین کی جارہی ہے کہ وہ ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑائیں، اور یہ بات تو کس قدر بے شرمی اور بے احتیاطی کی ہے کہ وہ مردوں کا مذاق بنائیں، اگر وہ شوہر یا باپ ہے تو یہ احسان ناشناسی کی انتہا ہے اور اگر غیر ہے تو بے احتیاطی کے ساتھ بے حیائی بھی ہے۔

"لمز"

اسی آیت شریفہ میں دوسری جس چیز کی ممانعت کی جارہی ہے وہ "لَمْز" ہے، "لَمْز" ہر اس کلام یا اشارہ کو کہتے ہیں جس میں مخاطب کی مذمت کی جارہی ہو، چڑھایا جارہا ہو، اور ڈرایا دھمکایا جارہا ہو، کہنے والا جس چیز کو خود معیوب سمجھتا ہو، وہ اس چیز کو مخاطب کی طرف منسوب کرے، وہ عیب مخاطب کے اندر موجود ہو تو بھی اس کا تذکرہ درست نہیں ہے اور وہ عیب مخاطب کے اندر موجود نہ ہو تب تو اس گناہ کی شدت بہت بڑھ جاتی ہے، بعض روایات میں آتا ہے کہ اگر کوئی کسی عیب کو کسی کی طرف منسوب کرتا ہے تو اس وقت تک اس کو موت نہیں آئے گی جب تک وہ بھی اس عیب میں مبتلا نہ کر دیا جائے[4]، لمز کی ممانعت کے لیے جو تعبیر استعمال ہوئی ہے وہ بھی نہایت بلیغ ہے، ارشاد ہوتا:

وَلَا تَلۡمِزُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ

"اور ایک دوسرے پر عیب نہ لگاؤ۔"

أنفس، نفس کی جمع ہے، لغوی معنی یہ ہیں کہ اپنی جانوں کو برا مت کہو، اس کے نتیجہ میں تم کو بھی برا کہا جائے گا، دوسرا اشارہ اس میں یہ ہے کہ تم جن ایمان والے بھائیوں کو برا بھلا کہہ رہے ہو، وہ تمہارے بھائی ہیں اور تمہارا ہی حصہ ہیں، ان کو الگ مت سمجھو، ان کو برا بھلا کہنا خود اپنی ذات کو برا کہنا ہے۔

برے ناموں سے پکارنا

تیسری جس چیز سے روکا جارہا ہے وہ برے ناموں سے پکارنا ہے، فرمایا جارہا ہے:

وَلَا تَنَابَزُوۡا بِالۡاَلۡقَابِ

"اور نہ برے ناموں سے پکارو۔"

جن القاب کو معیوب سمجھا جاتا ہو، ان سے احتیاط کرنی چاہیے، القاب کبھی خلقی نقص کی بنا پر پڑ جاتے ہیں، جیسے اندھا، کانا، بہرا، لنگڑا وغیرہ، ظاہر ہے جس کو ان ناموں سے پکارا جائے گا اس کو کس قدر تکلیف ہوگی، کبھی بری عادتوں کی وجہ سے نام پڑ جاتے ہیں، کسی نے چوری کی، اس کو چور کہا جانے لگا، وہ تائب ہو گیا، پرہیز گار بن گیا، تب بھی اس کو چور کہا جارہا ہے، کوئی بھی ایسا لقب یا نام جس سے مخاطب تکلیف محسوس کرے، اس سے بچنا چاہیے، حدیث میں آتا ہے کہ

[1] حضرت ابن ابی حاتم نے سورۂ حجرات کی تفسیر میں حضرت مقاتل سے روایت کیا ہے۔
[2] مسند الحميدى بحواله مسند انس بن مالكؓ
[3] صحيح بخارى، باب كفران العشير، نسائى، باب قدرالقراء ة فى صلاة
[4] ترمذى، ابواب صفة القيامة، باب من عيّر أخاه بذنب، بيهقى ،شعب الايمان

مسلمان کو تکلیف پہنچانا حرام ہے۔[5] کسی بھی قول سے، فعل سے، طرز گفتگو سے تکلیف پہنچ سکتی ہو، اس سے بچنا ضروری ہے۔

بندوں کے حقوق

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ حقوق دو طرح کے ہیں، ایک حق اللہ کا ہے اور دوسرا حق بندوں کا ہے۔ اللہ تعالیٰ توبہ پسند فرماتے ہیں، اپنے حق میں وہ معاف فرمادیں گے، لیکن بندوں کا حق اس وقت تک معاف ہونا مشکل ہے جب تک معاف نہ کرا لیا جائے۔ اگر گناہ حقوق العباد سے متعلق ہے تو اس گناہ کی توبہ قبول ہی اس وقت ہو گی جب حق ادا ہو جائے یا اس کی معافی کرائی جائے۔ یہ توبہ کے شرائط میں سے ہے۔

ہمارے معاشرے کا یہ سب سے بڑا مرض ہے جو ہم مسلمانوں کو گھن کی طرح لگ گیا ہے، بالائے ستم یہ کہ اس کو مرض نہیں سمجھا جاتا، اچھے اچھے دیندار لوگ اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اس سے مسلمانوں کی بہت غلط تصویر انسانی سماج میں جا رہی ہے، اخلاقیات اور معاملات میں کھوکھلا پن بڑھتا چلا جا رہا ہے، مسلمانوں کے لیے یہ بڑا لمحہ فکریہ ہے، اس کی اصلاح کی شدید ضرورت ہے، تاکہ اسلامی معاشرہ مکمل اسلام کی تصویر بن سکے۔

جب آیت شریفہ میں استہزا کرنے، برا بھلا کہنے اور برے ناموں سے پکارنے کی ممانعت ہے تو حق مارنا کس درجہ گناہ کی بات ہو گی، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ سے پوچھا: جانتے ہو مفلس کون ہے؟ انہوں نے کہا جس کے پاس درہم و دینار نہ ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مفلس وہ نہیں ہے (جس کے پاس روپیہ پیسہ نہ ہو) مفلس تو وہ ہے جو قیامت کے دن نیکیاں لے کر آئے گا، لیکن کسی کو ستایا ہو گا، کسی کا حق مارا ہو گا، کسی کو گالی دی ہو گی، ان تمام لوگوں کو اس کی نیکیاں دے دی جائیں گی، اور جب نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو ان لوگوں کی برائیاں اس کے سر ڈالی جائیں گی، اور پھر (ہزاروں نیکیوں کے باوجود) اس کو منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔[6]

زبان کی خرابیاں

زبان کا استعمال آدمی آسانی سے کر لیتا ہے، اور اس کو احساس بھی نہیں ہوتا کہ اس سے کتنے دل دکھے، کتنوں پر زد پڑی، کہاں کہاں معاملات بنتے بنتے بگڑ گئے، آیت شریفہ میں جن باتوں سے روکا جا رہا ہے، ان میں زیادہ تر زبان کی بے احتیاطیاں اور برائیاں ہیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ زبان کے استعمال میں آدمی کو باک نہیں ہوتا، وہ اکثر سوچ ہی نہیں پاتا کہ اس کے نتائج کیا نکلیں گے۔ حدیث میں آتا ہے کہ آدمی بعض مرتبہ دیکھنے میں معمولی سی بات زبان سے نکالتا ہے، وہ اس کو تحت الثریٰ میں پہنچا دیتی ہے، معاشرہ کے بگاڑ میں زبان کا سب سے بڑا دخل ہے، بعض مرتبہ اس کا گھاؤ اتنا گہرا ہوتا ہے کہ اس کا بھرنا آسان نہیں ہوتا، ایک عرب شاعر کہتا ہے:

جراحات السنان لها التيام
ولا يلتام ما جرح اللسان

"نیزوں کے زخم بھرے جاسکتے ہیں، لیکن جو زخم زبان سے لگتا ہے وہ بھرا نہیں جاسکتا۔"

زبان کے بے جا استعمال سے آدمی خود مصیبت مول لیتا ہے، عمومی طور پر پریشانیوں کا سبب یہی ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ صاف صاف فرماتے ہیں:

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا۝ (سورة الأحزاب: ۷۰،۷۱)

"اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اور جچی تلی بات کہو، اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو بنادے گا اور گناہوں کو معاف کر دے گا۔"

ایک حدیث میں آتا ہے کہ تم دو چیزوں کی ضمانت لے لو، میں تمہارے لیے جنت کی ضمانت لیتا ہوں:

الفم والفرج[7]

"منہ اور شرم گاہ۔"

ایک دوسری حدیث میں فرمایا:

وهل يكبّ الناس على وجوههم إلا حصائد ألسنتهم[8]

"لوگوں کو جہنم میں منہ کے بل ان کی زبان کے کرتوت ہی لے جائیں گے۔"

حدیث کی یہ نہایت ہی بلیغ تعبیر ہے، حصیدۃ کی جمع حصائد ہے، حصائد کٹی ہوئی کھیتی کو کہتے ہیں، درانتی یا ہنسیا سے جب کھیتی کاٹی جاتی ہے، تو غلہ کے ساتھ جنگلی گھاس بھی اس میں آ جاتی ہے، اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کیڑے مکوڑے بھی درمیان میں پھنس کر کٹ جاتے ہیں، کاٹنے والا اپنا عمل جاری رکھتا ہے، یہی زبان کا حال ہوتا ہے، جو لوگ بغیر دیکھے بھالے،

---

[5] بیہقی، شعب الایمان

[6] صحیح مسلم، باب تحریم الظلم، ترمذی، باب ماجاء فی شأن الحساب

[7] صحیح بخاری، باب حفظ اللسان، شعب الایمان اور مسند احمد کی روایتوں میں چھ چیزوں کا تذکرہ ہے۔

[8] ابن ماجه، باب كف اللسان فى الفتنه، ترمذى، باب ماجاء فى حرمة الصلوٰة

سوچے سمجھے، اس کا استعمال کرتے ہیں، وہ بعض فائدوں کے ساتھ اپنا کتنا نقصان کر لیتے ہیں، اس کا اندازہ ان کو نتائج نکلنے کے بعد ہوتا ہے، اور بہت سے نتائج تو آخرت پر موقوف ہیں، اسی لیے قرآن وحدیث میں بار بار اس کی تاکید کی گئی ہے کہ زبان کا استعمال احتیاط کے ساتھ کیا جائے، ایک حدیث میں آتا ہے:

من كان يؤمن باالله واليوم الآخر فيلقل خيرا أو ليصمت[9]

"جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، وہ بھلی بات کہے ورنہ خاموش رہے۔"

ہزار خرابیوں کی جڑ یہ زبان ہے، آدمی بعض مرتبہ کچھ نہیں تو اپنی تعریف ہی شروع کر دیتا ہے، اور اس کے اندر تعلّی کا احساس شامل ہو جاتا ہے، جو اس کو نقصان پہنچاتا ہے، حاصل یہ ہے کہ تحفظ کے ساتھ زبان کا استعمال ہو گا تو بچنے کی امید ہے، ورنہ خطرہ ہی خطرہ ہے، آیت شریفہ میں اسی لیے بڑی تاکید کے ساتھ یہ احکامات دیے گئے ہیں تاکہ زبان سے کوئی تکلیف کسی کو نہ پہنچے۔

بدترین بات

فسق اللہ کے حکم سے سر تابی کو کہتے ہیں، زبان کے غلط استعمال سے ممانعت کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ

"ایمان کے بعد فسق بدترین نام ہے۔"

اس میں صاف صاف یہ اشارہ ہے کہ اوپر جن منہیات کا ذکر تھا وہ سب فسق میں شامل ہیں، ایک حدیث میں آتا ہے:

سباب المؤمن فسوق[10]

"مومن کو گالی دینا فسق کی بات ہے۔"

اسم اپنے مسمّٰی پر دلالت کرتا ہے، جہاں کسی چیز کا نام لیا جاتا ہے، وہاں اس کا چرچا ہوتا ہے، اس میں بظاہر یہ اشارہ ہے کہ ایمان کے ٹھپہ لگ جانے کے بعد لوگوں میں اس کا چرچا ہو جانے کے بعد پھر فسق کا چرچا ہو، یہ ایمان کے تقاضے کے خلاف ہے، اور اس سے اسلام پر زد پڑتی ہے، عام لوگ فرق نہیں کر پاتے، جب وہ مسلمان میں کسی صفت کو دیکھتے ہیں تو وہ اس کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں، کسی مسلمان کے فعل سے اسلام پر زد پڑے اور اس کا یہ عمل دعوت اسلام کے لیے روڑا بنے، اس سے بڑھ کر برائی کیا ہو سکتی ہے؟

اور پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دولت ایمان سے سرفراز فرمایا، اخلاق کی بلندی عطا فرمائی، ایسی پاکیزہ تعلیمات دیں جو نہ کسی مذہب میں مل سکتی ہیں اور نہ کسی تہذیب میں، اس کے بعد پھر آدمی سر تابی کرے، ان تعلیمات کی ناقدری کرے، تو یہ بدترین بات ہے، ترقی کے بعد تنزلی، روشنی کے بعد تاریکی، علم کے بعد جہالت، ایمان کے بعد فسق و فجور، اس کو سوائے بے توفیقی کے اور کس چیز سے تعبیر کیا جائے، آپ ﷺ نے جن چیزوں سے پناہ مانگی، ان میں یہ بھی ہے:

أعوذ بک من الحور بعد الكور[11]

"اے اللہ تاج سعادت دے کر پھر اس سے محروم نہ فرمانا۔"

"کور" عمامہ کے پیچ کو کہتے ہیں، اور "حور" اس کے کھل جانے کو کہتے ہیں۔

توبہ کی قیمت

بڑے سے بڑے سرکش، کافر اور گنہگار کے لیے بھی اللہ نے دروازہ بند نہیں کیا، جب تک جان میں جان ہے، دروازہ کھلا ہوا ہے، اگر ان ہزار خرابیوں کے بعد بھی بندہ مالک کی طرف لوٹ جائے، توبہ کر لے، تو اللہ تعالیٰ سب کو معاف کر دیتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○(سورۃ الزمر: ۵۳)

"وہ تمام گناہوں کو معاف کرنے والا اور نہایت رحم والا ہے۔"

ہاں اگر کوئی عناد پر کمربستہ ہے اور رجوع نہ کرے تو اس کے بارے میں ارشاد ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○

"اور جو توبہ نہ کریں وہی ناانصاف ہیں۔"

کوتاہی کا احساس بڑی چیز ہے، اپنی غلطی کو غلطی سمجھنا معمولی بات نہیں، غلط راستہ پر پڑ جانے کے بعد اگر اپنی غلطی کا ادراک ہو گیا تو آدمی واپس آ سکتا ہے، صبح کا بھولا شام کو اگر گھر آ جائے تو اس کو بھولا نہیں کہتے، لیکن اگر راستہ بھٹک جانے کے بعد احساس ہی نہ رہے تو آدمی کہاں سے کہاں پہنچ جائے، اور پھر اس کو منزل ہی نہ مل سکے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۴ پر)

[9] صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان و باب اکرام الضیف، صحیح مسلم، کتاب الایمان باب الحثّ علی اکرام الضیف

[10] مسند احمد، مصنف ابن ابی شیبه

[11] ترمذی، باب مايقول إذا خرج مسافر، نسائی، باب الاستعاذة من الحور

نویں قسط

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سائے میں

معاصرِ جہاد کے لیے سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مستفاد فوائد و حِکَم!

شیخ منصور شامی رحمۃ اللہ علیہ / استفادہ: مفتی محمد متین مغل

زیر نظر تحریر شیخ منصور شامی (محمد آل زیدان) شہید رحمۃ اللہ علیہ کے آٹھ عربی مقالات کا اردو ترجمہ ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ محرم ۱۴۳۱ھ میں وزیرستان میں شہید ہوئے۔ یہ مقالات مجلہ 'طلائع خراسان' میں قسط وار چھپے اور بعد ازاں مذکورہ مجلّے کی جانب سے محرم ۱۴۳۲ھ میں کتابی شکل میں نشر ہوئے۔ ترجمے میں استفادہ اور ترجمانی کا ملا جلا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ مترجم کی طرف سے اضافہ کردہ باتوں کو چوکور قوسین [] میں بند کیا گیا ہے۔ (مترجم)

بڑی غلطی!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس تیر اندازوں پر مشتمل ایک دستے کو لشکر کی پشت کی جانب ایک چوٹی پر لشکر کے عقب کی حفاظت کے لیے مقرر کیا۔ یہ چوٹی تیر اندازوں کے پہاڑ کے نام سے معروف ہے۔ اور ان سے کہا:

"اگر تم یہ دیکھو کہ پرندے ہمیں اچک کر لے جا رہے ہیں یعنی ہمیں شکست کھاتا دیکھو تو بھی اپنی جگہ سے مت ہلنا جب تک میں خود تمہیں پیغام بھیج کر نہ بلالوں، اور اگر تم یہ دیکھو کہ ہم مدمقابل کو شکست دے کر پچھاڑ چکے ہیں تب بھی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرنا یہاں تک کہ میں خود پیغام بھیج کر تمہیں بلوا لوں۔"

> بے اطاعتی کی تمام صورتوں سے بچنے کا واحد راستہ خود کو علم و تقویٰ سے مزین کرنا ہے، انسان سے بھول چوک ہو جاتی ہے، سو اگر وہ توبہ کر کے حق کی طرف لوٹ آئے تو کوئی مسئلہ نہیں، البتہ جو معصیت پر ڈٹا رہے اور اس میں منہمک رہے اس کے لیے پوری پوری ہلاکت ہے۔

لیکن ہوا یہ کہ جب اللہ نے اپنے بندوں پر نصرت اتاری اور کفار کو شکست ہوئی تو اس تیر انداز دستے کے دل میں بھی دنیاوی مال و متاع کی چاہت پیدا ہوئی اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ بھئی! غنیمت جمع کرو! ہمیں فتح مل گئی، اب کس کا انتظار ہے؟

اس دستے کے امیر نے اپنے ساتھیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یاد بھی دلایا، لیکن اکثریت نے غنیمت جمع کرنے کے لیے پہاڑ کی چوٹی سے اترنے کو ترجیح دی۔

جب مشرکین نے چوٹی کو خالی دیکھا تو موقع سے فائدہ اٹھایا اور پشت کی جانب سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا، جس سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا، اسلامی لشکر تتر بتر ہو گیا، کئی صحابہ شہید اور متعدد زخمی ہوئے، اگر اللہ کا فضل شامل حال نہ ہوتا تو مسلمانوں کو شکست فاش ہو جاتی۔

تیر انداز دستے کی اس خطا میں مسلمانوں کے لیے ایک بہت بڑا درس عبرت ہے، کیونکہ خطا میں تکرار کا امکان ہوتا ہے جس کا نتیجہ ممکن ہے کہ پہلی بار سے زیادہ ہولناک ہو، اور تکرار خطا میں یہ لازم نہیں کہ بعینہ اسی خطا کو دہرایا جائے، بلکہ خطا کی صورتیں مختلف ہو سکتی ہیں، یہاں بنیادی خطا امیر کی بے اطاعتی ہے، اور اس کی صورتیں بے شمار ہیں، بلکہ بسا اوقات اس بے اطاعتی کی معصیت کو نیکی، دین پر غیرت اور مسلمانوں کی اجتماعی مصلحت کا خیال رکھنے کا جامہ بھی پہنایا جاتا ہے۔ اس قسم کی بے اطاعتی کا معصیت ہونا گو اتنا واضح نہیں ہوتا، لیکن اس کا ضرر سب سے شدید و سخت ہے۔ بعض اصلاح کے مدعی اس نوع کی بے اطاعتی کے لیے ایسی ایسی تاویلیں گھڑتے ہیں کہ سمجھدار آدمی بھی مغالطے میں پڑ جاتا ہے۔

بے اطاعتی کی وجوہات!

کبھی کسی دنیاوی فائدے کے حصول کے لیے بے اطاعتی ہوتی ہے، جیسا کہ غزوۂ احد میں ہوا، یا مثلاً کوئی فرد اپنے امیر سے کسی مادی نفع کا طالب ہو اور مقصد برآری نہ ہونے کی صورت میں بے اطاعتی کی دھمکی دے۔

ایک سبب اپنی رائے پر اترانا ہے، ایسا فرد اپنی بے اطاعتی کا جواز یہ پیش کرتا ہے کہ امیر نے میرا مشورہ نہیں سنا اور میری "گہری" منصوبہ بندی پر نہیں چلا۔ اس بات کا مطلب تو یہ ہوا کہ یہ رائے دینے والا فرد امیر ہے جس کی اطاعت خود امیر پر بھی لازم ہے۔

ایک سبب کاموں کے بوجھ سے بچنا، ذمے داری اٹھانے سے جی چرا کر راحت کو ترجیح دینا ہے، ایسے حضرات کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ اطاعت تو بقدر استطاعت ہوتی ہے، حالانکہ اللہ تو دلوں کے بھید سے واقف ہے، اسے بھلا کوئی دھوکہ دے سکتا ہے؟

ایک اور سبب جہالت ہے، ایک فرد کو امیر کے کیے کام یا دیے گئے امر کی بابت حکم شرعی کا علم نہیں ہوتا کہ یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں، اور وہ اپنی کم علمی کی وجہ سے اسے ناجائز سمجھ کر اس کی مخالفت میں کمربستہ ہو جاتا ہے۔

ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ بے اطاعتی کرنے والا فرد خود کو امارت کا زیادہ مستحق سمجھتا ہے کہ اس کا امیر علم، تجربے یا عمر میں اس سے کمتر ہے۔ ایسا فرد اختلاف کو ہوا دیتا ہے، غلطیوں کی تشہیر کرتا ہے اور اچھے کاموں کا ذکر نہیں کرتا، اور دلیل یہ دیتا ہے کہ قیادت کمزور ہے، گو فی الواقع ایسا نہ ہو۔

بے اطاعتی کی ان تمام صورتوں سے بچنے کا واحد راستہ خود کو علم و تقویٰ سے مزین کرنا ہے، انسان سے بھول چوک ہو جاتی ہے، سو اگر وہ توبہ کر کے حق کی طرف لوٹ آئے تو کوئی مسئلہ نہیں، البتہ جو معصیت پر ڈٹا رہے اور اس میں منہمک رہے اس کے لیے پوری پوری ہلاکت ہے۔

نیز یہ بات جاننا بھی لازم ہے کہ جہاد کی خطا صرف خطا کار تک محدود نہیں رہتی، بلکہ پوری تحریک جہاد اس سے متاثر ہوتی ہے، اور الٰہی نصرت نہیں اترتی، جیسا کہ غزوۂ احد میں پیش آیا [اور غزوۂ حنین میں]۔

مجاہدین کی مثال تو ایک کشتی پر سوار لوگوں کی سی ہے، اگر کشتی والوں میں سے کوئی غلطی کرے گا تو تمام نہیں تو اکثر سوار تو یقیناً پانی میں ڈوب کر مریں گے، ہم مجاہدین بھی ایک ہی دفاعی مورچے پر پہرہ زن ہیں، سو ہم میں سے کسی کی جانب سے اسلام پر آنچ نہ آنے پائے۔

کم عمل، زیادہ اجر!

زخمیوں کے درمیان مسلمانوں نے اصیرم عمرو بن ثابت، نامی شخص کو بھی پایا، یہ نزع کے عالم میں تھے، مسلمان اس سے پہلے انہیں اسلام کی دعوت دیتے رہے تھے، مگر وہ انکار کرتے رہے، سو اپنے زخمیوں میں انہیں دیکھ کر مسلمانوں کو حیرت ہوئی کہ یہ یہاں کیسے آ گئے؟ یہ تو اسلام کے منکر تھے، سو انہوں نے اصیرم سے پوچھا: تمہیں کیا چیز یہاں کھینچ لائی؟ قوم کی محبت یا اسلام میں رغبت؟ اصیرم نے جواب دیا: اسلام کی رغبت مجھے میدان کارزار میں لائی ہے، میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا، پھر میں نے قتال میں شرکت کی اور مجھے یہ زخم لگے جو تم دیکھ رہے ہو۔

یہ کہہ کر اصیرم دم توڑ گئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ سارا واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جنتی ہے، رضی اللہ عنہ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے ایک نماز بھی نہیں پڑھی۔

جب ایمان کی سرشاری دل کو چھو لیتی ہے تو پھر اپنی سچائی پر بڑی سے بڑی دلیل پیش کرنا بھی مشکل نہیں ہوتا، تب انسان اپنے لیے رخصتیں نہیں تلاشتا، عذر نہیں تراشتا، بلکہ آگے بڑھ کر اس میدان کا رخ کرتا ہے جہاں انسانی جان کی بولی لگتی ہے اور جہاں غلام اپنے آقا و مالک کی رضا اور انعام کی خاطر جان تک وار دیتا ہے، پھر اسے قتل ہو جانے کا خوف نہیں ہوتا، بلکہ قتل ہونا ہی اس کا مطمح نظر ٹھہرتا ہے کہ اسی طرح وہ اپنے مالک کے انعامات کو پا سکتا ہے، سو اپنے مالک کی خاطر قتل ہونا اس کی سب سے بڑی تمنا بن جاتی ہے۔

[بقول شاعر:

دست از طلب ندارم تا کام من بر آید
یا تن رسد بجانان، یا جان ز تن بر آید

معنی و مفہوم: مقصد پورا ہونے تک میں اپنے مطالبے سے پیچھے نہیں ہٹوں گا، یا تو میرا جسم محبوب تک پہنچے گا یا پھر روح اس جسم سے نکل جائے گی۔]

سچا ایمان خود انسان کو حرکت میں لاتا ہے، خواہ ابھی اس کا پہلا دن ہی کیوں نہ ہو، جو حضرات اس عظیم فریضے کی ادائیگی کے لیے مطلق طور پر علم، تربیت اور تزکیے کی شرط لگاتے ہیں، انہیں اس منظر نامے کو خوب غور سے بنظرِ انصاف دیکھنا چاہیے، اپنی رائے پر گھمنڈ کو ایک طرف رکھ کر خود سے سوال کرنا چاہیے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصیرم رضی اللہ عنہ کے بغیر علم و تربیت کے جہاد پر نکل آنے کو ناپسند فرمایا اور علم و تربیت کو جہاد کی شرط قرار دیا؟ یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جنتی ہونے کی بشارت دی۔

کیا صحابہ کرام نے بغیر علم و تربیت کے ان کے نکل آنے کو ناپسند کیا یا یہ پوچھا کہ تمہارے آنے کا سبب قوم کی محبت ہے یا اسلام میں رغبت۔[1]

پھر کیا وجہ ہے کہ اصیرم رضی اللہ عنہ تو ایمان لا کر فوراً میدان کا رخ کرتے ہیں جبکہ آپ حضرات کے بال ایمان کی حالت میں سفید ہو گئے ہیں اور ہڈیاں سوختہ ہو گئی ہیں لیکن آپ اس اقدام سے عاجز ہیں، حالانکہ آپ ایک عرصے سے علم کے حصول اور تربیت و تزکیے میں مشغول ہیں۔

نیز آپ حضرات کے نزدیک ایمان کی وہ کم سے کم مقدار کیا ہے جس سے کوئی فرد جہاد کے قابل بنتا ہے؟ اس ایمانی پرورش کی مدت کتنی ہے؟ کیا حضرات فقہائے امت رحمہم اللہ میں سے کسی نے یہ شرط لگائی ہے جہاد کی فرضیت کے لیے؟

---

[1] راقم کا مقصود ہر گز ہر گز بھی علم و تربیت کو غیر اہم قرار دینا نہیں، بلکہ علم تو فرض کفایہ ہے اور کبھی فرض عین بھی ہوتا ہے، اسی طرح صف مجاہدین کی تربیت کی اہمیت سے بھی انکار نہیں، اصل تنقید اس ذہنیت پر ہے کہ جب مسلمانوں پر ہر طرف سے کفار یلغار کر رہے ہیں اور جہاد فرض عین کے دائرے میں داخل ہو گیا ہے اس وقت ان چیزوں کو شرط قرار دیا جا رہا ہے جو عام حالات میں [فرض کفایہ جہاد میں] بھی شرط نہیں۔ (راقم)

اسی طرح کے اور بھی کافی سوالات اٹھائے جاسکتے ہیں، لیکن اہم بات یہ جاننا ہے کہ ان سب کے جواب کے لیے بہت زیادہ سوچ وبچار کی ضرورت نہیں، بلکہ یہی ایک واقعہ کافی ہے، اس جیسے دیگر واقعات بھی تاریخ اسلام کا حصہ ہیں۔

حق پر ثابت قدمی!

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَـيْـــًٔا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ○

”اور محمد (ﷺ) ایک رسول ہی تو ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں، بھلا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا انہیں قتل کر دیا جائے تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے ؟ اور جو کوئی الٹے پاؤں پھرے گا وہ اللہ کو ہر گز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور جو شکر گزار بندے ہیں اللہ ان کو ثواب دے گا۔“

غزوۂ احد میں کسی نے پکار لگائی کہ رسول اللہ ﷺ معاذ اللہ قتل کر دیے گئے ہیں، اس سے بہت سے مسلمانوں کے حوصلے ٹوٹ گئے، اور اگر اللہ کی مدد شاملِ حال نہ ہوتی تو شاید وہ میدان چھوڑ جاتے، اس جھوٹی افواہ پر مسلمانوں کا ابتدائی ردعمل ان آیات کے نزول کا سبب بنا۔

یہ عظیم آیت مبارکہ امت مسلمہ کو وہ مضبوط و محکم بنیاد فراہم کرتی ہے کہ حوادث کے تھپیڑے خواہ کتنے ہی سخت ہوں، کتنے ہی قائدین شہید ہو جائیں، لیکن امت مضبوطی کے ساتھ حق پر ڈٹی اور راہِ حق پر گامزن رہے گی۔

انسان مر جاتے ہیں، لیکن حق کی زندگی سرمدی ہے، اصولوں کو کبھی موت نہیں چھو سکتی، مسلمان کسی قیادت کے پیچھے اسی حق کی خاطر ہی چلتے ہیں، سو اگر قیادتیں جسمانی طور پر مر جائیں یا حق کو چھوڑ کر معنوی موت کا شکار ہو جائیں، تو بھی مسلمان حق کا تابع رہتا ہے، حق کی اتباع کرتا ہے، اسی کی خاطر قربانی دیتا ہے اور اس راستے پر گامزن رہتا ہے۔

انسان مر جاتے ہیں، لیکن حق کی زندگی سرمدی ہے، اصولوں کو کبھی موت نہیں چھو سکتی، مسلمان کسی قیادت کے پیچھے اسی حق کی خاطر ہی چلتے ہیں، سو اگر قیادتیں جسمانی طور پر مر جائیں یا حق کو چھوڑ کر معنوی موت کا شکار ہو جائیں، تو بھی مسلمان حق کا تابع رہتا ہے، حق کی اتباع کرتا ہے، اسی کی خاطر قربانی دیتا ہے اور اس راستے پر گامزن رہتا ہے۔

یہ عظیم اسلامی حقیقت دشمنانِ اسلام کی نگاہوں سے اوجھل ہے کہ مسلمان کی زندگی دینِ حق کی خاطر ہے، نہ کہ افراد کی خاطر۔ اسی خاطر یہ دشمن مسلم قیادت کو نشانہ بنانے کے لیے بڑی جدوجہد کرتے ہیں، کہ انہیں قتل کر دیں، یا گرفتار کر لیں، یا بے گھر کر دیں، ان منصوبوں پر اربوں روپے خرچ کرتے ہیں تا کہ اسلام کی بیخ کنی کی جاسکے۔

بعض دشمن اس حقیقت کو سمجھ چکے ہیں اور مایوس ہو کر کہتے ہیں کہ اپنے سرداروں کے قتل یا گرفتاری سے مسلمان کمزور نہیں پڑتے، کیونکہ ان کا جینا اپنے اصولوں کی خاطر ہوتا ہے، ان کی امت میں عظیم لوگ بکثرت پیدا ہوتے ہیں، قیادت کا قتل انہیں مزید استقامت دیتا ہے کہ جیسے انہوں نے قربانی دی ہم بھی ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔

جیسا کہ اسی غزوہ احد میں جب رسول اللہ ﷺ کے قتل کی افواہ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو آپ نے کہا: ”رسول اللہ ﷺ کے بعد تمہاری زندگی کس کام کی؟ اٹھو اور جس دین پر رسول اللہ ﷺ کٹ گئے اس پر تم بھی مر مٹو“، پھر آپ رضی اللہ عنہ آگے بڑھ کر کفار کے لشکر میں گھس گئے، اور تادمِ شہادت قتال کرتے رہے۔

اللہ ورسول کا فرمانبردار گروہ!

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَھُمُ الْقَرْحُ ڕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْھُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ○(سورۃ آل عمران: ۱۷۲)

”وہ لوگ جنہوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسول کی پکار کا فرمانبرداری سے جواب دیا، ایسے نیک اور متقی لوگوں کے لیے زبردست اجر ہے۔“

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْھُمْ فَزَادَھُمْ اِيْمَانًا ڰ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ○(سورۃ آل عمران: ۱۷۳)

”وہ لوگ جن سے کہنے والوں نے کہا تھا: یہ (مکہ کے کافر) لوگ تمہارے (مقابلے) کے لیے (پھر سے) جمع ہو گئے ہیں، لہٰذا ان سے ڈرتے رہنا، تو اس (خبر) نے ان کے ایمان میں اور اضافہ کر دیا اور وہ بول اٹھے کہ: ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔“

غزوۂ احد کے بعد مسلمان تھکن سے بے حال اور زخموں سے چور تھے، رسول اللہ ﷺ نے خطرہ محسوس فرمایا کہ کہیں کفار یہ سوچ کر مدینہ پر حملہ آور نہ ہو جائیں کہ وہ مسلمانوں کو کماحقہ

نقصان نہیں پہنچا سکے ،اس لیے رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ واپس مدینہ جانے کے بجائے دشمن کا پیچھا کیا جائے، آپ ﷺ نے فرمایا:

’’اس تعاقب میں ہمارے ساتھ وہی نکلے گا جو جنگ میں شامل رہا ہو۔‘‘

سو لشکر اسلام نے پیش قدمی کی اور مدینہ منورہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر حمراء الاسد کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔

اس منظر نامے پر غور کر کے ہم مسلمانوں کی نفسیات کے اجزائے ترکیبی کو سمجھ سکتے ہیں، ان کے دل و دماغ، روح و بدن ایمان سے سرشار تھے ،ساری تھکن اور زخموں کے باوجود اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے امر کی تکمیل کے لیے اس ایمان نے ہی انہیں متحرک کیا۔

جو بھی سچا چاہنے والا ہوتا ہے، وہ اپنے محبوب کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے فوراً آگے بڑھتا ہے، خواہ خود کتنا زخمی کیوں نہ ہو! خواہ اس میں اس کا جسم تھکے یا جان جائے! محبوب کی خدمت بجالاتے ہوئے اسے تکلیف کا احساس ہی نہیں ہوتا، بلکہ محبوب کی رضا و خوشی کا تصور اس کی تکلیف کو راحت و لذت میں بدل دیتا ہے۔

سچے مسلمان بڑی سے بڑی ٹھوکر کھانے اور تکلیف اٹھانے کے بعد بھی اسی ایمانی فطرت کی بنا پر کھڑے ہو کر دوبارہ اپنا سفر شروع کر دیتے ہیں، اس حقیقت سے ہمارا دشمن یا تو جاہل ہے یا پھر تجاہل عارفانہ سے کام لیتا ہے۔

حمراء الاسد کے غزوے میں دشمن نے مسلمانوں کے خلاف ایک نفسیاتی حربہ آزمانے کی کوشش کی، ایک گروہ کو بھیجا، جس نے مسلمانوں کو یہ کہہ کر ڈرانا چاہا کہ کئی قومیں تم سے جنگ کے لیے ایک ہو چکی ہیں۔

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ○ (سورۃ آل عمران: ۱۷۳)

’’وہ لوگ جن سے کہنے والوں نے کہا تھا: یہ (مکہ کے کافر) لوگ تمہارے (مقابلے) کے لیے (پھر سے) جمع ہو گئے ہیں، لہٰذا ان سے ڈرتے رہنا، تو اس (خبر) نے ان کے ایمان میں اور اضافہ کر دیا اور وہ بول اٹھے کہ: ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔‘‘

یہ ایک اور مسلم حقیقت ہے کہ مسلمان خالق کو اور اس کی قوت و قدرت کو دیکھتا ہے اور اس پر اعتماد و توکل کرتا ہے، اس کی نظر مخلوق کی طرف نہیں جاتی، خالق و مخلوق کی قدرت کے موازنے کا مسلمان کا یہاں تصور ہی نہیں۔

[چہ نسبت خاک را با عالم پاک!

مٹی کو بھلا پاکیزہ عالَم سے کیا نسبت ہو سکتی ہے؟]

یہ ایمانی حقائق میں سے ایک اور حقیقت ہے جن سے ہمارے دشمن ناواقف ہیں، حالانکہ انہیں چاہیے کہ وہ ان ایمانی حقائق کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کریں، تاکہ اپنے ملک و قوم کو اس خسارے کی جنگ سے بچا پائیں، کیونکہ یہ ایمانی حقائق و اوصاف مسلمانوں کی فتح کے ضامن ہیں۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

بقیہ: ثكلتنا أمهاتنا إن لم ننصر رسول الله

کیا اس حالت میں کل اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو چہرہ دکھاؤ گے؟ کیا محض اپنی سرسری ایف آئی آرز سے سبکدوش ہو جاؤ گے؟ کیا تحفظ سنت اور ختم نبوت کے بڑے بڑے سیمیناروں اور کانفرنسوں کا عذر کافی ہو جائے گا؟

’’أينقص الدين و أنا حي‘‘ (میں زندہ رہوں اور دین میں کمی آجائے؟) یہ جملہ سب سے بڑے عاشق رسول سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زبان سے نکلا جملہ ہے، یہ جملہ صرف ایک منشائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی متوقع تاخیر کے اندیشے پر نکلا تھا، آج تو اس رسول کا دین بلکہ عزت ہی کو تار تار کرنے کی جان توڑ کوششیں کی جا رہی ہیں لیکن دعویدارانِ عشق کی جانب سے کوئی واقعی مؤثر ردعمل سامنے نہیں آرہا۔

ہوش کے ناخن لو اے مسلمانو، قبل اس کے ہوش اڑا دیے جائیں، ہندوستان کی سڑکوں کا چکا جام کرو، ملک گیر سطح پر اپنی اظہار عداوت اور حب رسالت کا عملی نمونہ پیش کرو۔

’’فداك نفسي يا رسول الله، فداك روحي يا حبيب الله‘‘، جیسے نعرے تو بہت بلند ہو گئے اب ان نعروں نے اپنے لگانے والوں سے صداقت و عدم منافقت کا ثبوت مانگا ہے۔

اٹھو اور کہو ان گستاخوں سے:

إذا كانت حرية أقوالكم لا ضابط لها فلتتسع صدوركم لحرية أفعالنا

’’اگر تمہارے اظہار رائے کی آزادی کا کوئی ضابطہ و حد نہیں تو تمہارے سینے کشادہ و تیار ہو جائیں ہمارے آزادیٔ اظہارِ عمل کے لیے۔‘‘

☆☆☆☆☆

THE HEREAFTER

آخرت

شیخ انور العولقی شہید رحمہ اللہ

۲۱

موت ومابعد الموت

قیامت کے دن متقین صالحین کے احوال

۳. لوگوں کی حاجت روائی کرنے والے

ان لوگوں کا حال کہ جو لوگوں کی مدد کرتے ہیں اور ان کی حاجت روائی کرتے ہیں:

مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ (صحيح مسلم)

”جس شخص نے کسی مسلمان کی دنیاوی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کی، اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کرے گا۔“

یہ بھی ایک ایسا معاملہ ہے کہ جسے ہم ہیچ سمجھتے ہیں، یعنی دوسروں کی مدد کی قدر اور اہمیت۔ بعض مرتبہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دین محض چند رکعتوں اور چند روزوں کا نام ہے اور اس کے علاوہ لوگوں کے ساتھ جیسا چاہے معاملہ رکھو، مسئلہ نہیں ہے۔ چوری، لوٹ کھسوٹ، دھوکہ دہی، زبان درازی کرکے بھی ایک انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ مومن ہے۔ انسان کے اعمال پر اس کے دوسرے انسانوں کے ساتھ تعامل کا بہت اثر پڑتا ہے۔ بعض لوگ محض دوسرے لوگوں سے اچھے تعامل اور اچھے اخلاق کی وجہ سے جنت میں داخل کیے جائیں گے۔ اس بارے میں بہت سی احادیث ہیں جن کا ہم نے پہلے ذکر کر رکھا ہے۔ اگر کوئی شخص دنیا میں کسی کی مصیبت یا تکلیف دور کرنے میں مدد کرتا ہے تو اللہ اس کے لیے آخرت کی بہت سی تکالیف میں سے کوئی تکلیف دور فرمادیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ:

وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (صحيح مسلم)

”اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی، اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا۔“

گناہوں کی پردہ پوشی کیونکر کی جائے

عورۃ وہ چیز ہے کہ جس کے لیے آپ نہیں چاہتے کہ کوئی اور اس کو دیکھے۔ اسی لیے انسان کی شرم گاہ کو بلکہ جسم کے ہر اس حصے کو عورۃ کہا گیا ہے جسے کسی دوسرے کے سامنے کھولنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح عورۃ میں اور بھی چیزیں شامل ہیں جو انسان دوسروں کے سامنے نہیں ظاہر کرنا چاہتا، مثلاً انسان کے گناہ۔ ایک انسان گناہ کرتا ہے مگر اسے دنیا سے چھپا کر رکھنا چاہتا ہے۔ مثلاً یہ ممکن ہے کہ کوئی نمازی مسلمان ہو اور اس کے دل میں ایمان ہو مگر وہ شراب کی لت میں مبتلا ہو، جو کہ ایک کبیرہ گناہ ہے۔ اس کے باوجود وہ شخص اللہ سے محبت رکھتا ہو اور اس پر ایمان رکھتا ہو اور اپنی کمزوری سے واقف ہو۔ وہ اس بری لت میں مبتلا ہو، جانتا ہو کہ یہ ایک مصیبت ہے، اور اللہ سے معافی کا خواستگار ہو اور وہ لوگوں سے اپنی اس کمزوری کو چھپاتا ہو۔ کسی شخص کو کسی طرح اس انسان کی اس کمزوری کا علم ہو جائے اور وہ اس کی تشہیر نہ کرے بلکہ اس کے راز کو راز ہی رہنے دے، اس کی پردہ پوشی کرے تو قیامت کے دن اللہ رب العزت اس کے کسی راز کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔ ہم سب ہی کے اعمال، خیالات یا ارادوں میں کچھ نہ کچھ ایسا ضرور ہوتا ہے جس پر ہم دوسروں کو مطلع نہیں کرنا چاہتے اور ہم اپنے اس گناہ پر مصر نہیں ہوتے بلکہ اللہ سے اس کی معافی کے خواستگار ہوتے ہیں۔ پس اگر ہم اپنے کسی بھائی کے عیب کی پردہ پوشی کریں گے تو اللہ قیامت کے دن ہمارے راز کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک حرام عمل یا بات کو چھپایا جائے؟ کوئی یہ سوچ سکتا ہے کہ کبیرہ گناہ کو کیسے چھپایا جا سکتا ہے کہ جس کے ارتکاب پر حد بھی ہے؟ اسلام میں حدود کا مقصد یہ ہے کہ معاشرے کو عام ہو جانے والے ان گناہوں سے پاک کیا جائے جو افراد پر اثر انداز ہو سکتے ہوں۔ گناہ کی اس پردہ پوشی میں بہت بڑی حکمت ہے۔ گناہ اس وقت خطرناک ہو جاتا ہے کہ جب وہ عام ہو جائے، لیکن اگر وہ گناہ عام نہ ہو بلکہ کسی کا ذاتی فعل ہو اور لوگوں پر اثر انداز نہ ہوتا ہو تو وہ معاشرے کے لیے خطرہ نہیں ہے۔ ایک شخص خلوت میں، اپنے گھر میں چھپ کر، لوگوں کے سامنے ظاہر کیے بغیر گناہ کر رہا ہے تو اس کا نقصان دوسرے لوگوں کو نہیں ہے، نقصان تو تب ہوتا ہے کہ جب وہ شخص اس گناہ کو علانیہ کرنا شروع کر دے اور دیگر لوگ بھی اس گناہ کی جانب متوجہ ہو جائیں۔ عام لوگوں کے دل و ذہن میں شراب پینے کا خیال نہیں آتا، لیکن اگر کوئی ان کے سامنے علانیہ شراب پیے، بل بورڈز پر شراب کے اشتہار لگے ہوں، بڑی

بڑی کمپنیاں شراب بنارہی ہوں، تو لوگ ضرور اس کی طرف متوجہ ہوں گے۔ لیکن جب ایک شخص خلوت میں ایک گناہ کر رہا ہے اور لوگوں کو اس کا علم نہیں ہے تو ممکن ہے کہ وہ کسی دن توبہ کرلے اور دوبارہ اس گناہ کے قریب نہ پھٹکے، وہ گناہ اس کے لیے قصہ پارینہ ہو کر رہ جائے اور وہ توبہ کے بعد ایک نئی گناہ سے پاک زندگی شروع کرے۔ معاملہ تب خطرناک ہو جاتا ہے کہ جب گناہ عام ہو جائے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لَمْ تَظْهَرْ الْفَاحِشَةُ فِي قَوْمٍ قَطُّ حَتَّى يُعْلِنُوا بِهَا إِلَّا فَشَا فِيهِمْ الطَّاعُونُ وَالْأَوْجَاعُ الَّتِي لَمْ تَكُنْ مَضَتْ فِي أَسْلَافِهِمْ (ابن ماجه)

”جس قوم میں فحاشی اعلانیہ ہونے لگے تو اس میں طاعون اور ایسی ایسی بیماریاں پھیل جاتی ہیں جو ان سے پہلے لوگوں میں نہ تھیں۔“

اس حدیث میں واضح طور پر فحاشی کے عام ہونے کے ساتھ وعید سنائی گئی ہے۔ میں اس نکتے کی مزید وضاحت کرتا ہوں، اور یہ ایسا اصول ہے کہ جسے چھوٹی سے چھوٹی چیز پر بھی منطبق کیا جا سکتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (سورۃ النور: ۱۹)

”یاد رکھو کہ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی پھیلے، ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں بارے ہے کہ جو ٹوہ لگاتے ہیں لوگوں کے گناہوں کی اور پھر معاشرے میں ان کی تشہیر کرتے ہیں۔ ’تمہیں پتا ہے کہ فلاں نے کیا کیا؟‘، ’جانتے ہو فلاں جگہ کیا ہوا؟‘، اور وہ ان خبروں کو پورے معاشرے میں یہ کہہ کہہ کر پھیلا دیتے ہیں۔ لوگوں کے گناہوں کی تشہیر بجائے خود فساد پھیلانے کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ بالخصوص اخلاقی گناہ مثلاً زنا جیسی چیزوں کے بارے میں بہت زیادہ بات کرنا اور چھپی ہوئی باتوں کو عام کرنا معاشرے میں فساد پھیلانے کا باعث ہوتا ہے۔ گناہ کی جو بات لوگوں کے ذہنوں میں عام نہ ہوئی ہو اس کا تذکرہ نہیں کرنا چاہیے۔

قیامت کے دن حساب کتاب کا عمومی اصول یہ ہو گا کہ انسان فرداً فرداً اللہ رب العزت کے سامنے پیش ہوں گے، ﴿وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَرْدًا﴾، تمام مخلوق، جن وانس اس کا مشاہدہ کر رہے ہوں گے اور اللہ رب العزت سب کے سامنے اس شخص سے دریافت فرمائیں گے کہ کیا تم نے یہ اور یہ گناہ کیا تھا، پس اس کے تمام گناہ ظاہر ہو جائیں گے۔

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنكُمْ خَافِيَةٌ ○ (سورۃ الحاقۃ: ۱۸)

”اس دن تمہاری پیشی ہو گی، تمہاری کوئی مخفی سے مخفی بات بھی چھپی نہیں رہے گی۔“

لیکن بعض لوگ ایسے ہوں گے کہ جنہیں اللہ رب العزت طلب فرمائیں گے اور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت نیچے تشریف لائیں گے اور عین اس شخص کے کندھوں کے قریب اور پھر اس سے خفیہ طور پر اس کے گناہوں کی بابت دریافت فرمائیں گے اور اس گفتگو کا علم کسی دوسرے کو نہیں ہو سکے گا۔ اور پھر اللہ رب العزت اس شخص سے فرمائیں گے کہ میں نے تمہارے گناہوں کا دنیا میں بھی پردہ رکھا اور میں آج بھی تمہارے گناہوں کی پردہ پوشی کروں گا۔ اللہ رب العزت کی اس رحمت کو پانے کا ایک ذریعہ دوسروں کے گناہوں کی پردہ پوشی ہے۔ اور یہ ولا تجسسوا ہی کی تشریح ہے۔

اللہ رب العزت نے قرآن میں حکم دیا ہے کہ دوسروں کی ٹوہ نہ لگاؤ، ان کی جاسوسی نہ کرو۔ ہم میں سے ہر ایک کی ذات میں بہت کچھ ایسا ہے کہ جس کی ہمیں فکر کرنی چاہیے، پس یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم دوسروں کی زندگیوں میں جھانک جھانک کر وہ ڈھونڈیں کہ جس کی انہیں فکر ہے۔ البتہ جب آپ کسی گناہ کو اعلانیہ ہوتے دیکھیں تو پھر منکر کو روکنا آپ کی ذمہ داری بنتی ہے۔ علانیہ گناہ کو ہوتے دیکھ کر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حکم آپ پر لاگو ہوتا ہے۔ لیکن اسلام ٹوہ لگانے، کن سوئیاں لینے، تجسس کرنے، بلا ضرورت تفتیش و تحقیق کرنے کا نام نہیں ہے۔ اسلاف کی نصیحت ہے کہ انسان اپنے کام سے کام رکھے۔ ’آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی باتوں میں نہ پڑے‘۔ اور پھر مذکورہ حدیث کے آخر میں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

وَاللَّهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ (صحيح مسلم)

”اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندے کی مدد میں لگا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے۔“

اور سلسلہ احادیث صحیحہ کی ایک حدیث میں ہے کہ:

”اگر تم اپنی بھائی کی غیر موجودگی میں اس کی نصرت کرو گے تو اللہ رب العزت قیامت کے دن تمہاری نصرت فرمائیں گے۔“

آپ چند لوگ کسی جگہ اکٹھے ہیں اور آپ میں سے کوئی ایک صالح بھائی وہاں موجود نہیں ہے۔ لوگ اس کی غیبت کرنے لگتے ہیں اور ایسے میں آپ اپنے اس بھائی کا دفاع کرتے ہیں جو اپنے دفاع کے لیے وہاں موجود نہیں ہے۔ جو شخص اپنے بھائی کی غیر موجودگی میں اس کا دفاع کرے، اس کی مدد کرے تو اللہ قیامت کے دن اس کا دفاع فرمائیں گے، اس کی نصرت فرمائیں گے اور اس وقت اس کی مدد فرمائیں گے جب اسے ضرورت ہو گی۔

ہمارے ایسے بھائی یا ہمارے علماء جن کے تقویٰ کے بارے میں ہم یقین رکھتے ہوں، جب ان کی غیبت کی جائے یا ان کو برا بھلا کہا جائے تو ہمیں ضرور ان کا دفاع کرنا چاہیے مگر اس دفاع کو تعصب نہیں بننا چاہیے۔ کسی شخص کا دفاع محض اس کی شخصی حیثیت کی وجہ سے نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس وجہ سے ہونا چاہیے کہ وہ حق پر ہے۔ اگر کوئی شخص محض ان لوگوں کا دفاع کرتا ہے جن کی رائے سے وہ اتفاق رکھتا ہے، جو اس کی جماعت کے ہیں، چاہے وہ حق پر ہوں یا غلط ہوں، وہ محض ان کے اپنے آپ یا اپنی جماعت سے منسوب ہونے کی وجہ سے ان کا دفاع کرتا ہے تو یہ تعصب ہے۔ دفاع ہر اس شخص کا کیا جانا چاہیے جو خواہ کسی اور گروہ اور کسی اور جماعت سے تعلق رکھتا ہو مگر آپ کو اس کے تقوی کا اس کی صالحیت کا یقین ہو۔ اور یہی بات نبی کریم ﷺ نے ذیل کی حدیث میں فرمائی ہے:

انْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا (صحیح بخاری)

”تم اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔“

یہ اسلام سے قبل، عربوں کے جاہلی دور کا اصول تھا کہ اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ درست رستے پر ہو یا غلط۔ اگر میرے قبیلے کے کسی آدمی نے کوئی غلط کام کیا ہے تو میں پھر بھی اس کی مدد کروں گا کیونکہ وہ میرا اپنا ہے۔ اگر اس نے کوئی قتل کیا ہے اور دوسرے قبیلے کے لوگ اس کو قتل کرنے آئیں تو میں آنے والوں سے اپنے بھائی کے لیے قتال کروں گا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے یہ بات سنی تو حیران رہ گئے کیونکہ یہ تو دور جاہلیت کے تعصب کی باتیں تھیں اور نبی کریم ﷺ کیونکر اس جاہلی تعصب کو پسند فرما سکتے ہیں۔

آپ ﷺ نے یہی بات بیان فرمائی مگر اس کا دوسرا مفہوم لیا۔ یعنی جب تمہارا بھائی مظلوم ہو تو تم اس پر ظلم کرنے والے کا ہاتھ روکو اور اسے بتاؤ کہ وہ غلط کر رہا ہے اور اپنے بھائی سے اس تکلیف کو دور کر کے اس کی مدد کرو۔ اور اگر تمہارا بھائی ظالم ہو تو تم اس کا ہاتھ روک کر اس کی مدد کرو۔ پس جاہلی دور کی ایک کہاوت یا اصول کو اسلام نے نیا معنی دے دیا۔

۴. عدل و انصاف

ہم نے امام عادل اور ان کے عدل کا ذکر کیا۔ مگر عدل کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو صرف حکمران ہی کر سکتا ہے۔ بلکہ عدل ایسی چیز ہے کہ جو ہم سب کو عمل میں لانی چاہیے کیونکہ ہم میں سے ہر شخص ہی کسی نہ کسی درجے میں مسئول ہوتا ہے لہٰذا اسے اپنی مسئولیت میں عدل و انصاف کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ ہم نے ذکر کیا تھا کہ عدل ہی اس کائنات کا اصول ہے اور اسی پر زمین و آسمان قائم ہیں۔ اور جب بھی عدل و انصاف کا پلڑا غیر متوازن ہو گا تب بالیقین سب کچھ غلط ہونا شروع ہو جائے گا۔ اور عدل کا اجر بہت زیادہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ الْمُقْسِطِينَ عِنْدَ اللَّهِ عَلَى مَنَابِرَ مِنْ نُورٍ عَنْ يَمِينِ الرَّحْمَنِ عَزَّ وَجَلَّ وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِينٌ الَّذِينَ يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ وَمَا وَلُوا (صحیح مسلم)

”انصاف کرنے والے رحمن کے دائیں جانب اور اللہ کے نزدیک نور کے منبروں پر ہوں گے اور اللہ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں یہ وہی لوگ ہوں گے جو اپنے فیصلوں، اپنے اہل و عیال اور جن کے یہ ذمہ دار ہیں ان کے معاملے میں عدل کرتے ہیں۔“

جو بھی فیصلہ کرنے کے مقام پر ہو، خواہ وہ قاضی ہو، ثالث ہو یا کسی بھی معاملے میں اسے حکم بنایا جائے اور وہ اس میں انصاف سے کام لے تو قیامت کے دن وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ اس کے دائیں ہاتھ ہو گا۔ اور یہی اجر ان کے لیے بھی ہے جو اپنی اہل و عیال اور اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں انصاف سے کام لیتے ہیں۔

ہم انصاف کا خوب ڈھنڈورا پیٹتے ہیں، اس کی اہمیت بھی جانتے ہیں مگر ممکن ہے کہ ہم خود کبھی کسی ایسی صورت حال کا سامنا کریں کہ جس میں ہم سے انصاف کی توقع ہو تو ہم بے انصافی کر جائیں۔

سب سے زیادہ بے انصافی اہل و عیال کے مابین ہوتی ہے۔ بچوں کے معاملات میں، بیوی کے ساتھ سلوک میں، چھوٹے بہن بھائیوں کے ساتھ رویے میں، یہ وہ دائرہ ہے کہ جس میں بہت زیادہ بے انصافی کی جاتی ہے۔ لیکن ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح انصاف کا اجر بہت زیادہ ہے اسی طرح بے انصافی کا وبال بھی بہت زیادہ ہے۔ اس لیے کہ ہم جانتے ہیں کہ شدید ترین سزاؤں میں سے ظلم کی سزا بھی ہے۔ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اس کے اور مظلوم کی بد دعا کے بیچ کوئی چیز حائل نہیں ہے، خواہ وہ مظلوم کافر ہی کیوں نہ ہو۔ نبی کریم ﷺ نے بالخصوص بیان فرمایا کہ مظلوم کی بد دعا اور اللہ رب العزت کے بیچ کوئی چیز حائل نہیں ہو سکتی، وہ دعا ضرور اللہ پاک قبول فرمائیں گے خواہ وہ بد دعا کرنے والا مظلوم کافر ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ رب العزت مظلوم کی دعا ضرور سنیں گے۔ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ ہم میں سے ہر ایک کا ذمہ داری یا مسئولیت کا ایک مخصوص دائرہ ضرور ہوتا ہے۔ اور جب اس دائرے میں انسان کو اختیار حاصل ہوتا ہے تو اس اختیار کا غلط استعمال بہت مرغوب نظر آتا ہے۔ جس کے پاس جس قدر اختیار ہوتا ہے اتنا ہی اس کو اس کے استحصال سے رغبت ہوتی ہے۔ بالخصوص جب کسی مخالفت کی توقع بھی نہ ہو۔ لہٰذا بچے اور کمزور ظلم کرنے والے کے لیے آسان شکار ہوتے ہیں۔ مگر یاد رکھنا چاہیے کہ کوئی بھی ظلم غیر ملحوظ نہیں رہے گا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ضرور بالضرور ظالم سے اس کے ظلم کا حساب لیں گے اور اسے اپنے ظلم کی قیمت چکانی پڑے گی۔ اور اللہ رب العزت کسی بھی چیز کو نظر انداز نہ فرمائیں گے ورنہ تو یہ خود ہی بے انصافی ہو جائے گی۔ اللہ رب العزت کا ایک نام العدل ہے۔ اللہ رب العزت کا عدل اس قدر ہے کہ وہ جانوروں

میں بھی قائم ہو گا اور انہیں بھی اپنا معاملہ درست کرنا پڑے گا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہر عمل کا قصاص ہو گا حتی کہ بکریوں کے مابین بھی۔ حدیث میں آتا ہے کہ اگر دنیا میں سینگوں والی بکری نے بغیر سینگوں والی بکری پر ظلم کیا ہو گا تو اللہ رب العزت قیامت کے دن بغیر سینگوں والی بکری کو بدلہ دلوائیں گے۔ لہٰذا ہمیں اپنے خاندانوں میں، اپنے اہل و عیال میں اور اپنے دائرہ کار میں ضرور عدل و انصاف سے کام لینا چاہیے۔

۵. الشہداء والمرابطون

شہداء تو وہ ہیں جنہوں نے فی سبیل اللہ اپنی جانیں قربان کیں۔ جبکہ رباط کا لفظ رَبَطَ سے نکلا ہے اور اس کا معنی ہے کسی چیز کو باندھنا۔ رباط وہ جگہ ہے جہاں کوئی چیز باندھی جاتی ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ یہ وہ فوجی چوکی ہے جو اس مقام پر بندھے ہوئے دشمن کا انتظار کر رہی ہے یا اس علاقے کی حفاظت کر رہی ہے۔ پس فوج کا مرکز یا مستقر رباط کہلاتا ہے۔ جس وقت جنگ نہ ہو رہی ہو مگر فوج کسی علاقے کی حفاظت کے لیے وہاں متعین ہو یا متوقع دشمن کی آمد کی منتظر ہو تو یہ رباط کہلاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ شہید کے بعض منفرد فضائل ہیں: ایک یہ کہ خون کا پہلا قطرہ گرنے کے ساتھ ہی اللہ رب العزت اس کے تمام گناہ معاف فرما دیں گے۔ یہ پہلا اعزاز ہے۔ دوسرا یہ کہ شہید جنت میں اپنا مقام دیکھ لے گا۔ تیسرا یہ کہ شہید عذاب قبر سے بچا لیا جائے گا۔ اور وہ الفزع الاکبر، سب سے خوف ناک دن کی دہشت سے محفوظ رہے گا۔ اور فی الوقت ہم انہی لوگوں کی بات کر رہے ہیں جو اس دہشت ناک دن خوف سے امن دیے جائیں گے۔ اللہ رب العزت نے یوم قیامت کو الفزع الاکبر، سب سے دہشت ناک دن قرار دیا ہے، کیوں؟ کیونکہ اس روز ہر ایک اپنے عمل کا حساب دے گا۔ اپنے گناہوں سے ہر ایک ڈرے گا کیونکہ اس دن اس کی سزا متعین کی جائے گی اور اس کا ہر عمل ہر ایک کے سامنے ظاہر ہو جائے گا۔ اور اس دن اللہ رب العزت شہید کو اس خوف سے مامون کر دیں گے۔ کیوں؟ کیونکہ شہید کے تو سارے گناہ پہلے ہی معاف ہو چکے ہیں لہٰذا اللہ رب العزت قیامت کے دن اسے اطمینان اور سکون عطا فرمائیں گے۔ پانچواں یہ کہ اللہ رب العزت اس کے سر پر وقار کا تاج رکھیں گے جو انہیں مخلوق میں ایک معزز مقام عطا کرے گا اور اس تاج کا ایک ہیرا دنیا و مافیہا سے زیادہ قیمتی ہے۔ اور جنت کی بہتر حوروں سے اس کا نکاح کیا جائے گا اور ساتواں یہ کہ وہ اپنے اقربا میں سے ستر افراد کی شفاعت کر سکیں گے۔

شفاعت کا معنی یہ ہے کہ کسی شخص کے لیے کوئی سزا متعین کر دی گئی ہو گی مگر پھر وہ شخص جسے اللہ رب العزت شفاعت کا اختیار دیں گے اس شخص کی شفاعت کرے گا اور اس کی سزا کی معافی کی سفارش کرے گا۔ شہید کو اللہ رب العزت ستر افراد کی شفاعت کی اجازت مرحمت فرمائیں گے۔

پس شہادت اللہ رب العزت کی رحمت ہے، یہ ضیاع نہیں ہے، نقصان نہیں ہے، خسارہ نہیں ہے۔ اللہ کے رستے میں کسی کا شہید ہو جانا رحمت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ ﴿وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَآءَ﴾۔ اللہ شہید کو چھانٹ لیتے ہیں، منتخب فرماتے ہیں، ایسا نہیں ہے جو چاہے وہ اس رحمت سے مستفید ہو جائے، بلکہ یہ اللہ رب العزت کا انتخاب ہوتا ہے کہ کس کو اس بلند مقام سے نوازنا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے رباط سے متعلق فرمایا کہ ایک دن کا رباط ایک سال کے روزوں سے بہتر ہے۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی بھی مرابط فی سبیل اللہ ہوتے ہوئے مرا تو وہ الفزع الاکبر کے دن خوف سے بچا لیا جائے گا۔ اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو رباط کی حالت میں طبعی موت سے مر جائیں۔ یعنی الفزع الاکبر کی وحشت سے صرف وہ مامون نہیں رہیں گے جو رباط کی حالت میں دشمنوں کے ہاتھوں قتل کیے جائیں، بلکہ وہ بھی اس اعزاز کے حق دار ہوں گے جو حالت رباط میں وفات پا گئے۔ نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان کی قبروں میں اللہ رب العزت ان کے لیے رزق اور جنت کی ہوائیں عطا فرمائیں گے اور وہ قیامت کے دن تک اپنے رباط کے اس عمل کا اجر پاتے رہیں گے۔ یعنی ان کی وفات یا شہادت سے ان کا عمل تو رک جائے گا مگر ان کا اجر منقطع نہیں ہو گا بلکہ قیامت کے دن تک اس میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

> وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُكْلَمُ أَحَدٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُكْلَمُ فِي سَبِيلِهِ إِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاللَّوْنُ لَوْنُ الدَّمِ وَالرِّيحُ رِيحُ الْمِسْكِ (صحیح بخاری)

> ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو شخص بھی اللہ کے راستے میں زخمی ہوا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اس کے راستے میں کون زخمی ہوا ہے، وہ قیامت کے دن اس طرح سے آئے گا کہ اس کے زخموں سے خون بہہ رہا ہو گا، رنگ تو خون جیسا ہو گا لیکن اس میں خوشبو مشک جیسی ہو گی۔“

پس یہ وہ نشانی ہو گی جو قیامت کے دن انہیں ممیز کرے گی۔

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

> مَنْ قَاتَلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فُوَاقَ نَاقَةٍ فَقَدْ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ (ابو داؤد)

> ”اگر کسی نے اونٹنی کو دوبارہ دوہنے کے وقفہ کے برابر بھی قتال کیا تو اس کے لیے جنت واجب ہے۔“

اونٹنی کا دودھ دوہنے میں چند منٹ ہی لگتے ہیں، اور اگر کوئی شخص محض اتنی سی دیر کے لیے بھی اللہ کے راستے میں لڑے تو اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی۔

نیز فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے:

وَمَنْ جُرِحَ جُرْحًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ نُكِبَ نَكْبَةً فَإِنَّهَا تَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَغْزَرِ مَا كَانَتْ لَوْنُهَا لَوْنُ الزَّعْفَرَانِ وَرِيحُهَا رِيحُ الْمِسْكِ (ابو داؤد)

”اور جو اللہ کے راستہ میں لڑتا ہوا زخمی ہو جائے یا کسی اور وجہ سے زخمی ہو جائے تو وہ زخم قیامت کے دن اللہ کے حضور پیش ہو گا اس حال میں کہ اس کا رنگ زعفران جیسا ہو گا اور مشک خوشبو جیسی ہو گی۔“

یہ چند احادیث تھیں قیامت کے دن مجاہدین، شہداء اور مرابطین کے احوال کے حوالے سے۔

٦. الكاظمون الغيظ

اب ان لوگوں کا ذکر ہے جو اپنا غصہ پی جاتے ہیں۔ غصہ انسان کے دل کے اندر ایک بہت شدید احساس کا نام ہے۔ اور انسان اس غصے کو نہ نکالے تو یہ بہت تکلیف کا باعث بنتا ہے۔ انسان کو محسوس ہوتا ہے کہ اس کا خون کھول رہا ہے اور انسان کی جسمانی اور عضویاتی حالت تبدیل ہو جاتی ہے اور یہ بہت ہی قوی احساس ہے بالخصوص تب جب انسان بہت شدید غصے میں ہو۔ غصہ کی وجہ سے انسان نامعقول حرکات کرتا ہے اور مشتعل ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس قابل ہو کہ وہ اپنے غصے پر قابو پائے اور اسے دبالے، تو غصے کا احساس تو موجود رہے گا مگر وہ اس پر قابو پائے اور اسے پی جائے اور اسے نافذ نہ کرے تو ایسے شخص کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُنْفِذَهُ دَعَاهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى رُءُوسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُخَيِّرَهُ اللَّهُ مِنْ الْحُورِ الْعِينِ مَا شَاءَ (ابو داؤد)

”جو شخص غصہ پی جائے جبکہ وہ اس پر عمل درآمد کی قدرت رکھتا ہو تو اللہ اسے قیامت کے دن بر سر مخلوق بلائے گا اور اسے اختیار دے گا کہ جنت کی حور عین میں سے جسے چاہے منتخب کر لے۔“

بعض مرتبہ انسان غصے کو نافذ کرنے کی حالت میں نہیں ہوتا، جب وہ کمزور ہوتا ہے اور جب وہ اپنے غصے کا اظہار نہ کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ مگر یہ حدیث ان کو مخاطب ہے جن کے پاس قوت و اختیار ہو اور وہ اپنے غصے کو نافذ کر سکتے ہوں، انتقام لے سکتے ہوں اور پھر بھی غصہ پی جائیں۔ اللہ رب العزت قیامت کے دن ایسے شخص کو تمام مخلوق کے سامنے بلائیں گے، اس کا نام لے کر پکاریں گے اور پھر اسے اختیار دیں گے کہ جس حور کو چاہے پسند کر لے۔ یہ صرف ایک مرتبہ غصہ دبانے کا اجر ہے۔ مشقت کے بقدر ہی اجر ہوتا ہے۔ بعض مرتبہ غصہ دبانا حقیقتاً بہت مشکل ہو جاتا ہے بالخصوص تب جب کہ ایک شخص کا مزاج ہی غصیلا ہو اور اسے جلد غصہ آجاتا ہو اور حالات و واقعات اس کے غصے کو بھڑکا دیں اور وہ بھرپور طریقے سے اپنا غصہ نکالنے پر قادر ہو لیکن پھر بھی وہ غصہ پی جائے تو اس کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔ اور اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں متقین کی درج ذیل صفات بیان فرمائی ہیں:

﴿الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (سورۃ آل عمران: ۱۳۴)

”یہ وہ لوگ ہیں جو فراغت اور تنگی (دونوں) میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔“

متقین کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے غصے کو دبا لیتے ہیں۔ متقی وہ ہوتا ہے کہ اللہ کی نگرانی کا احساس جس کو مستحضر رہے۔ غصہ ور، مشتعل اور درشت گو مومن نہیں ہوتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایسی تربیت فرمائی تھی کہ وہ معاف کرنے والے تھے۔ وہ لوگوں کو معاف کر دیا کرتے تھے۔ وہ حق کے لیے لڑتے تھے مگر جہاں وہ انتقام پر قادر ہوتے وہ معاف کر دیتے تھے اور یہ بہت بڑا وصف ہے۔ گو اسلام آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت کے قانون کے ذریعے بدلے کا حق دیتا ہے مگر پھر اس سے بلند مرتبہ معاف کر دینے کا ہے۔ اپنا حق لینا اسلام میں جائز ہے مگر معاف کر دینا مستحب اور مستحسن ہے اور یہ اختیاری ہے۔ اگر کوئی شخص معاف کرتا ہے تو پھر اس کے لیے بڑا اجر ہے۔ عدالت میں جا کر کسی کو معاف کرنے پر مجبور کرنا کسی طور صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ اختیاری چیز ہے اور انصاف کہتا ہے کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک۔

۷. فضل المؤذنين (اذان دینے والے کا اجر)

مسلم شریف کی ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

الْمُؤَذِّنُونَ أَطْوَلُ النَّاسِ أَعْنَاقًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ

”قیامت کے دن مؤذن، لوگوں میں سب سے زیادہ لمبی گردنوں والے ہوں گے۔“

یہ اس لیے ہو گا تاکہ وہ سب سے طویل القامت اور علیحدہ دکھائی دیں اور یہ ان کا اجر ہے۔ اذان نماز کی پکار ہے لہٰذا اس کا اجر بہت زیادہ ہے۔

ایک اور حدیث جو نبی کریم ﷺ نے عبد الرحمان بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے بیان فرمائی، یہ ایک بدوی صحابی تھے اور وہ چرواہے تھے۔ یہ حدیث بخاری شریف میں منقول ہے:

إِنِّي أَرَاكَ تُحِبُّ الْغَنَمَ وَالْبَادِيَةَ فَإِذَا كُنْتَ فِي غَنَمِكَ أَوْ بَادِيَتِكَ فَأَذَّنْتَ بِالصَّلَاةِ فَارْفَعْ صَوْتَكَ بِالنِّدَاءِ فَإِنَّهُ لَا يَسْمَعُ مَدَى صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَلَا إِنْسٌ وَلَا شَيْءٌ إِلَّا شَهِدَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

''میں دیکھتا ہوں کہ تمہیں بکریوں اور جنگل میں رہنا پسند ہے، اس لیے تم جب اپنی بکریوں کے ہمراہ جنگل میں رہو اور نماز کے لیے اذان دو تو بلند آواز سے اذان دیا کرو، اس لیے کہ مؤذن کی آواز کو جو کوئی جن وانس یا اور کوئی سنے گا تو وہ اس کے لیے قیامت کے دن گواہی دے گا۔''

۸. وہ لوگ کہ جن کے بال اسلام میں سفید ہوئے

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي الْإِسْلَامِ كَانَتْ لَهُ نُورًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ (جامع ترمذی)

''جو اسلام میں بوڑھا ہو جائے، تو قیامت کے دن یہ اس کے لیے نور بن کر آئے گا۔''

بعض مرتبہ ہمیں اپنے بالوں کا سفید ہو جانا اچھا نہیں لگتا کیونکہ یہ بڑھتی عمر کی نشانی ہے مگر نبی کریم ﷺ نے اسے مومن کے لیے اعزاز کا باعث بتایا۔ نیز فرمایا:

لا تنتفوا الشيب فإنه نور المسلم من شاب شيبة في الإسلام كتب الله له بها حسنة وكفر عنه بها خطيئة ورفعه بها درجة (مشكوة)

''سفید بالوں کو نہ چنو کیونکہ بڑھاپا (یعنی بالوں کا سفید ہونا) مسلمانوں کے لیے نورانیت کا سبب ہے، جو شخص حالت اسلام میں بڑھاپے کی طرف قدم بڑھاتا ہے یعنی جب کسی مسلمان کا ایک بال سفید ہوتا ہے تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک نیکی لکھ دیتا ہے اور اس کی ایک خطا کو محو کر دیتا ہے اور اس کا ایک درجہ بلند کر دیتا ہے۔''

بعض مرتبہ لوگ سفید بالوں کو نکال دیتے ہیں بالخصوص جب جو جوانی میں ظاہر ہونے لگیں۔ آپ ﷺ نے انہیں نکالنے سے منع فرمایا کیونکہ یہ قیامت کے دن نور ہوں گے اور اللہ رب العزت ہر سفید بال کے بدلے اجر عطا فرمائیں گے۔

۹. وضو کرنے والے

إِنَّ أُمَّتِي يُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرًّا مُحَجَّلِينَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوءِ فَمَنْ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يُطِيلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ (صحیح بخاری)

''میری امت کے لوگ قیامت کے دن بلائے جائیں گے جبکہ وضو کے نشانات کی وجہ سے ان کی پیشانیاں اور ہاتھ پاؤں چمکتے ہوں گے۔ اب جو کوئی تم میں سے اپنی چمک بڑھانا چاہے تو اسے بڑھائے۔''

غر اور تحجیل گھوڑوں کے اوپر دو نشانات ہوتے ہیں۔ غر گھوڑے کے ماتھے پر اور محجلین گھوڑے کے پاؤں پر موجود نشان کو کہتے ہیں۔ عرب ان نشانات کو گھوڑوں کی خوبصورتی کی علامت سمجھتے تھے۔ ان الفاظ کا لغوی معنی خوبصورتی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اور قیامت کے دن یہ خوبصورتی وضو کے ذریعے ملے گی۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ جہاں تک وضو کا پانی پہنچتا ہے اللہ رب العزت مومن کے ان اعضا کو قیامت کے دن زیور پہنائیں گے۔

ایک اور حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ قبرستان تشریف لے گئے اور فرمایا:

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ بِكُمْ لَاحِقُونَ وَدِدْتُ أَنَّا قَدْ رَأَيْنَا إِخْوَانَنَا (صحیح مسلم)

''سلامتی ہو تم پر مومنوں کے گھر، ہم بھی انشاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں میں پسند کرتا ہوں کہ ہم اپنے دینی بھائیوں کو دیکھیں۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم حیران ہوئے اور کہا کہ کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم تو میرے صحابی ہو، میرے ساتھی ہو، میرے بھائی تو وہ ہیں جو ابھی نہیں آئے۔ یعنی باقی وہ ساری امت جن کو نبی کریم ﷺ نے نہیں دیکھا، ہم ان شاء اللہ نبی کریم ﷺ کے بھائی ہیں۔ پھر صحابہ نے دریافت کیا:

كَيْفَ تَعْرِفُ مَنْ لَمْ يَأْتِ بَعْدُ مِنْ أُمَّتِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ

''آپ ﷺ اپنی امت کے ان لوگوں کو اے اللہ کے رسول! کیسے پہچانیں گے جو ابھی تک نہیں آئے؟''

آپ نے فرمایا:

(بقیہ صفحہ نمبر ۳۲ پر)

مدرسہ ومبازہ

مدارس اور دینی جدوجہد کی تحریک

مولوی عبدالهادی مجاہد

زیرِ نظر تحریر افغانستان سے تعلق رکھنے والے عالم، داعی اور فکری جنگ پر دقیق نظر رکھنے والے مفکر فضیلۃ الشیخ مولوی عبد الہادی مجاہد (دامت برکاتہم) کی پشتو تصنیف 'مدرسه او مبارزه' کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ کتاب بنیادی طور پر افغانستان میں مدارس اور دینی تعلیم کے نظام کو مد نظر رکھتے ہوئے لکھی گئی ہے، لیکن کتاب میں بیان کی گئی امت مسلمہ کی حالت اور اس حوالے سے جو مطالبہ ایک افغان عالم اور مدرسے سے کیا گیا ہے وہ در حقیقت باقی عالمِ اسلام کے علماء اور مدارس سے زیادہ مطلوب ہے۔ اس لیے کہ افغانستان میں تو آج ایک شرعی و اسلامی حکومت قائم ہو چکی ہے جبکہ باقی عالَمِ اسلام اس سے کہیں پیچھے ہے۔ اس کتاب کے اصل مخاطبین علماء و طلبہ ہیں جن کی تاریخ بالاکوٹ، شاملی، صادق پور اور دیوبند کے پہاڑوں، دروں، میدانوں اور مساجد و مدارس کے در و دیوار پر نوشتہ ہے! ومن اللہ التوفیق! (ادارہ)

عالمِ اسلام میں سیکولر حکومتوں کے تعلیمی نظام اور مغرب نواز ذرائع ابلاغ: مغربی تسلط کے دو خطرناک ہتھیار

مغربی استعماری قوتوں نے عالمِ اسلام کو زیر کرنے کے لیے ہر ممکنہ وسیلہ استعمال کیا، چاہے وہ عسکری ہو، خفیہ، سیاسی، معاشی، تعلیمی ہو یا فکری۔ ان تمام شعبوں میں انہوں نے کثیر سرمایہ کاری بھی کی ہے۔

افغانستان بھی انہی ممالک میں شامل ہے جس پر قبضہ کرنے کی راہ میں استعماری قوتوں نے خود کو تھکا ڈالا۔ مگر تاریخ گواہ ہے کہ افغانستان میں کبھی بھی حملہ آوروں کے قدم مضبوطی سے جم نہیں سکے اور ہر بار وہ یہاں سے شکست خوردہ اور شرمندہ واپس گئے، اس لیے ان استعمار پسندوں نے اپنی تحقیق اور تجربات کی بنیاد پر یہ نتیجہ اخذ کیا کہ جب تک افغانوں کو ان کے معنوی اقدار، اصلی اسلامی اور افغانی ثقافت سے جدا نہ کیا جائے، اور انہیں مغرب کے گمراہ کن اور غیر فطری کلچر میں مدغم نہ کیا جائے، تب تک افغانستان پر مستقل قبضہ ممکن نہیں۔

اسی بنیاد پر مغربی ممالک نے مدتوں پہلے ہی افغانستان میں تعلیم، افکار اور ثقافت کے میدان میں اپنی سرگرمیاں شروع کیں، تاکہ افغان عوام کو اپنے فکری، عقیدتی اور سیاسی اثرات کے تحت لے آئیں۔

افغانستان میں مغربی تعلیمی اور فکری اثرات کا دائرہ اس حد تک وسیع ہوا کہ سرکاری تعلیمی ادارے بھی مغربی ممالک کے زیرِ اثر آگئے۔ ان اداروں کے نصاب میں مغربی زبانوں اور افکار نے جگہ بنالی۔

مثال کے طور پر:

- استقلال ہائی اسکول کو فرانسیسیوں نے،
- امانی ہائی اسکول کو جرمنوں نے،
- کابل پولی ٹیکنک کو روسیوں نے
- اور کابل یونیورسٹی کو امریکیوں نے سپورٹ کیا۔

جہاں ان ہی ممالک کی زبانیں پڑھائی جاتی تھیں اور ان ہی کی ثقافت اختیار کرنے کی افغان طلبہ کو ترغیب دی جاتی تھی۔

جب نئی نسل میں سے مغرب نواز با اختیار حکمران اور صاحبِ اقتدار بنے، تو انہوں نے مکمل طور پر مغربی ثقافت اور گمراہی کے اسباب پھیلا دیے۔ انہوں نے بے دینی، فحاشی اور عریانی کی تشہیر کی، جس کے نتیجے میں لاکھوں افغان لڑکیوں اور عورتوں نے پردہ اور حجاب اتار پھینکا، اسی پر ہی بس نہیں بلکہ انہوں نے اسکولوں اور سرکاری دفاتر میں لڑکیوں اور خواتین کو "فیشن" اور "ماڈرنزم" کے نام پر قمیصیں چھوٹی کرنے اور شلواریں ترک کرنے کی ترغیب دی، جس کے باعث روزانہ ہزاروں افغان خواتین شہروں میں یورپی عورتوں کی طرح بے پردہ، چست پاجاموں میں، اور ننگے سر گھومتی پھرتی تھیں۔ اور یہ سب کچھ تمدن اور ترقی کے نام پر کیا جارہا تھا۔

کفار کے مسلسل حملوں اور عسکری قبضے کے زور سے مسلمان عورتوں سے نہ تو حیا چھینی جاسکی اور نہ ہی ان کا پردہ ختم کیا جاسکا، لیکن وہ افغان جو مغربی ثقافت میں پلے بڑھے اور اسی رنگ میں رنگ دیے گئے، انہوں نے ہی افغان خواتین سے ان کے کپڑے بھی اتار دیے۔

حقیقت یہ ہے کہ افغانی معاشرے کو گمراہ کرنے میں اندرونی "ثقافتی" عناصر نے بیرونی "فرنگیوں" سے کہیں زیادہ خطرناک کردار ادا کیا۔

ان لوگوں نے ملک کے نشریاتی ادارے اور میڈیا مکمل طور پر مغربی ثقافت کی ترویج کے لیے وقف کر دیے تھے۔

انہوں نے شہری علاقوں میں نوجوانوں کی ایک ایسی نسل تیار کی، جسے مغرب کی زوال پذیر اور بے روح ثقافت، اسلام اور افغانی تہذیبی اقدار سے زیادہ محبوب اور بہتر نظر آتی تھی۔

امریکیوں نے ہمارے ملک پر قبضہ کرنے کے ساتھ ساتھ ہمارا نصابِ تعلیم اور ذرائع ابلاغ بھی اپنے قبضے میں لے لیے تھے۔

جب آخری بار امریکہ اور برطانیہ نے دیگر مغربی طاقتوں کی مدد سے ہمارے ملک وملت پر ایک بار پھر عسکری یلغار کی، تو انہوں نے ملک کی آزادی اور خود مختاری کو ختم کر دیا، ہزاروں بے گناہ انسانوں کو شہید کیا، عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم کر دیا، اور افغانوں کی سیاسی و ثقافتی تقدیر کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

اس کے بعد انہوں نے اپنے ساتھ ایسے مغرب نواز افغانوں کو شامل کیا، جنہوں نے ان کے تمام جرائم کو سندِ جواز فراہم کی، اور اس استعماری حملے کو افغان قوم کے لیے آزادی، جمہوریت، تمدن اور ترقی کے ناموں سے متعارف کروایا۔

امریکہ نے افغانستان پر اپنے قبضے کے دوران تعلیم کو افغان عوام کے تسخیر کے لیے ان طریقوں سے استعمال کیا:

۱. امریکہ نے اپنے قبضے کے دوران تین مرتبہ افغانستان کے تعلیمی نصاب میں تبدیلیاں کیں اور نصاب سے جہاد، دفاع، شہادت، غیرت، آزادی، اسلامی نظام، کفار سے نفرت، امتِ مسلمہ کے اتحاد اور دینی تعلیمات وسائنسی دریافتوں کے درمیان تعلق جیسے اہم اسلامی تصورات کو حذف کر دیا۔
ان کے بدلے میں انہوں نے نصاب میں امن، جمہوریت، مغربی نقطۂ نظر سے انسانی حقوق، خواتین کی آزادی، مرد وزن کے اختلاط، موسیقی، رقص، ثقافت کے نام پر افغانی خرافات اور روایات کے احیاء، مغربی طرز کی سول سوسائٹی کا تعارف، ہیومنزم کے فلسفے کے مطابق تمام انسانوں کو یکساں سمجھنے، کفار کے ساتھ سیاسی، ثقافتی، اخلاقی وسماجی اقدار کو اپنانے، اور مغربی یا مغرب نواز شخصیات کے تعارف جیسے مضامین شامل کیے۔
افسوس کی بات تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ ان لوگوں کے ہاتھوں انجام پایا، جو خود کو سابقہ مجاہدین اور اسلامی فکر کے محافظ سمجھتے تھے۔ انہوں نے جہاد اور ہجرت کے ماحول میں مہاجرین اور مجاہدین کے چندوں سے ماسٹرز اور ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں حاصل کی تھیں، لیکن آخرکار وہ اپنی ساری تعلیم و تجربے سمیت قابض حکومت کے اداروں میں دشمن کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑے ہو گئے۔

امریکیوں نے اپنے پسندیدہ تصورات کو زیادہ تر ادبی، سماجی، تاریخی، ثقافتی، اور معاشرتی علوم کے مضامین میں اس طرح شامل کیا کہ غیر شعوری طور پر اور بڑی آسانی سے نسلِ نو انہیں قبول کرلے اور ان کی سوچ وفکر کا انداز ہی بدل جائے۔

۲. جب امریکی افغانستان میں داخل ہوئے، تو انہوں نے ملک کے تعلیمی ماحول کے دروازے ہر کسی کے لیے کھول دیے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر فرد یا ادارہ اپنی مرضی کے تعلیمی ادارے، پرائیویٹ اسکول، یونیورسٹیاں، اور قلیل و طویل المدتی کورسز قائم کرنے لگا، اور ان اداروں میں ہر ایک نے اپنی مرضی کے نصاب کو شاملِ تدریس کیا۔
مغربی ممالک اور تنظیمیں جو ان تعلیمی اداروں کے پیچھے کارفرما تھیں، انہوں نے ایک طرف تو افغانستان کے تعلیمی نصاب کو اسلامی اقدار سے محروم کیا، اور نصاب میں شامل دینی کتب کی اشاعت کے لیے مالی امداد بند کر دی، تاکہ نئی نسل اسکول کے نصاب میں بھی دینی تعلیم سے محروم رہے۔ دوسری طرف، انہوں نے معاشرے کے مالدار طبقے کے بچوں کو اپنے افغان حامیوں کے ذریعے نجی تعلیمی اداروں میں جمع کیا، تاکہ وہاں انہیں درآمد شدہ مغربی نصاب کے مطابق تیار کیا جاسکے۔
اغیار کے درسی نصابوں سے تربیت یافتہ نسلیں چاہتی ہیں کہ افغانستان مستقبل میں اسی طرح غیروں کے راستوں پر گامزن ہو جائے جیسے عالمِ اسلام کے دیگر ممالک ہو چکے ہیں۔

۳. امریکیوں نے ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت افغانستان کی عوام پر ایسا تعلیمی نصاب مسلط کیا جو اسلوب، تدریسی طریقوں اور معلومات کے لحاظ سے افغانستان کے موجودہ جنگ زدہ تعلیمی نظام کے اساتذہ اور طلبہ کی سطح اور حالات سے میل نہیں کھاتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ تو موجودہ اساتذہ اس غیر ملکی نصاب کو صحیح طریقے سے پڑھا سکے اور نہ ہی طلبہ اس سے صحیح طور پر استفادہ کر پائے، جس سے استاد، شاگرد اور ان کے والدین سب کو ذہنی اضطراب کا سامنا کرنا پڑا۔ اور جب تعلیم اور اعلیٰ تعلیم کی وزارتوں اور نظام میں انتظامی اور اخلاقی کرپشن بھی شامل ہو گئی، تو نتیجہ "تعلیم" کی بجائے "جہالت" کا نکلا، جو کہ مغرب کا طویل المدتی مقصد تھا۔ کیونکہ مغرب اور دیگر دشمنانِ اسلام نہیں چاہتے کہ افغان عوام ترقی کریں، بلکہ وہ ہمیشہ افغانوں کو محتاج اور غلام رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اگر وہ تعلیم کے نام پر کوئی مدد فراہم کرتے بھی ہیں تو وہ صرف اتنی ہوتی ہے کہ لوگ فکری، ثقافتی اور اخلاقی لحاظ سے ان کے تابع رہیں۔

عوام کی فکری تسخیر: حملہ آوروں کا بڑا مقصد

حملہ آور کفری ممالک ہمیشہ سے یہ کوشش کرتے ہیں کہ پورے عالمِ اسلام کو اپنے قابو میں کریں اور یہاں کے تمام اختیارات و اقتدار کو اپنے ہاتھوں میں لے لیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے انہوں نے جنگوں اور سیاسی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ سافٹ پاور (Soft

(Soft Power) کے استعمال کا بھی سہارا لیا ہے، اور جنگ کے مقابلے میں سافٹ پاور (Soft Power) کے استعمال سے انہیں زیادہ کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں۔

سافٹ پاور(Soft Power) کی مختلف شکلیں

سافٹ پاور کی کئی شکلیں ہیں، جن میں اہم ترین سیاسی تعلقات، تعلیمی سرمایہ کاری، اچنبھے خیالات، عقائد اور نظریات کا پرچار، پروپیگنڈا مشینری کا استعمال، اقتصادی سرگرمیاں، مختلف منصوبوں اور اداروں کے ذریعے عوام تک براہ راست رسائی حاصل کرنا، حملہ آوروں کی موجودگی کے فوائد لوگوں کو باور کرانا اور عام افراد کی ذہن سازی شامل ہیں۔

رائے عامہ کی تشکیل

رائے عامہ کی تشکیل حملہ آوروں کے لیے سب سے اہم ہے، کیونکہ جب تک عوام ذہنی طور پر حملہ آوروں کے خلاف ہوتے ہیں، تب تک نہ تو حملہ آوروں کے ایجنڈے اور پروگرامز کامیاب ہوسکتے ہیں اور نہ ہی عوام ان کے خلاف مزاحمت سے دستبردار ہوسکتے ہیں۔

حملہ آور قوتیں اپنے حق میں رائے عامہ ہموار کرنے کے لیے درج ذیل اقدامات اٹھاتے ہیں:

۱۔ کٹھ پتلی حکومتوں کا قیام

حملہ آور قوتیں اُن ممالک میں، جن پر وہ قابض ہو چکی ہوں، کٹھ پتلی حکومتیں قائم کرتی ہیں تاکہ ان کے ذریعے مذکورہ ممالک کے تمام سول اور عسکری اداروں کو اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے استعمال کر سکیں۔ ان حکومتوں کے ذریعے ایسے قوانین، ضوابط، طریقہ کار، معیار اور اصول وضع کیے جاتے ہیں جن کے نفاذ سے ایک طرف حملہ آوروں کے مقاصد کی راہ ہموار ہوتی ہے، اور دوسری طرف تمام شہری وعسکری شعبوں میں مخالفت اور مزاحمت کی راہ روک دی جاتی ہے۔

اور اگر کوئی ان اصولوں اور قوانین کی مخالفت کرتا ہے، تو اسے مجرم قرار دے کر سزا دی جاتی ہے، چاہے وہ اپنی مؤقف میں سچا ہی کیوں نہ ہو۔

۲۔ بااثر افراد کی وفاداریاں خریدنا

حملہ آور یہ کوشش کرتے ہیں کہ جن عوام پر وہ قابض ہیں، ان میں سے دین فروش، گمراہ، دنیا پرست اور منصب کی لالچی مذہبی شخصیات، یا روحانیت کے جھوٹے دعویداروں کو خرید لیں تاکہ ان کی فتاویٰ اور حمایت کے ذریعے اپنے ناجائز قبضے اور موجودگی کو سندِ جواز فراہم کر سکیں۔

اسی طرح وہ ان زرخرید افراد کے منفی پروپیگنڈے کے ذریعے، جو دین کے نام پر مجاہدین کے خلاف بولتے ہیں، عوام کو جہاد اور مجاہدین کے بارے میں شکوک وشبہات میں ڈالیں، تاکہ لوگ مزاحمت سے دستبردار ہو جائیں۔

دینی علم سے منسوب افراد اور نام نہاد روحانیت کے پیروکار درحقیقت حملہ آوروں کی ''مذہبی فوج'' ہوتے ہیں، جو نہایت کم قیمت پر دشمن کے لیے بہت بڑی خدمات سرانجام دیتے ہیں۔ ان افراد کے اس خطرناک کردار کو دیکھتے ہوئے، جو وہ اسلامی معاشرے کے خلاف ادا کرتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے بھی اپنے دور میں مدینہ منورہ میں ان کی قائم کردہ ''مسجدِ ضرار'' کو گرا دیا تھا اور ان کے مرکز کو ختم کر دیا تھا۔

امریکیوں اور ان کے اتحادیوں نے بھی افغانستان پر قبضے کے بعد بالکل اسی طرح کیا، اور کچھ دنیا پرست واعظین، مفاد پرستوں اور دین سے منسوب افراد کو اس مقصد کے تحت اعلیٰ حکومتی عہدوں پر فائز کیا تاکہ ان کے ذریعے اپنے پیغامات عوام تک پہنچائیں اور لوگوں کو قابض قوتوں کے زیرِ سایہ زندگی گزارنے پر آمادہ کریں۔

لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس قوم کی جہاد سے محبت اور مجاہدین کی مؤثر پیغام رسانی کے باعث، قابض قوتیں اپنے اس مقصد میں ناکام رہیں۔

۳۔ پروپیگنڈے اور عوامی ذہن سازی کے لیے ثقافتی وسماجی شخصیات کو خریدنا

امریکہ نے اس مقصد کے لیے اپنے وسائل بھرپور طریقے سے استعمال کیے، اور وزارتِ اطلاعات وثقافت کے امور بھی ایسے افراد کے حوالے کیے جو خلوص نیت کے ساتھ مغرب کے سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی مقاصد کے لیے کام کر رہے تھے۔

ان مغرب نواز افراد نے اپنے آقاؤں کے ثقافت کو متعارف کرانے کے لیے نئے جریدے، اخبار، رسالے، ثقافتی ادارے، ریڈیو اسٹیشنز اور کیبل ٹی وی چینلز متعارف کروائے۔ وہ دن رات اس کوشش میں تھے کہ کس طرح امریکی اور یورپی حملہ آوروں کو افغان عوام کے لیے نجات دہندہ ثابت کریں۔

مغرب نے ہماری اسلامی تہذیب وثقافت کو مسخ کرنے کے لیے اپنے ریڈیو پروگراموں میں کئی گنا اضافہ کیا۔ مثال کے طور پر، امریکہ کا ''دامریکہ غگ''(Voice of America)، ''بی بی سی''، ''آزادی ریڈیو''، ''املان غگ ریڈیو''(آوازِ املان ریڈیو) اور دیگر ریڈیو چینلز جو پہلے ۲۴ گھنٹوں میں افغانوں کے لیے صرف ایک یا دو گھنٹے نشریات پیش کرتے تھے، جنگ کے دوران ان سب نے مجموعی طور پر ایک دن میں سینکڑوں گھنٹے نشریات کیں اور مختلف پروگراموں کے ذریعے افغانوں کی ثقافت کو تبدیل کرنے کے لیے کام کیا۔

"بی بی سی"، "د امریکاغگ"، "املان غگ" اور "آزادی ریڈیو" نے جنگ کے دوران افغانوں کے سب سے مؤثر اور مشہور لکھاریوں، صحافیوں، نئے ادیبوں اور ثقافتی شخصیات کو کرایے پر بھرتی کیا، حتیٰ کہ بعض ایسے لکھاریوں کو بھی اپنے لیے استعمال کیا جنھوں نے کسی زمانے میں جہادی نشریات میں بڑا کردار ادا کیا تھا۔

۴. تعلیمی نظام میں حملہ آوروں کے حق میں تبدیلی

حملہ آور کفار نے اپنے حملے کے فوراً بعد، نئی نسل کی تعلیم کے لیے ہمارے ملک کے سب سے اہم تعلیمی مراکز پر قابو پالیا۔ تعلیمی نصاب میں سے وہ تمام تصورات و نظریات نکال دیے گئے جو جہاد، اسلامی تاریخ، آزادی اور کفار کے ساتھ دشمنی سے متعلق تھے۔ اور یہ سب کچھ ایسے لوگوں کے ذریعے کیا گیا جو ایک زمانے میں اسلامی تنظیموں اور ثقافتی مراکز چلانے کے قابل فخر کارنامے بھی سرانجام دے چکے تھے، لیکن بعد میں وہ کفار کے ڈالروں کی لالچ میں آ گئے اور پوری بے شرمی کے ساتھ امریکی مشیروں کی نگرانی میں استعماری حکومت کے لیے ثقافتی اور تعلیمی ملیشیا کا کردار ادا کرنے لگے۔

امریکیوں نے افغانستان پر قبضے کے بعد یہاں وزارتِ تعلیم و تربیت میں وہ نصاب نافذ کیا جو امریکہ کی "نبراسکا یونیورسٹی" (University of Nebraska) نے افغانستان کے لیے تیار کیا تھا۔

جرمنی نے "امانی لیسہ" (جرمن کالج) کو دو اعشاریہ پانچ ملین ڈالرز کے اخراجات سے دوبارہ فعال کیا، کیونکہ جرمنوں کو یہ علم تھا کہ "امانی لیسہ" سے فارغ ہونے والا شخص بالآخر کسی عہدے تک پہنچے گا، اور پھر وہ ان کے مفاد میں کام کرے گا۔

فرانس نے بھی "استقلال لیسہ" کے امور اپنی زیرِ نگرانی لے لیے۔

اعلیٰ تعلیم کے سلسلے میں، غاصب امریکیوں نے کابل میں "امریکی یونیورسٹی" کا منصوبہ شروع کیا، جس طرح بیروت، قاہرہ اور استنبول کی "امریکی یونیورسٹیاں" مغربی حمایت یافتہ حکومتوں کے لیے اہلکار تیار کرتی ہیں۔ جب مئی ۲۰۱۱ء میں اس یونیورسٹی کے تجارت، انفارمیشن ٹیکنالوجی اور پبلک منیجمنٹ (انتظامِ عامہ) کے شعبوں میں بیچلرز ڈگری کے حامل طلبہ کا پہلا بیچ فارغ ہو رہا تھا، تو اس تقریب میں دیگر یورپی اور امریکی اعلیٰ حکام کے ساتھ افغانستان میں امریکی سفیر "کارل ایکن بیری" (Karl W. Eikenberry) نے بھی خطاب کیا۔ انہوں نے یونیورسٹی کے نئے فارغ التحصیل طلبہ کی تعریف کی اور مزید کہا کہ:

> "یہ یونیورسٹی منصوبہ رکھتی ہے کہ مستقبل میں اپنی مزید شاخیں افغانستان کے دیگر صوبوں جیسے ہرات اور قندھار میں بھی کھولے، تاکہ افغانستان میں ایک ایسی نسل تیار ہو جو افغانستان اور خطے میں معیشت، تجارت، انفارمیشن ٹیکنالوجی، قانون اور حکمرانی کے شعبوں میں قیادت کا کردار ادا کرے۔"

۵. مغربی اصطلاح میں اعتدال پسند مسلمانوں کو اپنے مفاد میں استعمال کرنا

مغرب نے افغانوں کے خلاف فکری اور ثقافتی میدان میں کام کرنے کے لیے جتنے بھی مغرب نواز افغانوں کو اپنے ساتھ ملایا تھا، ان سے کوئی شکایت نہیں تھی کیونکہ وہ لوگ پچھلے وقتوں میں بھی دشمن کے صف میں کھڑے تھے اور افغان عوام انہیں اغیار کے ایجنٹ کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ اور آج بھی وہ حملہ آوروں کے صف میں کھڑے ہیں اور افغانوں کے خلاف ہر سطح پر جنگ میں ملوث ہیں۔ لیکن افسوس کا مقام یہ تھا کہ ایک اور گروہ، جو کہ دانشور و اہل ثقافت کہلائے جاتے تھے، جو کمیونزم کے خلاف جہاد کے دوران اپنے آپ کو اسلامی اور افغان ثقافت کا حامی سمجھتے تھے، اور جہاد اور پناہ گزینی کے زمانے میں مسلم و عرب اداروں کی مالی مدد سے اپنے آپ کو اچھے اور متحرک مسلمانوں کے طور پر پیش کرتے تھے، بعد میں وہ بھی مغربی "ثقافتی افراد" کی طرح حملہ آوروں کی خدمت میں جُت گئے۔

ان افراد نے جہاد اور مجاہدین کے خلاف منفی پروپیگنڈہ شروع کیا اور پوری ڈھٹائی کے ساتھ حملہ آور کفار کی حمایت میں مغربی جمہوریت کے لیے راہ ہموار کی۔ اس خدمت کے بدلے میں انہوں نے ڈالر اور دیگر مراعات حاصل کیں، اور اپنی دانست میں اپنی دنیا اور آخرت دونوں کو "مزین" کر لیا۔

حقیقت یہ ہے کہ ان دانشوروں نے کفار کے تحت قائم کی گئی تعلیمی انتظامیہ میں اپنے مفاد کے لیے کام کیا، اور اس طرح سے انہوں نے عوام کو گمراہ کرنے میں اپنا کردار ادا کیا، اور کفار کے خلاف جاری متفقہ جہاد اور مجاہدین کے خلاف شکوک و شبہات پھیلائے، جس کا فائدہ بالآخر ان کے مغربی آقاؤں کو پہنچا۔ کاش ان لوگوں نے واقعی وہ "فقہ" سمجھی ہوتی جس کا وہ دعویٰ کرتے تھے، اور اس پر عمل کرتے تو اپنی قیمتی صلاحیتوں کو واقعی اسلامی نظام کی خدمت میں لگا پاتے۔

یہ لوگ جو امریکیوں کے زیرِ سایہ قائم شدہ حکومت میں کام کر رہے تھے اور اس قابض حکومت کے تعلیمی منصوبوں کو چلا رہے تھے، حقیقت میں "سیکولر روشن خیالوں" سے بھی زیادہ غلط مؤقف پر کھڑے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنی سوچ کو لوگوں کے سامنے اسلام کے نام پر پیش کر رہے تھے، لیکن حملہ آور قابض کفار اور ان کے افغان حامیوں کے خلاف فرض جہاد کے بارے میں نہ صرف اپنے شرعی فریضے سے منہ موڑے ہوئے تھے، بلکہ انہوں نے افغان دیندار نوجوانوں کے دلوں میں بھی اس حوالے سے شک و شبہات پیدا کر دیے تھے۔

ایسے لوگوں کو یا تو دل کا روگ لاحق تھا یا ان کی بصیرت اتنی کمزور ہو چکی تھی کہ وہ آزادی اور غلامی کے درمیان واضح فرق کو بھی دیکھنے اور سمجھنے سے قاصر تھے۔

ان اہلِ دانش (روشن خیال مذہبی طبقے) نے یا تو مغرب کی مکاری کو سمجھا ہی نہیں تھا، یا پھر وہ خود بدنیت لوگ تھے، جنہوں نے ''ہر چیز میں اعتدال'' کے نعرے کے تحت اسلام کے اصولوں (ثوابت) کو بھی پامال کیا، اور شعوری طور پر دشمن کی صف میں کھڑے ہو گئے۔ اگر ایسا نہیں تھا، تو صلیبی حملہ آوروں کے سائے تلے اسلامی تہذیب و ثقافت کی خدمت چہ معنی دارد؟

مجموعی طور پر تاریخی تجربات کو مدنظر رکھتے ہوئے پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ ''ثقافتی فرنگی'' (مغرب زدہ روشن خیال مسلمان) مسلمان اقوام کو مغرب کے تابع بنانے میں ''جنگی فرنگیوں'' (عسکری استعماریوں) سے بھی زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ کیونکہ عسکری استعماری تو کسی قوم کے افراد کو قتل کرتے ہیں، جبکہ یہ ثقافتی استعماری اس قوم کے دین، عقیدہ، اقدار اور روحانی بقا کو ہی مٹا دیتے ہیں۔

جب تک مجاہدین اور اسلامی نظام کی جانب سے تعلیم، افکار اور تہذیب و ثقافت کے میدانوں میں بھرپور انداز سے ہمہ جہت اور مسلسل عملی اقدامات نہ کیے جائیں، اور جب تک اسلامی تعلیمات کے مطابق مضبوط دینی نصاب اور مؤثر میڈیا کا نظام قائم نہ ہو، اُس وقت تک عالمِ اسلام کی صورتحال دشمنوں کے فائدے اور مسلمانوں کے نقصان میں چلتی رہے گی۔ مسلمانوں کے بچے ہمیشہ اُنہی کی پیروی کریں گے جن کی کتاب ان کے ہاتھ میں ہو گی، اور جن کے میڈیا پروگرام وہ دیکھتے اور سنتے ہوں گے۔

اس راستے میں سب سے پہلا اور اہم قدم یہ ہے کہ ہم اپنے تعلیمی نصابوں میں کفر اور گمراہی کے نظریات، اشکال اور حربوں کی مکمل شناخت کرائیں، اور پورے حوصلے اور بصیرت کے ساتھ ان کے بارے میں نئی نسل کو اسلامی شرعی مؤقف بیان کریں اور اس معاملے میں کسی کی خوشنودی یا ملامت کی پروانہ کریں۔

۶. پرامن جدوجہد کی مسلسل و وسیع پیمانے پر تبلیغ

ایک طرف جہاں مغربی طاقتیں اسلامی ملکوں پر قبضے اور مسلم اقوام کو زیر کرنے کے لیے اپنی جدید ترین جنگی ٹیکنالوجی اور سب سے تباہ کن جنگی ہتھیار استعمال کرتی ہیں، اور مختلف خوفناک حربوں کے ذریعے عوام کو مرعوب کرنے کی کوشش کرتی ہیں تاکہ ان کے اندر سے مزاحمت کی روح کو ختم کریں اور انہیں یا تو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کریں یا میدان چھوڑنے پر آمادہ کریں، وہاں دوسری طرف انہی مظالم کا شکار بننے والی قوموں کو اپنے کارندوں کے ذریعے ''صبر''، ''برداشت''، ''اعتدال'' اور ''عدم تشدد'' کے ذریعے جدوجہد کا سبق پڑھایا جاتا ہے۔

وہ کوشش کرتے ہیں کہ ان اقوام کو اس بات پر قائل کریں کہ مسلح مزاحمت کا کوئی فائدہ نہیں، اور اگر وہ آزادی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے سب سے بہتر اور محفوظ راستہ وہی ہے جو خود استعماری قوتوں نے اپنے قانون کے دائرے میں طے کیا ہو، یعنی سیاسی سرگرمیاں، برداشت، شہری اقدامات اور عدم تشدد پر مبنی جدوجہد۔

مغربی استعمار اپنے زیرِ تسلط مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی غرض سے انہیں عدم تشدد کی جدوجہد کے میدان میں گاندھی، نیلسن منڈیلا اور باچا خان (عبد الغفار خان) کی مثالیں پیش کرتا ہے۔ حالانکہ گاندھی اور منڈیلا دونوں عقیدے کے لحاظ سے کھلے کافر تھے، اور عبد الغفار خان ایک ایسا شخص تھا جس نے برطانوی استعمار کے زیرِ انتظام پشاور میں عیسائی مشنری اسکول سے تربیت حاصل کی تھی اور بعد میں کمیونزم کی طرف مائل ایک سیکولر قوم پرست رہنما بن گیا تھا۔

گاندھی، منڈیلا اور باچا خان کی جدوجہد کبھی بھی استعمار کے خلاف کوئی دینی تحریک نہ تھی، اور نہ ہی ان لوگوں نے استعمار کے دین، ثقافت یا تمدن سے اختلاف کیا تھا۔ گاندھی اور منڈیلا نے تو آزادی حاصل کرنے کے بعد بھی اپنے نظام حکومت مغربی اصولوں پر قائم کیے اور اپنی اقوام کو مغربی قوانین کے مطابق چلایا۔ عبد الغفار خان کے پیروکاروں نے بھی ابتدا میں اشتراکی نظریات کے تحت سوویت یونین کی حمایت کی، اور اس کے زوال کے بعد انہوں نے امریکہ کی ہمنوائی اختیار کی، ایسے وقت میں جب امریکہ تقریباً پوری اسلامی دنیا میں اسلام پسندوں کے خلاف بے رحم خونریز جنگ چھیڑ چکا تھا۔

لہٰذا ان تینوں شخصیات کے افکار اور ان کی سیاسی جدوجہد کی نوعیت مسلمانوں کے لیے کبھی بھی کفار کے مقابلے میں کوئی قابلِ تقلید ماڈل نہیں بن سکتی، کیونکہ وہ ''اسلامی جہاد'' جو مسلمانوں کی ہمہ گیر آزادی اور اسلامی نظام کے قیام کے لیے شروع کیا جائے، اس کا عقیدہ، نظریہ اور حکمتِ عملی بھی اسلام ہی سے اخذ ہونی چاہیے نہ کہ محض آزادی کے نام پر ایسی تحریک بنائی جائے جس کا اصل نتیجہ فکری، سیاسی، ثقافتی اور سماجی لحاظ سے مغرب کی گود میں دوبارہ گرنا ہو، اور اسلامی غلبے و نفاذِ شریعت کے خلاف کھڑے ہونے کی صورت اختیار کرے۔

جب مغربی طاقتیں مسلمانوں کے خلاف شدید جنگ میں الجھ گئیں اور انہیں بھاری نقصانات کا سامنا ہوا، تو انہوں نے کوشش کی کہ افغان مسلمانوں کی نئی نسل کو گاندھی، منڈیلا اور عبد الغفار خان کے راستے پر ڈال کر انہیں شرعی جہادی جدوجہد سے روک دیں، اور یوں مقبوضہ علاقوں کے مورچے نوجوانوں سے خالی کر دیں۔

۷. سول سوسائٹی کے نام پر مغرب پرست عناصر کو معاشرے میں جگہ دینا

اسلامی معاشروں اور ملکوں میں جو لوگ ''سول سوسائٹی'' کے نام پر سرگرم ہیں، وہ خود کو اپنی عوام کے نمائندے اور غیر سرکاری خدمت گزار ظاہر کرتے ہیں، جو عوام کے حقوق کے

حصول کے لیے حکومت سے مطالبات کرتے ہیں اور لوگوں کے لیے سہولیات فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ''سول سوسائٹی'' کا تصور اور اس کی تشکیل مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام میں انہی استحصالی سرمایہ داروں اور بڑی کمپنیوں نے اس لیے کی ہے تاکہ ایک طرف، یہ سول سوسائٹی کے کارکنان کو معمولی سرمایہ دے کر انہیں اپنے مفادات کے لیے بطور ثقافتی و سماجی سرگرم کارکن استعمال کریں، تاکہ وہ سطحی کاموں کے ذریعے معاشرے کے مظلوم طبقے کو دھوکہ دیں اور لوگوں کی توجہ ان بڑے سرمایہ داروں کے اقتصادی جرائم سے ہٹا دیں، اور دوسری طرف، یہی لوگ سیکولر نظریات کے حامل بن کر دینی معاشروں اور اسلامی اقدار کے خلاف کھڑے ہوں اور اُن کی راہ میں رکاوٹ بن جائیں۔

مغربی ممالک میں سول سوسائٹی کے نام پر سرگرم افراد نے دونوں کام کیے، انہوں نے دینی شعائر، عبادات اور اقدار کے خلاف جدوجہد کو اپنی سرگرمیوں کا محور بنایا اور اس طرح مغربی سیکولر معاشرے میں اپنے لئے جگہ بنائی۔ بعد میں یہی سرگرمیاں مغربی ممالک نے اپنے اثر و تسلط کے تحت اسلامی ممالک میں بھی منتقل کر دیں۔

جب مغربی ممالک نے افغانستان پر قبضہ کیا، تو یہاں انہوں نے دیکھا کہ معاشرے میں دینی حمیت اور مغربی قوتوں سے نفرت موجود ہے، اور انہیں یہ دونوں چیزیں ختم کرنی ہوں گی۔ اسی لیے انہوں نے اپنے مفاد کے تحت عوامی ذہن سازی، شہریوں میں مغربی اقدار کے فروغ اور اسلام پسندی کے خلاف کھڑا ہونے کے مقصد کے تحت یہاں بھی سول سوسائٹی کے نام پر تنظیمیں قائم کیں۔ ان تنظیموں میں بے دین، اخلاقی طور پر گرے ہوئے افراد، مغربی تہذیب سے متاثر اور استعماری قوتوں کے حامیوں کو بھرتی کیا گیا اور انہیں پروپیگنڈے کے لیے ہر طرح کے وسائل فراہم کیے گئے۔

افغانستان میں لوگوں نے دیکھا کہ سول سوسائٹی کے سرگرم افراد نے پورے جوش و جذبے کے ساتھ استعماری قوتوں کا ساتھ دیا۔ انہوں نے حجاب کے خلاف اور مغربی ثقافت کے فروغ کے لیے مختلف سرگرمیاں کیں، ''دین دار مسلمانوں'' کا مذاق اڑایا، لیکن جانور نما انسانوں اور ان کی ثقافت کے احترام کے لیے محفلیں منعقد کیں۔ مختلف طریقوں سے انہوں نے غیر ملکی اداروں، مسیحی تنظیموں، مغربی سفارتخانوں اور بیرونی قابض افواج کی حمایت سے اپنی کوششوں اور سرگرمیوں کو جاری رکھا تاکہ اس قوم اور ملک میں مغرب کے مفاد کے لئے نئی نسل کی ذہن سازی کی جا سکے۔

اگر اسلامی نظام کے پاس عوامی ذہن سازی کے لیے ایک مؤثر، جامع اور قابلِ عمل، ہمہ جہت حکمتِ عملی اور عملی پروگرام نہ ہوں، اور اس مقصد کے لیے اہل اور باصلاحیت افراد کو مقرر نہ کیا جائے، تو اس میدان میں ہماری غفلت اور مغربی طاقتوں کی سرگرمیاں مستقبل میں خطرناک اور ناقابلِ اصلاح نتائج کا باعث بن سکتی ہیں۔

مذکورہ بالا نکات سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ جب سے عالمِ اسلام میں تعلیم و تربیت کا نظام دین دار اور اسلام پسند افراد کے ہاتھ سے نکل کر مغربی یا مغرب نواز حکومتوں اور عناصر کے قبضے میں گیا ہے، تب سے مسلمانوں کو اپنے دینی، مذہبی، سیاسی، سماجی، عسکری اور معاشی میدانوں میں بڑے نقصانات اور سخت تکالیف کا سامنا رہا ہے۔ اور بجائے اس کے کہ سائنس، ٹیکنالوجی، انسانی اور سماجی علوم ہمارے معاشروں کو خوشحالی، آزادی، خودمختاری، کامیابی اور روحانی اطمینان عطا کرتے، مسلمان معاشرے ان علوم کی وجہ سے تکالیف، غلامی، اغیار کے تسلط، بدبختی اور اضطراب کا شکار ہو گئے ہیں۔

ان مشکلات کا سبب یہ نہیں کہ یہ علوم اور ٹیکنالوجی بذاتِ خود نقصان دہ ہیں، بلکہ اصل سبب یہ ہے کہ یہ سب کچھ ایسے افراد کے ذریعے، دشمنوں کے مقاصد کی تکمیل کے لیے استعمال ہوئے جو انہی اغیار کے افکار، ثقافت اور عقائد کے مطابق تربیت یافتہ تھے، اور جن کے نزدیک اغیار کے افکار، سیاسی اور سماجی اقدار اپنی اسلامی اقدار سے زیادہ اہمیت رکھتی تھیں۔

اب جبکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم، اور اس کے بعد ہماری عوام کے جہاد، قربانیوں، صبر، اور حق پر ثابت قدمی کے نتیجے میں ایک بار پھر اسلامی نظام قائم ہو چکا ہے، اور اس نظام کی باگ ڈور بڑی حد تک اہل مدارس دینیہ کے ہاتھ میں ہے، اور پوری دنیا نے یہ بھی دیکھا کہ اہل مدرسہ نے پورے بیس سال تک جنگ، سیاست، اسلام پسندی، آزادی کے حصول، مجاہدین کی تربیت، اور عالمی کفری فوجی اتحاد کے خلاف میدان میں پورے ہوش، حوصلے، صبر اور متانت کے ساتھ ڈٹ کر اپنے وجود کو منوایا اور اپنی اقدار کی حفاظت کی، تو یہ تمام باتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ مدرسہ اب صرف کتابیں پڑھنے یا علمی سرگرمیوں کی ایک سادہ درسگاہ نہیں رہی، بلکہ یہ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ اور اس کے نفاذ کے لیے ایک جامع، زندہ، اور فعال کردار کا نام ہے، جسے قدر کی نگاہ سے دیکھا جانا چاہیے، مضبوط بنایا جانا چاہیے، اور پھیلایا جانا چاہیے۔

اب مدرسے کو دعوت، جہاد، سیاست، حکومت اور قوم کی قیادت کے فکری اور ادبی سانچے میں مزید ڈھالنے کی ضرورت ہے، اور اس سے متعلقہ افراد میں یہ صلاحیتیں بہتر طریقے سے پیدا کی جانی چاہییں کہ وہ دینی اور دنیاوی دونوں علوم کی اس انداز سے اصلاح کریں اور ترقی دیں کہ ان کے شاگرد ایک حقیقی اسلامی نظام کو چلانے کے قابل ہوں۔

اب سوال یہ ہے کہ مدرسے نے معاصر اسلامی جدوجہد میں کیا کردار ادا کیا ہے؟ اور کیوں اس کے کردار اور اثرات کی قدر کی جانی چاہیے؟ اور اس کی بعض خامیوں اور کمزوریوں کا علاج ایک سنجیدہ اور معاصر انداز میں کیسے کیا جائے؟ ان موضوعات پر اگلے باب میں چند نکات قارئین کے سامنے رکھے جائیں گے، امید ہے کہ متعلقہ حلقے ان پر توجہ دیں گے۔

(جاری ہے، ان شاءاللہ)

☆☆☆☆☆

اکیسویں صدی میں

جمہوری نظام تباہی کے دہانے پر!

(سورۃ العصر کی روشنی میں)

حضرت الامیر، مولانا عاصم عمر شہید رحمۃ اللہ علیہ

خالق کی زمین پر خالق کا قانون نہ ہونے کی سزا...اللہ کی نعمتوں سے محرومی

﴿إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ﴾

یوں تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اعلان فرمادیا ہے:

﴿وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾[ابراھیم: ۷]

"اور وہ وقت بھی یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے اعلان فرمادیا تھا کہ اگر تم نے واقعی شکر ادا کیا تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا، اور اگر تم نے ناشکری کی تو یقین جانو کہ میرا عذاب بڑا سخت ہے۔"

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے سے ان میں اضافہ کیا جاتا ہے اور ناشکری کرنا اس کی نعمت سے محروم کر دیے جانے کا سبب بن جاتا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ایک بستی کی مثال بیان کی ہے۔ فرمایا:

﴿وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّن كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللَّهِ فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ﴾[النحل: ۱۱۲]

"اور اللہ تعالیٰ نے اس بستی کی مثال بیان کی جو امن سے تھی مطمئن تھی، جس کا رزق ہر طرف سے آتا تھا (یعنی معاشی فراوانی تھی) پھر اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی، تو اللہ تعالیٰ نے اس پر بھوک وخوف مسلط کر دیا، بسبب اس کے جو وہ کرتے تھے۔"

اللہ کے ساتھ اگر کسی کو شریک بنایا جائے گا تو اللہ آخرت کے ساتھ ساتھ دنیا کو بھی ان کے لیے تنگ کر دیں گے۔ جس دنیا کے لیے وہ اللہ کے ساتھ کفر وشرک کرتے ہیں، اللہ اس دنیا میں ان پر بھوک و افلاس اور خوف مسلط فرمادیں گے۔

جس زمین پر اللہ کی نافرمانی جس درجے میں ہوگی، اسی درجے میں زمین اپنی پیداوار روک لے گی۔ اللہ کی سب سے بڑی نافرمانی یہ ہے کہ اس کی زمین پر سے اس کی حاکمیت کا حق ہی ختم کر دیا جائے۔ اس کے ساتھ کفر کرنے کو ریاست کا اجتماعی نظام بنادیا جائے۔

سو خالق کی زمین پر خالق کے نظام سے بغاوت و سرکشی اور اپنے بنائے قوانین پر اصرار کا انجام اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا کہ آسمان وزمین بھی غضبناک ہو جائیں۔ آسمان اپنی رحمتیں نازل کرنا چھوڑ دے اور زمین اپنی برکتیں روک لے۔

سو آج دنیا کی حالت یہی ہو چکی ہے۔

سبحان اللہ! قرآن کریم کی ایک ایک آیت آج بھی اس جدید دنیا کے لیے چیلنج ہے، سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۵۸ ایسا لگتا ہے جیسے آج ہی تازہ تازہ اسی نظام کے بارے میں نازل ہو رہی ہو۔ فرمایا:

﴿وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا كَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَشْكُرُونَ﴾[الأعراف: ۵۸]

"اور جو زمین اچھی ہوتی ہے اس کی پیداوار تو اپنے رب کے حکم سے نکل آتی ہے اور جو زمین خراب ہو گئی ہو اس سے ناقص پیداوار کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ اسی طرح ہم نشانیوں کے مختلف رخ دکھاتے رہتے ہیں، (مگر) ان لوگوں کے لیے جو قدر دانی کریں۔"

اس آیت میں فرمایا گیا کہ اچھی زمین اپنی پیداوار اپنے رب کے حکم سے نکالتی ہے اور جو زمین خراب ہو گئی اس سے ناقص پیداوار کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔

امام واحدی اور امام رازی رحمہما اللہ ﴿نَكِدًا﴾ کی تعریف میں فرماتے ہیں:

النَّكِدُ: الْعَسِرُ الْمُمْتَنِعُ مِنْ إِعْطَاءِ الْخَيْرِ عَلَى جِهَةِ الْبُخْلِ۔

"نکد کے معنیٰ ہیں: بخل وکنجوسی کے طور پر خیر کو دینے (یعنی مال خرچ کرنے) میں دشواری ورکاوٹ۔"

آیتِ بالا میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل کی مثال بیان کی ہے۔

انسان کے دل کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا أَخْطَأَ خَطِيئَةً نُكِتَتْ فِي قَلْبِهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فَإِذَا هُوَ نَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ وَتَابَ صقِلَ قَلْبُهُ وَإِنْ عَادَ زِيدَ فِيهَا حَتَّى تَعْلُوَ قَلْبَهُ

وَهُوَ الرَّانُ الَّذِي ذَكَرَ اللَّهُ ﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴾

”جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک کالا نکتہ پڑ جاتا ہے، سو اگر وہ توبہ و استغفار کرلے اس کا دل صاف ہو جاتا ہے، اور اگر دوبارہ گناہ کرے تو یہ نکتہ بڑھ جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے پورے دل پر پھیل جاتا ہے۔ اور یہی وہ ’زنگ‘ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا ہے: (ہر گز نہیں! بلکہ ان کے کرتوتوں کے سبب ان کے دلوں پر زنگ لگ گیا ہے۔)“

پھر ایک وقت وہ آتا ہے کہ پورا دل ہی اس زمین کی طرح ہو جاتا ہے جسے نمکیات نے کھالیا ہو، جو مکمل شوریدہ ہو گئی ہو۔

جس طرح اچھا دل وہ ہے جس پر اللہ کی محبت غالب ہو، ایسے دل پر تذکیر و وعظ سے رقت طاری ہو جاتی ہے، نتیجتاً اعمالِ صالحہ پھوٹنے لگتے ہیں، اسی طرح اچھی اور پاک زمین وہ ہے جس پر اللہ کا دین غالب ہو، اس پر چلنے والوں کے چوبیس گھنٹے شریعت کے احکام کے سائے میں گذرتے ہوں، عبادات میں بھی اور معاملات میں بھی، اس کے اوپر سودی نظام نافذ نہ ہو، اس پر فحاشی و عریانی ریاست کی سرپرستی میں نہ پھیلائی جاتی ہو، ایسی زمین اپنی فطرت پر ہوتی ہے جو بارش کے برسنے سے اپنی نباتات اگل دیتی ہے۔

جبکہ جس دل پر غیر اللہ کی محبت غالب ہو گی، جس پر خواہشاتِ نفسانی کا غلبہ ہو گا وہ دل خراب ہو گا، اپنی فطرت سے ہٹا ہوا ہو گا، اسی طرح جس زمین پر کفر کا غلبہ ہو گا، وہ بھی اپنی فطرت سے ہٹی ہو گی چنانچہ بارش بھی اسے کوئی فائدہ نہیں دے گی سوائے جھاڑ جھنکاڑ اگانے کے۔

جس طرح خراب دل خیر کو قبول نہیں کرتا اور اس سے گندگی ہی پھوٹتی ہے، اسی طرح جو زمین خراب ہو جائے اس سے خیر کم اور کانٹے دار جھاڑیاں ہی نکلتی ہیں...... اگرچہ اس پر بارش بھی برستی رہے۔

سو ذرا سوچیے کہ اس زمین سے زیادہ خراب کون سی زمین ہو گی جس پر کفر کا غلبہ ہو، جس زمین پر اللہ کے ساتھ کھلا کفر کیا جاتا ہو، کفری نظام اس پر نافذ ہو، انسانوں کے فیصلے قرآن کے علاوہ سے کیے جاتے ہوں، اللہ کا کلمہ مغلوب ہو، ایسی زمین کیا پیداوار اگا سکتی ہے؟

کسی زمین کا کھاری یا شوریدہ ہونا جبکہ اس پر اللہ کی شریعت کی حاکمیت ہو بدرجہا بہتر ہے، اس زمین سے جس پر محمد ﷺ کی شریعت کے بجائے جمہوریت کی حاکمیت ہو۔

زمین کا اچھی پیداوار اگانا، اور اپنی پیداوار کو روک لینا اس کا اصل تعلق اللہ کی اطاعت و نافرمانی کے ساتھ ہے۔ اور اللہ کی سب سے بڑی نافرمانی کفر ہے، سو جس زمین پر کفر اور کفری قوانین نافذ ہوں گے اس زمین کی حالت زنا و شراب سے بھری زمین سے بھی بدتر ہو گی۔

چنانچہ اس مضمون کو قرآن کئی جگہ پر بیان کرتا ہے کہ جس زمین پر اللہ کی نافرمانی ہو گی، اس سے برکتیں اٹھالی جائیں گی۔

آج ہر طرح کی زرعی ایجادات کے باوجود دنیا بھر کی زراعت کی جو حالت ہے وہ دنیا کے سامنے ہے۔ اول تو پیداوار نکلتی ہی انتہائی تھکن کے بعد ہے۔ بیج کی محتاجی، اس کے بعد نت نئی دوائیاں، اسپرے پر اسپرے، ڈیزل و بجلی کی گرانی، پھر کہیں جا کر نکلی تو ایسی کہ غذائیت سے خالی، جو فائدہ کم اور نقصان زیادہ دے رہی ہے، اب تو خود ہی سائنسدان اعلان کرنے لگے کہ جدید دوائیوں اور اسپرے سے تیار پیداوار انسانی جسم کو نقصان پہنچا رہی ہے۔

پھلوں کی دکانوں پر پھلوں کی شکل کی کوئی چیز تو موجود ہے لیکن ان میں ذائقہ نہیں، غذائیت نہیں، جب غذائیت ہی نہیں تو یہ رزق کیسے بنے گا، اسی لیے تو حاکمِ مطلق نے فرمایا: ﴿لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا﴾ اسے نبات ہی نہیں کہا، ’ردی‘ جو فائدے سے خالی ہے۔

اللہ کی نازل کردہ شریعت کو نہ مان کر انسان نے ہر دور میں نقصان اٹھایا ہے۔ ہر طرح کا نقصان اخروی بھی اور دنیاوی بھی، خسارہ ہی خسارہ ہے، ان کے لیے بھی جن کے پاس سب کچھ ہو اور ان کے لیے بھی جو پہلے ہی سے بدحال ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا ہے:

﴿ وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى ﴾[طٰہٰ: ۱۲۴]

”اور جو میری نصیحت سے منہ موڑے گا تو اسے بڑی تنگ زندگی ملے گی، اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔“

اللہ کی نازل کردہ شریعت سے بغاوت کر کے اپنی معیشت پر ناز کرنے والی قوتوں کا انجام کیا ہوا، وہی خسارہ، معیشت کا بھی اور ابدی زندگی کا بھی، مسلمانوں کا قتلِ عام کرنے کے لیے اور افغانستان میں اللہ کی زمین سے اللہ کا قانون ختم کرنے کے لیے عالمِ کفر کا ساتھ اس لیے دیا تھا کہ معیشت کی حالت بہتر ہو جائے گی، یہ کتنا بڑا دھوکہ تھا کہ اللہ کے ساتھ کفر کر کے، اللہ کی شریعت کے خلاف جنگ میں شرکت کر کے اور مسلمانوں کے قتلِ عام کے لیے اپنی فوج پیش کر کے اللہ کا جو غضب نازل ہو گا اس سے معیشت کی حالت سدھرنے کے بجائے پہلے سے بھی ابتر ہو جائے گی۔ لیکن یقین کون کرے؟ جن کے دلوں میں یہ قرآن اترا ہو، جو امریکی حکم کے مقابلے اللہ کے حکم کو کوئی اہمیت دیتے ہوں۔

تاریخ شاہد ہے کہ اللہ کی نازل کردہ شریعت سے جنگ کرنے کے نتیجے میں ترقی کی راہوں پر دوڑتی معیشتیں بھی اللہ نے ایسی تباہ کیں کہ ان بستیوں میں بھی کبھی کوئی جا کر آباد ہونے کی ہمت نہیں کر سکا۔

﴿وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِنْ بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِينَ﴾ [القصص: ۵۸]

”اور کتنی ہی بستیاں وہ ہیں جو اپنی معیشت پر اتراتی تھیں ہم نے انہیں تباہ کر ڈالا، اب وہ ان کی رہائش گاہیں تمہارے سامنے ہیں جو ان کے بعد تھوڑے عرصے کو چھوڑ کر کبھی آباد ہی نہ ہو سکیں، اور ہم ہی تھے جو ان کے وارث بنے۔“

ہر طرح کے عیش و آرام میں رہنے والی اقوام نے جب اللہ کی نازل کردہ شریعت کو ماننے سے انکار کر دیا تو اللہ نے اپنی نعمتوں سے انہیں محروم کر دیا۔

محرومی سے محرومی ہے، مشرق کا تو کہنا ہی کیا، خود مغرب کی محرومی قابلِ عبرت ہے۔ اگرچہ دجل کے میڈیا نے اس کا ظاہر ہی دنیا کو دکھایا ہوا ہے، لیکن حقیقت کہیں زیادہ تاریک ہے۔ رزق کے نام پر جو کچھ وہ کھا رہے ہیں اس میں غذائیت کے سوا سب کچھ ہے، طرح طرح کے پھل لیکن لذت سے خالی، خالص مصنوعی بیج، مصنوعی کھاد اور بے شمار زہریلے اسپرے سے تیار ہونے والی گندم جس قوم کے لیے اگائی جاتی ہو، اور پھر اس کا بھی آخری کچرہ جس کا رزق بنتا ہو، جنہیں کوئی خالص اور فطری غذا میسر نہ ہو رہی ہو، یہ بھی محرومی کی ایک قسم ہے، اللہ جیسے چاہے اپنی نعمتوں سے محروم فرما دے، کہ چیز کے ہوتے ہوئے بھی اس کے کھانے سے محروم کر دیے گئے، کیوں؟

عالمِ عرب میں اس کی بہترین مثال مصر کی موجود ہے۔ دریائے نیل کے کنارے کی زمینیں کسی دور میں دنیا کی بہترین کپاس اگایا کرتی تھیں، لیکن مصر کے مقتدر طبقے نے اللہ کی شریعت کے ساتھ جنگ کی، انہوں نے سوچا کہ اس دور میں رزق اللہ نہیں، امریکہ و اسرائیل دیتا ہے۔ سو بندروں اور خنزیروں کی اولاد کی رضا کی خاطر مصر کا حکمران طبقہ اللہ کی شریعت کے ساتھ کھلی جنگ کرتا رہا۔ سو مزید رزق کیا ملتا، جو خزانے اللہ نے زمین میں رکھے بھی تھے وہ بھی اللہ کے حکم سے زمین نے روک لیے، آج وہی دریائے نیل ہے اور وہی اس کی زمینیں ہیں لیکن ذرا مصر کی زراعت کی حالتِ زار کا مطالعہ کیجیے اور اپنے رب سے توبہ و استغفار کیجیے کہ جدید ٹیکنالوجی کے دور میں بھی رزق کا مالک وہی تن تنہا ہے۔ باقی شیطان اور اس کے حواری جھوٹے وعدے کے سوا کچھ نہیں دے سکتے۔

کیا برصغیر کے لوگ اس حقیقت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ نہیں کر رہے۔ جو زمینیں اسلامی دور میں سونا اگلتی تھیں آج کیا ہوا کہ ان کا کسان آئے روز خودکشی کرنے پر مجبور ہے؟ دنیا کا بہترین غلہ اگانے والا خطہ آج خود غلے کے لیے دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے، کبھی چینی کا رونا تو کبھی گندم پر واویلا، کبھی چاول کی قلت تو کبھی کچھ اور۔

برصغیر میں دولت کی ایسی فراوانی تھی کہ انگریز لوٹ کر لے گئے تو یورپ میں صنعتی انقلاب آگیا، مسلمانوں کی دولت لوٹ کر مغرب کے چور وڈا کو دنیا کی قیادت کرنے لگے۔[1]

تمام عالمِ اسلام کا یہی حال ہے، باوجود یکہ اللہ نے ہر قسم کے وسائل انہیں عطا کیے تھے تاکہ وہ انہیں کام میں لا کر دنیا کی قیادت کریں، جو ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے ان پر عائد کی اسے پورا کریں، کافروں کی غلامی کرنے کے بجائے کافروں پر حکمرانی کے اصول اختیار کریں۔

لیکن جب انہوں نے اپنے اوپر اللہ کی شریعت کے بجائے اقوام متحدہ کے منظور کردہ دین (چارٹر) کو غالب کر لیا، تو اللہ نے ان تمام وسائل کے ہوتے ہوئے بھی انہیں عالمی سود خوروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا، کیا ابھی بھی سمجھ میں یہ حقیقت نہیں آئی کہ سعودی عرب جیسا ملک کیوں معاشی بدحالی کا شکار ہو رہا ہے، کفری طاقتوں کا باجگزار بنا ہوا ہے؟

جس امت کے پاس دنیا کی عمدہ زرخیز زمینیں ہوں، قیمتی بحری گذرگاہیں، نہرِ سویز، وسط ایشیا میں ہر قسم کے معدنی ذخائر، لیکن اس سب کے باوجود بھی کفری طاقتوں کی غلامی، باجگزاری کہ سودی قرضوں میں اپنی عوام کو ایسا جکڑا کہ نسلیں تک غلام بنا دی گئیں، یہ سب آخر کیوں؟

اللہ کی شریعت سے جنگ کر کے خود مغربی دنیا کون سی خوشحال ہے جن کا نعرہ ہی دنیا کو خوشحال بنانا تھا۔ اب تو ساری لیپا پوتی اور معاشی اعداد و شمار کے گورکھ دھندوں کو جہادی ضربوں نے اتار کر سارا پول کھول دیا ہے کہ یہ آشیانہ کیسی شاخِ نازک پر بنایا گیا تھا۔

یہ سزا ہے اللہ کی نازل کردہ شریعت سے بغاوت کی۔ چنانچہ اللہ کی زمین غضبناک ہو کر اپنی برکتیں و خزانے روک بیٹھی، جدید زرعی ٹیکنالوجی کے ہوتے ہوئے کوئی طاقت اس سے اس کے خزانے اس وقت تک نہیں اگلوا سکتی جب تک کہ اس پر دوبارہ رحمۃ للعالمین ﷺ کی لائی شریعت نافذ نہ کر دی جائے۔

اللہ کا قرآن مختلف طاقتور و خوشحال قوموں کی مثالیں بیان کر رہا ہے جنہوں نے اللہ کی نازل کردہ شریعت سے دشمنی کی، تاکہ موجودہ دور کے شریعت کے دشمن ابھی بھی عبرت پکڑ کر باز آ جائیں اور شریعت یا شہادت کے نعرے کو تسلیم کر لیں۔

اللہ تعالیٰ نے قومِ سبا کی ترقی و خوشحالی کو بیان فرمایا:

---

[1] اسلامی برصغیر کی معاشی خوشحالی کی تفصیل کے لئے دیکھیے: ”نقشِ حیات“ از مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

﴿لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ جَنَّتَانِ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ﴾[سبأ: ۱۵]

”حقیقت یہ ہے کہ قوم سبا کے لیے خود اس جگہ ایک نشانی موجود تھی جہاں وہ رہا کرتے تھے۔ دائیں اور بائیں دونوں طرف باغوں کے دو سلسلے تھے۔ اپنے پروردگار کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور اس کا شکر بجالاؤ، ایک تو شہر بہترین، دوسرا پروردگار بخشنے والا۔“

﴿فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ أُكُلٍ خَمْطٍ وَأَثْلٍ وَشَيْءٍ مِنْ سِدْرٍ قَلِيلٍ﴾[سبأ: ۱۶]

”پھر بھی انہوں نے (ہدایت سے) منہ موڑ لیا، اس لیے ہم نے ان پر بند والا سیلاب چھوڑ دیا، اور ان کے دونوں طرف کے باغوں کو ایسے دو باغوں میں تبدیل کر دیا جو بدمزہ پھلوں، جھاؤ کے درختوں اور تھوڑی سی بیریوں پر مشتمل تھے۔“

﴿ذَلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِمَا كَفَرُوا وَهَلْ نُجْزِي إِلَّا الْكَفُورَ﴾[سبأ: ۱۷]

”یہ سزا ہم نے انہیں اس لیے دی کہ انہوں نے ناشکری کی روش اختیار کی تھی، اور ایسی سزا ہم کسی اور کو نہیں، بڑے بڑے ناشکروں ہی کو دیا کرتے ہیں۔“

﴿وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ﴾[سبأ: ۱۸]

”اور ہم نے ان کے اور ان بستیوں کے درمیان جن پر ہم نے برکتیں نازل کی ہیں، ایسی بستیاں بسا رکھی تھیں جو دور سے نظر آتی تھیں، اور ان میں سفر کو نپے تلے مرحلوں میں بانٹ دیا تھا (اور کہا تھا کہ) ان (بستیوں) کے درمیان راتیں ہوں یا دن، امن وامان کے ساتھ سفر کرو۔“

اللہ کے نازل کیے طرزِ زندگی (دین) کو چھوڑ کر انسان خسارے سے بچ ہی نہیں سکتا۔ ہر طرح کی خیر سے محروم کر دیا جائے گا۔ جو نعمتیں اسے پہلے حاصل بھی تھیں، وہ بھی چھین لی جائیں گی۔

اللہ نے یہود کو ان کی بغاوت کی پاداش میں کتنی نعمتوں سے محروم فرمایا:

﴿فَبِظُلْمٍ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا﴾[النساء: ۱۶۰]

”غرض یہودیوں کی سنگین زیادتی کی وجہ سے ہم نے ان پر وہ پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں جو پہلے ان کے لیے حلال کی گئی تھیں۔ اور اس لیے کہ وہ بکثرت لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے تھے۔“

سورۂ انعام میں اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی تفصیل بیان فرمائی:

﴿وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ذَلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِبَغْيِهِمْ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ﴾[الأنعام: ۱۴۶]

”اور یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن والے جانور کو حرام کر دیا تھا، اور گائے اور بکری کے اجزاء میں سے ان کی چربیاں ہم نے حرام کی تھیں، البتہ جو چربی ان کی پشت پر یا آنتوں پر لگی ہو، یا جو کسی ہڈی سے ملی ہوئی ہو وہ مستثنیٰ تھی۔ یہ ہم نے انہیں ان کی سرکشی کی سزا دی تھی۔ اور پورا یقین رکھو کہ ہم سچے ہیں۔“

مغربی جاہلی تہذیب کو نظامِ زندگی کے طور پر اختیار کر لینے والوں کے لیے ان آیات میں بڑی عبرت ہے کہ آج اللہ نے انہیں اپنی کتنی ہی فطری نعمتوں سے محروم کر دیا ہے۔ یورپ و امریکہ کی معاشرت کو دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ ان کی سرکشی اور اللہ کی شریعت سے جنگ کے سبب اللہ نے ہر قسم کی نعمت سے انہیں محروم کیا ہے۔

تازہ پھلوں اور میوہ جات، خالص دودھ، گھی، مکھن اور دیگر اللہ کی نعمتوں سے جدید جاہلی معاشرہ محروم ہو گیا ہے۔ یہاں تک کہ خالص گندم اور پینے کے پانی سے بھی کہ اللہ کے عطا کیے تازہ پانی سے محروم ہو کر بوتلوں میں بند پانی پیتے ہیں۔ خالص گندم چھوڑ کر میدہ کھاتے ہیں جو اصل میں معدے کی غذا نہیں بلکہ خود معدے کو کھا جانے والا ہے۔

غرض جو جتنا اس تہذیب میں ڈوبا ہوا ہے، اتنا ہی اللہ کی نعمتوں سے محروم ہے۔

مذکورہ آیت میں یہود کو جن چیزوں کے کھانے سے روک دیا گیا وہ سب عمدہ، لذیذ اور صحت کے لیے انتہائی مفید چیزیں ہیں۔ ہر پنجوں والے پرندے......

ذرا سوچیے، تیتر، بٹیر، کبوتر، کاجیں، مرغ، مور، اسی طرح ہرن، نیل گائے وغیرہ۔ ان چیزوں سے روک کر انہیں اونٹ، شتر مرغ اور بطخ کی اجازت دی گئی، آپ طب کی کتابوں میں ان کے مستقل کھانے سے پیدا ہونے والے مسائل کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

جبکہ گائے اور بکری کی چربی ان کے لیے حرام کر دی گئی اور جس چربی کی اجازت دی گئی وہ جانور کی چربی میں اچھی نہیں سمجھی جاتی۔ مثلاً آنتوں کے ساتھ لگی چربی حلق پر جا کر جم جاتی ہے، اس لیے اس چربی کو اچھا نہیں سمجھا جاتا۔

اللہ کی نعمتوں سے محرومی کے مختلف انداز

خالقِ ارض و سماء جب کسی قوم سے ناراض ہو جائے تو وہ جیسے چاہتا ہے اس قوم کو نعمتوں سے محروم کر دیا کرتا ہے، کبھی تشریعی طور پر یعنی ان کے دین میں اسے حرام کر دیتا ہے، اور کبھی تکوینی طور پر جس کے اسباب مختلف ہو سکتے ہیں۔ کبھی خود وہی لوگ اسے اپنے لیے حرام کر لیتے ہیں، ان کی عقلیں ماردی جاتی ہیں اور انہیں اس میں اپنا کوئی نقصان (طبی یا معاشی) نظر آنے لگتا ہے۔ یہ ان کے جرائم کے سبب ہوتا ہے جو وہ اللہ کے حق میں کیا کرتے ہیں۔

چنانچہ تفسیر 'انوار البیان' میں مولانا عاشق الٰہی بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"پھر فرمایا ﴿ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ﴾ کہ [ہم نے انہیں یہ سزا ان کے ظلم و زیادتی کی وجہ سے دی]۔ ﴿وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ﴾ [اور بلاشبہ ہم سچے ہیں]۔

یہ مضمون سورۂ نساء میں بھی گزر چکا ہے، وہاں ارشاد ہے:

﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ﴾

"سو ہم نے یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ان پر حرام کر دیں پاکیزہ چیزیں جو ان کے لیے حلال تھیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی بغاوت کرنا اور گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرنا پاکیزہ چیزوں سے محرومی کا سبب ہے۔ یہودیوں پر تو تشریعی طور پر پاکیزہ چیزیں حرام کر دی تھیں لیکن خاتم النّبیین (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نبوت ختم ہو جانے کی وجہ سے اب تشریعی طور پر کوئی حلال چیز حرام نہیں ہو سکتی۔ لعدم احتمال النسخ۔ البتہ تکوینی طور پر طیبات سے محرومی ہو سکتی ہے اور ہوتی رہتی ہے، جس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ اس کے اسباب مختلف بن جاتے ہیں"۔

اسی طرح امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ سورۂ نساء کی آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ:

ثم المنع لهم يكون من وجهين:

أحدهما: منع من جهة منع الإنزال؛ لقلة الأمطار والقحط؛ كسني يوسف - عليه السلام - وسني مكة، على ما كان لهم من القحط۔

والثاني: منع من جهة الخلق: ألا يعطوا شيئًا، لا بيعًا ولا شراء ولا معروفًا۔[2]

"(نعمتوں سے) روکا جانا کبھی بارش کے نہ ہونے اور قحط کے سبب ہوتا ہے، جیسا کہ یوسف کے دور کا قحط اور اہلِ مکہ پر قحط۔

دوسرا مخلوق کی جانب سے روک دینے کی وجہ سے بھی ہوتا ہے کہ وہ کچھ نہیں دیتے، نہ بیچنے کے لیے، نہ خریدنے کے لیے اور نہ ہی احسان کے طور پر۔"

اسی طرح امام قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

عوقب القوم بظلم ظلموه وبَغْيٍ بَغَوْه، حرمت عليهم أشياء ببغيهم وبظلمهم۔[3]

"قوم کو ان کے کسی ظلم اور ان کی سرکشی کی وجہ سے سزا دی گئی۔ ان کی سرکشی و ظلم کی وجہ سے مختلف چیزیں ان پر حرام کر دی گئیں۔"

اسی طرح امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عَنِ ابْنِ خِيرَةَ -وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ عَلِيٍّ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ- قَالَ: جَزَاءُ الْمَعْصِيَةِ الْوَهْنُ فِي الْعِبَادَةِ، وَالضِّيقُ فِي الْمَعِيشَةِ، وَالتَّعَسُّرُ فِي اللَّذَّةِ. قِيلَ: وَمَا التَّعَسُّرُ فِي اللَّذَّةِ؟ قَالَ: لَا يُصَادِفُ لَذَّةً حَلَالًا إِلَّا جَاءَهُ مَنْ يُنَغِّصه إِيَّاهَا۔[4]

"حضرت ابن خِیرہ، جو کہ حضرت علی کے ساتھیوں میں سے تھے، فرماتے ہیں: گناہوں کا بدلہ یہی ہوتا ہے کہ عبادتوں میں سستی آ جائے، روزگار میں تنگی واقع ہو، لذتوں میں سختی آ جائے یعنی جہاں کسی راحت کا منہ دیکھا فوراً کوئی زحمت آ پڑی اور مزہ مٹی ہو گیا۔"

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْعَبْدَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيبُهُ وَلَا يَرُدُّ الْقَدَرَ إِلَّا الدُّعَاءُ وَلَا يَزِيدُ فِي الْعُمُرِ إِلَّا الْبِرُّ۔[5]

---

[2] تفسير الماتريدي 'تأويلات أهل السنة' (٣/ ٤١٣)

[3] تفسير الطبري (٩/ ٣٩١)

[4] تفسير ابن كثير ت سلامة (٦/ ٥٠٨)

[5] رواه أحمد في المسند (٥/ ٨٠) وابن ماجة في السنن برقم (٩٠) من حديث ثوبان رضي الله عنه، وحسنه العراقي كما في الزوائد للبوصيري (١/ ٦١)

حضرت ثوبان سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”انسان اس گناہ کی وجہ سے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے جسے وہ کر بیٹھتا ہے، اور تقدیر کو صرف دعا ہی ٹال سکتی ہے، اور نیکی عمر میں زیادتی کرتی ہے۔“

ربِ کائنات نے اعلان جو کر دیا: ﴿ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴾، میرے رب کے کلام کا ایک ایک حرف آج بھی تر و تازہ ہے۔

انسانیت کی تباہی کا ذمہ دار کون؟

یہ جرم اس طبقے کا ہے جو عالمی سودی نظام کے ذریعہ جمہوری و غیر جمہوری نظام چلا رہا ہے، اور اللہ کے بندوں کو اس کفری ظالمانہ نظام کا بندہ بنائے ہوئے ہے، عالمی بینکار، کثیر القومی کمپنیاں، ابلیس کو اپنا خدا ماننے والے، دو فیصد خواہش پرست مقتدر طبقہ کہ خواہش ہی ان کا دین، ان کا ایمان اور ان کا معبود ٹھہرا، جنہوں نے ساری انسانیت کو سودی شکنجے میں جکڑا ہوا ہے اور اللہ کی شریعت کے مقابلے جمہوریت کے ذریعہ اپنا وضع کردہ نظام دنیا پر مسلط کیا ہے۔ اس عالمی کفری نظام کی حفاظت کے لیے اقوامِ متحدہ کے تحت قائم کیے گئے ممالک میں مقامی کرائے کی پیشہ ور فوجیں بنائی ہیں، جن کا اعلیٰ طبقہ اپنے اپنے ملکوں میں اس سودی نظام کی حفاظت کا پابند ہے، خواہ حکومت کسی کی بھی ہو لیکن نظام یہی باقی رہے گا۔

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ یورپ و امریکہ پر قابض مقتدر قوتوں نے وہاں کی عوام کے ساتھ وہی کیا جو فرعون نے اپنی قوم کے ساتھ کیا تھا۔

﴿فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ﴾ [الزخرف: ۵۴]

”اس طرح اس (فرعون) نے اپنی قوم کو بے وقوف بنایا اور انہوں نے اس کا کہنا مان لیا، حقیقت یہ ہے کہ وہ گناہگار لوگ تھے۔“

چنانچہ ان مقتدر قوتوں نے عوام کو، عوام کی حاکمیت کے نام پر کولہو کا ایسا بیل بنایا کہ یورپ کی نشاۃِ ثانیہ، انقلابِ فرانس و امریکہ کو آج صدیاں گزر گئیں، لیکن عوام کی حالت کولہو کے بیل ہی کی رہی۔ ان کی آخرت تو تباہ کی ہے، دنیا میں بھی اس عوام کو عالمی سود خوروں کی مزدوری و چاکری کے سوا کچھ نہ ملا۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی طبقے کے بارے میں فرمایا:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۝ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۭ وَبِئْسَ الْقَرَارُ﴾ [إبراهيم: ۲۸]

”کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے اللہ کی نعمت کے شکر کو ناشکری میں بدل دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کی جگہ جا اتارا، جہنم میں، جہاں یہ پہنچ جائیں گے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔“

مغرب میں اپنے پنجے جمانے کے بعد عالمی سود خوروں نے عالم اسلام کے خلاف اپنی سازشوں کا آغاز کیا۔ خلافتِ عثمانیہ کو توڑا، امتِ مسلمہ کو خلافت کی لڑی سے نکال کر قومیتوں میں تقسیم کیا اور ان پر اپنے غلام حکمران و جرنیل مسلط کر دیے، جو خود محمد ﷺ کی لائی شریعت کے دشمن ثابت ہوئے۔

جنہوں نے ظاہراً مسلمانوں جیسے نام رکھے لیکن ان کے دل دشمنانِ اسلام کے ساتھ، ملک و قوم سے غداری اور کافروں سے وفاداری، محمد ﷺ کی لائی شریعت سے بے زاری اور مغرب سے در آمد نظام سے وارفتگی۔ یہ ایسا طبقہ تھا جس نے اپنی عوام کو کنگال کر کے اپنی اور عالمی مالیاتی اداروں کی تجوریاں بھر کے رکھ دیں، اپنے بچوں کا مستقبل سنوارنے کے لیے قوم کا مستقبل تاریک کر گئے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

بقیہ: موت و بعد الموت

أَرَأَيْتَ لَوْ أَنَّ رَجُلًا لَهُ خَيْلٌ غُرٌّ مُحَجَّلَةٌ بَيْنَ ظَهْرَيْ خَيْلٍ دُهْمٍ بُهْمٍ أَلَا يَعْرِفُ خَيْلَهُ قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ فَإِنَّهُمْ يَأْتُونَ غُرًّا مُحَجَّلِينَ مِنْ الْوُضُوءِ وَأَنَا فَرَطُهُمْ عَلَى الْحَوْضِ

”بھلا تم دیکھو اگر کسی شخص کی سفید پیشانی والے سفید پاؤں والے گھوڑے سیاہ گھوڑوں میں مل جائیں تو کیا وہ اپنے گھوڑوں کو ان میں سے پہچان نہ لے گا صحابہ کرام نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ لوگ جب آئیں گے تو وضو کے اثر کی وجہ سے ان کے چہرے ہاتھ اور پاؤں چمکدار اور روشن ہوں گے اور میں ان سے پہلے حوض پر موجود ہوں گا۔“

ہم اللہ رب العزت سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں نبی کریم ﷺ کے ساتھ حوض کوثر پر اکٹھا فرمائے۔

وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه محمد وعلى صحبه وسلم

☆☆☆☆☆

خیالات کا ماہنامچہ

معین الدین شامی

ذہن میں گزرنے والے چند خیالات: جون ۲۰۲۵ء

تمام تعریف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے ہے جس نے ہمیں مسلمان بنایا اور اپنے محبوبؐ کا امتی بنایا، صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم! اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے صغیرہ وکبیرہ گناہوں کو اپنے فضلِ محض سے معاف کر دے، اپنے دین کی خدمت کی مبارک محنت کا کام لے لے اور جنت الفردوس میں اپنے حبیب کے قدموں میں جگہ عطا فرما دے۔ بے شک مانگنے والے کو نہ مانگنا آتا ہے اور نہ ہی کسی قسم کی اہلیت ہم میں پائی جاتی ہے!

اہلِ غزہ کیوں زندہ ہیں؟

میں نے سوال کیا:

”دسیوں ایٹم بموں کی تباہی جتنے بارود کے استعمال کے بعد بھی اہلِ غزہ زندہ ہیں تو کیوں زندہ ہیں؟ یہ اہلِ غزہ کی زندگی ایک کرامت ہے تو آخر کیوں؟“

جواب ملا:

ان اہلِ غزہ کی زندگی کی سانسیں اس لیے بحال رکھی گئی ہیں، یہ ٹیلی وائزڈ جینوسائیڈ اس لیے برپا ہے تاکہ امت کا امتحان جاری رہے۔

یہ جاننے کے لیے کہ جسدِ واحد کی دعوے دار امت میں گریٹا تھونبرگ (Greta Thunberg) اور لیام کننگھم (Liam Cunningham) جتنی حمیت ہے یا وہ بھی ختم ہو چکی ہے؟

بے شک اس امت میں حمیت ہے، اور اس امت کے اہلِ حمیت شام وسحر طوفان الاقصیٰ میں شریک بھی ہیں، لیکن یہ اہلِ حمیت کتنے ہیں؟ انگلیوں پر گنے جانے کے قابل۔ دو ارب کی امت سے زیادہ مؤثر کردار تو انسانیت کے دعوے دار یہ آج کے فریڈم فلوٹیلا والے ہیں۔

اگر امت نے فریڈم فلوٹیلا کی حد تک بھی اپنا کردار ادا نہ کیا تو ملبے تلے دبی یہ بچی ہی پوری امت کی خلاصی پر سوالیہ نشان بن کر روزِ محشر کھڑی ہو جائے گی۔

آہ...... آلاء النجار

غزہ اور خاص کر ڈاکٹر آلاء النجار کی حالت دیکھ کر اپنے زندہ ہونے پر افسوس ہے۔ یہ زندگی واقعی عبث اور قابلِ افسوس ہے اگر آلاء النجار کے بچوں کا انتقام لینے کی غرض سے نہ گزاری جائے۔

یومِ تکبیر

ہم نے ۲۸ مئی کو یومِ تکبیر تو قرار دے دیا، لیکن اللہ تعالیٰ کو نہ اپنی سیاست میں بڑا مانا، نہ خارجہ پالیسی میں، نہ معیشت میں اور نہ ہی معاشرت میں۔

ہماری سیاست مغرب سے درآمد کردہ جمہوریت ہے۔ خارجہ پالیسی میں غزوۂ ہند ٹرمپ کی ایک کال پر معطل ہو جاتا ہے، امریکہ ہمارا دوست ہے حماس وطالبان عملاً وحقیقتاً ہمارے دشمن ہیں۔ معیشت ہماری اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف اعلانِ جنگ یعنی سود ہے۔ معاشرت میں چند دن قبل پی ایس ایل کی تقریبات میں ہونے والی عریاں محفلِ رقص ہے۔ زنا جائز اور ۱۸ سال سے کم عمر کا نکاح قانوناً حرام ہے۔ جس نے ہمیں ایٹم بم بنا کر دیا اس کو ہم نے نظر بند و رسوا کیا۔ عافیہ صدیقی کو ہم نے بیچ کھایا۔

متاسفانہ...... یومِ تکبیر پر ہمارا جوش وخروش نعرے لگانے، جلوس نکالنے اور اب سوشل میڈیا پر پوسٹیں کرنے سے، ذات و اجتماع میں 'ذاتِ اکبر جل جلالہ' کی شریعت کو عملاً بڑا سمجھنے اور نافذ کرنے کی طرف نہ بڑھ سکا۔

آپ کے اہل واقارب کا یہ حق بھی ہے!

اپنے اہل واولاد، اقارب اور دوستوں وغیرہ کا اکرام یہ بھی ہے کہ جب وہ آپ کے پاس ہوں، تو آپ اپنے موبائل فون، سوشل میڈیا، واٹس ایپ وغیرہ کو ایک طرف رکھ کر ان کو توجہ دیں۔

سوشل میڈیا، رِیلز و واٹس ایپ یہیں رہ جائیں گے، لیکن زندگی کے یہ حقیقی تعلق کے مواقع پھر نہیں آئیں گے!

(والدین کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ اگر کوئی ان کو توجہ نہ دے تو یہ فعل تو دنیا و آخرت کی بہر حال و کیفیت محرومی اور سامانِ رسوائی ہے)

فرزانہ، نیلوفر و آسیہ سے عافیہ و آلاء تک

وقت کے ابنِ قاسموں اور معتصموں کو کشمیر کی فرزانہ، نیلوفر اور آسیہ پکار رہی ہیں، اسی پکارتی چیختی صف میں پاکستان کی عافیہ بھی شامل ہے اور انہی روتی پکارتی ماؤں بہنوں بیٹیوں میں غزہ کی آلاء النجار بھی شامل ہے۔

آج ۲۹ مئی ہے جب شوپیاں کی...... نیلوفر و آسیہ کی عصمت تار تار کر قتل کر دینے کے بعد ان دونوں کی نعشوں کو رامبی آرا کے دریا میں بہا دیا گیا تھا۔

کشمیر تا فلسطین ایک ہی کہانی ہے، ایک سا ظلم ہے اور اس سب کا علاج بھی ایک سا ہے!

کس کے منتظر ہیں سب؟ معجزہ کہ زلزلہ!؟
تا وہ دخترانِ دیں، بازیاب ہو رہیں!؟

#نحن_مع_غزة

سبھی اہلِ ایمان کو امارتِ اسلامی افغانستان کے مجاہدین کی شروع کردہ سوشل میڈیا مہم #نحن_مع_غزة کی بھرپور حمایت کرنی چاہیے۔

اسی کے ساتھ ہم تمام کلمہ گوؤں کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اصل فریضہ کیا ہے؟

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ہم صرف سوشل میڈیا اور ابلاغی مہمات کو اصل فرض اور اپنے ضمیروں کی تسکین کا سامان نہ بنالیں۔

ع خون جہاں بہنا ہو وہاں اشکوں کا کیسا بہنا؟

#نحن_مع_غزة: جاهدوا المشركين بأموالكم وأنفسكم وألسنتكم (صحيح أبي داود)، کما قال حبیبنا علیہ الصلاۃ والسلام۔

مشرکوں سے جہاد کرو، اپنے مالوں، اپنی جانوں اور اپنی زبانوں کے ذریعے۔ #نحن_مع_غزة، سوشل میڈیا پر ہی نہیں، ہر ہر طریقے سے، ہر اس طریقے سے جو میدان میں ڈٹے مجاہد کے قدموں کی مضبوطی اور غزہ کے مظلوموں کی نصرت کا سبب ہو!

خلافت...... رومانس...... فانٹاسی

رب کی شریعت کا رب کی زمین پر عملی نفاذ خلافت ہے۔ نصوصِ شرعیہ بڑی وضاحت سے خلافت کے متعلق گفتگو کرتی ہیں۔ نظامِ اسلامی کی عملی تطبیق کا نام بھی خلافت ہے۔ خلافت کے قیام کے بنا شریعتِ اسلامی کا صد فیصد نفاذ ناممکن ہے۔

غامدی صاحب کا مسلک خلافت کو ''romance'' قرار دینا ہے اور باقی کچھ مدخلی الفکر حضرات کے یہاں تو موجودہ حکمران ہی شرعی ولی الامر ہیں، تو ان حکام کو شرعی اولو الامر جاننے والوں سے نسبت رکھنے والے آج اس سب کو ''fantasy'' قرار دے رہے ہیں۔

الفاظِ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم ہیں: ثم تكون خلافة على منهاج النبوة (مسند احمد)۔

ہر کوئی اپنی اپنی fantasies اور اپنے اپنے romance کے پیچھے بھاگتا ہے۔ اپنی فانٹاسی اور اپنا رومانس تو وہی ہے جو رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے ادا ہو گیا۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر خلافت کا پھر سے قیام برحق ہے تو بنا محنت کیے تو دینُ اللہ مکہ مدینہ میں بھی قائم نہیں ہوا اور محنت بھی کیا؟ دعوت الی اللہ، دارِ ارقم، شعب ابی طالب، ہجرت، جہاد، صفہ کا چبوترہ......

تو علی منہاج النبوۃ خلافت کیسے آج ان سب راہوں اور گھاٹیوں کو عبور کیے بغیر قائم ہو سکے گی؟ اور اگر خلافت کا دوبارہ قیام برحق ہے (اور بے شک برحق ہے) تو ہماری اس سب کے لیے محنت کیا ہے؟

جو نوجوان اسی نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو لانے کی جد وجہد کا راستہ پوچھیں تو ہم انہیں یہاں وہاں کی راہیں دکھائیں!؟

بقول عارفِ لاہوری (اقبالؒ):

صوفی کی طریقت میں فقط مستیٔ احوال
مُلّا کی شریعت میں فقط مستیٔ گفتار
شاعر کی نوا مُردہ و افسردہ و بے ذوق
افکار میں سرمست، نہ خوابیدہ نہ بیدار
وہ مردِ مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو
ہو جس کے رگ و پے میں فقط مستیٔ کردار

☆☆☆☆☆

اخباری
کالموں کا جائزہ

شاہین صدیقی

[اس تحریر میں مختلف موضوعات پر کالم نگاروں و تجزیہ کاروں کی آراء پیش کی جاتی ہیں۔ ان آراء اور کالم نگاروں و تجزیہ کاروں کے تمام افکار و آراء سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ (ادارہ)]

’فیلڈ مارشل‘ عاصم منیر

پاک بھارت حالیہ تین روزہ تنازعہ کے بعد پاکستانی فوج کو جہاں اپنی ساکھ بحال ہوتی نظر آئی وہیں پاکستانی صدر اور وزیر اعظم نے آرمی چیف عاصم منیر کو سب سے اعلیٰ فوجی عہدے اور اعزاز فیلڈ مارشل سے نوازا۔ اس سے پہلے یہ اعزاز صرف ایوب خان کے حصے میں آیا ہے۔ یوں ہی نہیں پاکستانی فوج اور اس سے منسلک اداروں کو ’اسٹیبلشمنٹ‘ کہا جاتا۔ پاکستان کی پوری تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ فوجی آمروں نے مزید طاقت کے حصول کے لیے کیسے کیسے ہتھکنڈے اپنائے اور کہاں کہاں اپنے مفاد اور عوام کو خاموش کرنے کے لیے ان کو ظلم کا نشانہ بنایا۔ ہر آنے والا جانے والے سے بھی دو ہاتھ آگے بڑھ کر زیادہ سے زیادہ طاقت، مال و دولت کے حصول کے لیے کٹھ پتلی حکومتوں کو استعمال کر کے اپنی اجارہ داری قائم کرتا ہے اور جب ریٹائر ہو جاتا ہے تو ساری لوٹی ہوئی دولت لے کر ملک سے فرار ہو جاتا ہے۔ ہر آنے والا جانے والے سے زیادہ طاقت و اختیار حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ سلسلہ تا حال جاری ہے۔ آرمی چیف کو ’فیلڈ مارشل‘ کے اعزاز سے نوازنا اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

چونکہ پاکستانی میڈیا کی روزی روٹی بھی اسٹیبلشمنٹ کے بوٹ پالش کرنے سے چلتی ہے اس لیے زیادہ تر کالم نگار و ’دانشور‘ عاصم منیر کی جرأت و بہادری کے قصیدے لکھ رہے ہیں۔ اس کی ایک جھلک ملاحظہ کریں:

فیلڈ مارشل عاصم منیر، مدبر سپہ سالار | محمد علی یزدانی

”فیلڈ مارشل سید عاصم منیر صرف ایک جنرل نہیں بلکہ ایک مثالی سپاہی، مدبر رہنما، اور مخلص مصلح کے طور پر ابھرے ہیں۔ ان کی جنگی حکمت عملی، بروقت فیصلے، دشمن کی چالوں کو بے نقاب کرنا، اور قومی اتحاد کو مضبوط کرنا ہماری تاریخ کا درخشاں باب ہے۔ ان کا فیلڈ مارشل بننا اس بات کا ثبوت ہے کہ قیادت محض عہدے سے نہیں بلکہ صلاحیت، نیت، اور خدمت کے جذبے سے حاصل کی جاتی ہے۔ ان کے فوجی کارنامے آج دنیا کی وار اسٹڈیز میں شامل ہو چکے ہیں اور ان کی منصوبہ بندی دشمن کے لیے ہمیشہ ایک معمہ بنی رہے گی۔ دشمن کو ناکوں چنے چبوانا، اس کے غرور کو خاک میں ملانا، اور اس کے جدید اسلحے کو ناکام بنانا ایسی کامیابیاں ہیں جن پر پوری قوم کو فخر ہے۔

فیلڈ مارشل جنرل سید عاصم منیر نے پاکستان آرمی کے نظم و ضبط کو نئی سطح پر لے جانے کے ساتھ ساتھ داخلی و خارجی سلامتی کو نئی سمت عطا کی۔ وہ اس بات کا جیتا جاگتا نمونہ ہیں کہ قیادت میں سادگی، اصول پسندی، اور دیانت ہی وہ عناصر ہیں جو ادارے اور قوم کو کامیابی کی طرف لے جاتے ہیں۔

تاریخ انہیں ایک غیر معمولی، مدبر اور باوقار سپہ سالار کے طور پر ہمیشہ یاد رکھے گی، ایک ایسا نام جو قوم کے دلوں میں نقش ہو چکا ہے اور آنے والی نسلوں کے لیے ایک مثال بن چکا ہے۔“

[روزنامہ پاکستان]

لیکن یہ سوال اپنی جگہ اہم ہے کہ آیا محض تین دنوں کی فضائی معرکہ آرائی، جو کہ امریکہ نے رکوا دی، کے بعد جنرل عاصم منیر کو ”فاتح“ کہا جا سکتا ہے؟ اگر پاکستان و بھارت کے مابین ایک مکمل جنگ چھڑ جاتی اور پاکستان اس جنگ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مقبوضہ کشمیر کو آزاد کروا لیتا تو فوج کا سپہ سالار کسی اعزاز کا مستحق ہوتا۔ لیکن ماضی میں کتنے ہی ایسے موقع آئے لیکن پاکستانی فوج کشمیر کو آزاد کرانے میں یا ناکام رہی یا ان کا آزاد کروانے کا ارادہ ہی نہیں تھا۔ پھر یہ اعزاز چہ معنی دارد؟ اسی طرح کا سوال شاہنواز فاروقی بھی اٹھا رہے ہیں:

جنرل عاصم منیر اور فیلڈ مارشل کا اعزاز | شاہنواز فاروقی

”پوری عسکری تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ جنگ کے دوران کسی کو کوئی اعزاز نہیں دیا جاتا۔ جنگ ختم ہو جاتی ہے تو پھر اعزازات کا مرحلہ آتا ہے۔ بھارت نے ۶ مئی کو جو جنگ شروع کی تھی وہ ابھی تک جاری ہے۔ بھارت کا ناپاک وزیر اعظم مودی کہہ چکا ہے کہ ابھی جنگ میں وقفہ ہے۔

چونکہ اس جنگ کے نتائج سے مودی کا سیاسی مستقبل تاریک ہو سکتا ہے اس لیے اندیشہ یہ ہے کہ بھارت کسی بھی وقت ہم پر دوبارہ جنگ مسلط کر سکتا ہے۔ ایسا ہوا تو جنرل عاصم

منیر کا اعزاز انہیں خود بوجھ لگنے لگے گا۔ بہتر ہوتا کہ پہلے بھارت کے ساتھ جنگ حتمی طور پر ختم ہو جاتی اور پھر جنرل عاصم منیر کو کوئی اعزاز دیا جاتا۔

جنرل عاصم منیر کا اعزاز اس لیے بھی عجیب و غریب محسوس ہو رہا ہے کہ جنرل عاصم منیر نے ۲۰۲۴ء کے انتخابات کو اغوا کر کے شریف خاندان اور نواز لیگ کو ملک پر مسلط کر دیا اور پھر شہباز شریف نے اس احسان کا بدلہ اتارنے کے لیے جنگ کے حتمی اختتام سے پہلے ہی جنرل عاصم منیر کو فیلڈ مارشل کا اعزاز پیش کر دیا۔ ریکارڈ پر یہ بات بھی ہے کہ پاک بھارت جنگ میں پاک فضائیہ نے اصل کارنامہ سرانجام دیا چنانچہ کوئی اعزاز دینا ہی تھا تو پاک فضائیہ کے سربراہ ظہیر بابر صاحب کو دیا جاتا۔

بدقسمتی سے اس اعزاز کی جتنی سستی تشہیر کی جا رہی ہے وہ ناقابل قبول ہے۔ روزنامہ جنگ نے ۲۱ مئی کی اشاعت میں نصف بالائی سطح پر ۲۰ خبریں شائع کی ہیں۔ ان میں سے دس خبریں جنرل عاصم کے اعزاز سے متعلق ہیں جبکہ زیریں نصف صفحے میں ایک نجی ادارے کا اشتہار ہے جس میں جنرل عاصم منیر کو ''امت کا سپہ سالار'' قرار دیا گیا ہے۔ حالات یہی رہے تو کسی دن عاصم منیر پوری دنیا کے سپہ سالار بھی قرار دے دیے جائیں گے۔ اس سلسلے میں معروف صحافی مجیب الرحمن شامی نے بھی حد کر دی۔ انہوں نے اپنے ایک کالم میں جنرل عاصم منیر کو ''فاتح بھارت'' قرار دیا ہے۔ یہ سب کچھ کم ظرفی اور چھوٹے پن کی علامت ہے۔ پی ایس ایل کے فائنل میں جرنیلوں کے ''فیورٹ'' محسن نقوی ایک جانب نعرہ تکبیر لگوا رہے تھے اور دوسری جانب ''پنجابیوں'' کو نچوا کر نچ پنجابن نچ کا شور برپا کروا رہے تھے۔ بلاشبہ ایسے ملک میں جو ہو جائے کم ہے۔''

[روزنامہ جسارت]

کم عمری کی شادی پر پابندی

یوں تو پاکستان کے آئین کی رو سے کوئی بھی ایسا قانون نافذ نہیں ہو سکتا جو دینی احکامات سے متصادم ہو۔ لیکن چاہے وہ حدود کے قوانین ہوں یا توہین رسالت یا پھر خواجہ سراؤں کے حقوق کے نام پر LGBTQ کا فروغ، پاکستان کی سیکولر اور لبرل حکومت اپنے مطلب کے قوانین نافذ کروانے میں بین الاقوامی ایجنڈے پر کام کر رہی ہے۔ اس سلسلے کی موجودہ کڑی کم عمری میں شادی پر پابندی کا بل ہے۔ جو پارلیمنٹ میں دیسی لبرل شیری رحمان نے پیش کیا اور جلدی جلدی نا صرف پارلیمنٹ اور سینٹ سے منظور ہو گیا بلکہ صدر آصف زرداری نے فوراً ہی دستخط کر کے نافذ العمل کر دیا۔ جبکہ اسلامی نظریاتی کونسل نے بھی اسے مسترد کیا اور پاکستان کے علماء نے بھی اسے اسلامی احکامات کے خلاف ہونے پر مسترد کیا۔ لیکن پاکستان میں چلتی انہی دیسی لبرلز کی ہے جو اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے اسلام کا نام بھی پاکستان سے ختم کرنا چاہتے ہیں۔

اس قانون کے تحت اٹھارہ سال سے کم کسی بھی لڑکے یا لڑکی کی شادی پر قانون کی نظر میں ممانعت ہو گی اور خلاف ورزی کرنے والے کو سزا ہو گی۔

نئے قانون میں کہا گیا ہے کہ ۱۸ سال سے قبل ساتھ رہنے کو بچے سے زیادتی تصور کیا جائے گا اور کم عمر میں شادی پر مجبور کرنے والے کو ۷ سال تک قید اور ۱۰ لاکھ تک جرمانہ ہو گا۔

قانون کے تحت نکاح خواں ایسا نکاح نہیں پڑھائے گا، جہاں فریق ۱۸سال سے کم عمر ہوں، خلاف ورزی پر نکاح خواں کو ایک سال قید اور ایک لاکھ جرمانہ ہو سکتا ہے۔ ۱۸سال سے بڑی عمر کے مرد کو کم عمر لڑکی سے شادی پر ۳سال تک قید بامشقت ہو گی اور کم عمری کی شادی کا علم ہونے پر انتظامیہ اسے روکنے کا حکم دے گی۔

اٹھارہ سال سے کم عمر کے لڑکے لڑکیوں کو نابالغ اور بچہ قرار دینا سراسر دینی احکامات کی نفی ہے۔ اس قانون سے نہ صرف زنا اور بے حیائی کو فروغ ملے گا۔ بلکہ نئی نسلوں کے اسلامی عقائد بھی مسخ ہوں گے۔ اگرچہ علماء نے اس قانون کے خلاف عوامی سطح اور سوشل میڈیا پر احتجاج شروع کر رکھا ہے لیکن اس سے پہلے کتنے قوانین ان احتجاجی مظاہروں سے بدلے گئے ہیں؟ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ اس موضوع پر بھی زیادہ تر لکھاریوں نے اس قانون کا خیر مقدم کیا ہے۔ جبکہ چند ایک کالم نگاروں نے اسے اسلامی احکامات کے منافی قرار دے کر اس کے خلاف آواز اٹھائی ہے:

کم عمری کی شادی؟ | افضال ریحان

''حال ہی میں ہماری سینیٹ نے کم عمری کی شادیوں پر ممانعت کا جو بل پاس کیا ہے، یہ ہمارے آئینی و جمہوری ادارے کا نہایت ضروری اور قابل ستائش فیصلہ ہے جس کی ہر طرف سے تحسین ہونی چاہیے تھی لیکن کس قدر افسوس کی بات ہے کہ اس پر بجائے معزز ادارے کو مبارک باد دینے کے کچھ حلقے اس پر تنقید کے نشتر چلانا شروع ہو گئے ہیں۔

...... حکومتی پارٹی کو چاہیے تھا کہ یہ ایشو پارلیمان میں، پہلے اپنی پارٹی کے اجلاس میں طے کر کے آگے لاتی کیونکہ سینیٹ تو پہلے ہی اس کی منظوری دے چکی ہے، خاتون وفاقی وزیر کا یہ مؤقف قابلِ فہم ہے کہ کئی قدیمی اسلامی ممالک جیسے ترکی اور مصر میں شادی کے لیے عمر کی اٹھارہ سالہ حد پہلے سے موجود ہے اور مصری مسلمانوں نے تو باقاعدہ الازہر یونیورسٹی کے ماہرین کی مشاورت سے یہ قانون تشکیل دے رکھا ہے جبکہ ترکی ایک جمہوری اسلامی ملک ہے اور ان کی منتخب پارلیمنٹ نے عوامی مفاد میں یہ قانون سازی کر رکھی ہے۔

یہ امر بھی پیشِ نظر رہے کہ ہمارا مذہب کوئی جامد مذہب نہیں ہے اس کا نظریہ اجتہاد بہت مضبوط اور وسیع تر ہے، اگر قوانین اور معاشرت کا علمی و فکری بنیادوں پر جائزہ لیا جائے تو ہم چودہ صدیوں میں ان گنت تغیرات سے گزرے ہیں، ابتدائی ادوار میں فقہی طور پر اس نوع کے تقاضے بھی مسلمہ حقائق خیال کیے جاتے رہے کہ حکمران ہونے کے لیے قریشی کی شرط لازم ہے یا بیعت کے حق دار محض اہل حل وعقد ہوں گے۔

جمہوریت کے بالمقابل بادشاہتوں کی حمایت میں شرعی دلائل بھی پیش کیے جاتے رہے ہیں۔ عورت کی حکمرانی کے خلاف تو ابھی کل تک دھواں دار تقاریر ہوتی رہیں لیکن وقت کے ساتھ مسلم سوادِ اعظم شعوری طور پر آگے بڑھتا رہا اور آج تمام تر اجتہادی فیصلے اس قدر حاوی ہو چکے ہیں کہ روایتی الذہن لوگ بھی ان کی مخالفت کا یارا نہیں رکھتے، روایتی اپروچ کے حاملین کو چاہیے کہ وہ اس نوع کے مسائل و معاملات میں نظریہ استحسان اور مصالح مرسلہ کو پیش نظر رکھیں ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ جتنی زور آزمائی کم عمری کی شادی پر کر رہے ہیں اتنا زور جبری شادیوں کے خلاف دیں۔"

[جیو نیوز]

اس قانون کے حق میں پیش پیش جاوید احمد غامدی کے شاگرد بھی ہیں جو "پروگریسو اسلام" کے گمراہ کن عقیدہ کو مسلمانوں میں پھیلا رہے ہیں اور اپنے ان گمراہ کن عقائد کو پھیلانے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ گزشتہ اقتباس میں بھی اگرچہ اسی کی جھلک تھی اور غامدی کا براہ راست شاگرد خورشید ندیم بھی کچھ ایسی ہی بات کر رہا ہے:

شادی کی عمر | خورشید ندیم

"عالمِ اسلام کے کم از کم چودہ ممالک میں شادی کی عمر طے کر دی گئی ہے جو اٹھارہ سے اکیس سال کے درمیان ہے۔ ان ممالک میں سعودی عرب، ترکیہ، مصر اور مراکش شامل ہیں۔ اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ کی رائے کے مطابق 'اولو الامر (اربابِ اختیار) کو یہ حق حاصل ہے کہ قاضی کی اجازت سے کمسن لڑکیوں کے لیے شادی کی مناسب عمر کا تعین کر سکتے ہیں۔ اس لیے پاکستان کے علماء سے بھی یہی گزارش ہے کہ وہ شادی کی عمر کو اسلامی تصورِ خاندان کے وسیع تر تناظر میں دیکھیں۔ اگر کم عمری کے سماجی ونفسیاتی نتائج کو سامنے رکھا جائے تو اس کی ضرورت بڑھ جاتی ہے۔ خصوصی حالات کے لیے البتہ عدالت اس میں استثنا پیدا کر سکتی ہے۔"

[روزنامہ دنیا]

اس قانون کے خلاف معاشرے میں آواز اگر اٹھ رہی ہے تو صرف دیندار طبقے کی جانب سے ہی اٹھ رہی ہے۔ شجاع الدین شیخ صاحب اپنے ایک کالم میں لکھتے ہیں:

قوم کو بنیان مرصوص بننا ہو گا | شجاع الدین شیخ

"چند روز پہلے قومی اسمبلی اور سینٹ میں ایک بل منظور کیا گیا جس میں ۱۸ سال سے کم عمر بچوں کی شادیوں پر پابندی لگاتے ہوئے دلہا، شادی کے گواہ اور نکاح خواں پر فوجداری مقدمہ قائم کرنے کو کہا گیا ہے۔ ۱۸ سال سے زائد عمر کے مرد کی کمسن لڑکی سے شادی پر بھی سزا مقرر کی گئی ہے۔ کمسن لڑکی سے شادی پر کم از کم ۲ سال اور زیادہ سے زیادہ ۳ سال قید بامشقت ہو گی، کمسن لڑکی سے شادی پر جرمانہ بھی ہو گا، کم عمر بچوں کی رضامندی یا بغیر رضامندی شادی کے نتیجے میں مباشرت نابالغ فرد سے زیادتی سمجھی جائے گی۔ دونوں ایوانوں سے منظور ہونے کے بعد یہ بل اب صدر مملکت کے دستخط کا متقاضی ہے۔[1] صدر مملکت اگر اِس بل پر یہ اعتراض لگا کر واپس ایوان میں بھیج دیں کہ یہ بل اسلامی احکامات کے خلاف ہے تو یقیناً یہ اِس بات کا ثبوت ہو گا کہ دستور پاکستان کے دیباچے میں لکھی ہوئی عبارت کو سمجھنے والے ارباب اختیار پاکستان میں ابھی زندہ ہیں ورنہ جہاں اور بہت سے غیر اسلامی اور غیر منطقی قوانین موجود ہیں، اُن میں ایک اور کا اضافہ ہو جائے گا۔ موجودہ حالات میں اگر اِس طرح کا کوئی قانون بنانا ضروری ہی تھا تو بلوغت کی عمر کی از سر نو وضاحت کر دی جاتی کہ اب سے ۱۳ سال کے بچے کو جسمانی طور پر بالغ تصور کیا جائے گا۔ اسلام نے تو نابالغ بچیوں کی طلاق کے بارے میں قوانین کی وضاحت بھی فرمائی ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ نابالغ بچوں کی شادی ہو سکتی ہے۔ دکھ کی بات تو یہ ہے کہ ہمارے ارباب اختیار معاشرے میں پھیلنے والی اُن خرابیوں کی بیخ کنی کے لئے تو کوئی قانون سازی نہیں کر رہے کہ جن کی وجہ سے زنا اور اس سے متعلق دیگر کئی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں الٹا وہ تمام اسباب ضرور پیدا کر رہے ہیں کہ جن سے معاشرتی خرابیوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ طبی ماہرین بخوبی جانتے ہیں کہ بلوغت کی عمر ہر علاقے اور تہذیب میں مختلف ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل نے بھی کم عمری کی شادی پر پابندی والے بل کو مسترد کر دیا ہے۔ لہٰذا صدر مملکت صاحب اپنی قوم کے بچوں پر رحم کرتے ہوئے اس بل کو واپس بھیج دیں۔ پاکستانی قوم سے بھی گزارش ہے کہ پاکستان کی اصل کامیابی کا راز اِس بات میں پوشیدہ ہے کہ پاکستان ہم نے نظام اسلام کے نفاذ کے لئے حاصل کیا تھا، اِس لئے اِس کی بقاء کا راز بھی اِسی میں مضمر ہے۔ ایسے میں قوم ہر غیر اخلاقی اور غیر اسلامی اقدام کے خلاف ہر وقت بنیان مرصوص بن کر رہے،

[1] بعد میں صدرِ مملکت کی طرف سے دستخط کے نتیجے میں یہ بل باقاعدہ قانون بنا دیا گیا ہے۔

جہاں کہیں بھی مذہب اور دین کے خلاف کوئی اقدام نظر آئے قوم اس کے خلاف بنیان مرصوص بن جائے۔"

[روزنامہ ۹۲نیوز]

غزہ!

جہاں غزہ پر جاری صہیونی حملے کو چھ سو دن مکمل ہو گئے ہیں، وہاں مارچ سے جاری غزہ کی مکمل ناکہ بندی اور روزانہ کی بنیاد پر دن رات مسلسل حملوں سے زندگی کی صورتحال ابتر کر دی گئی ہے۔ بھوک اور غذائی قلت سے ہر روز بچے بوڑھے جوان موت کی آغوش میں جا رہے ہیں۔ جو کچھ سوشل میڈیا پر نشر ہو رہا ہے اس کی تفصیل الفاظ میں بیان کرنے سے قلم بھی قاصر ہے۔

ایسے میں جب اسرائیل کے اپنے اتحادی بھی ان انسانیت سوز مظالم کے خلاف بولنا شروع ہو گئے ہیں، تو اسرائیل اور اس کے باپ امریکہ نے غزہ میں امدادی ٹرکوں کو داخلے کی اجازت دینے اور اقوام متحدہ کے ادارے انروا(UNRWA) کی سرپرستی میں غزہ کے تباہ حال عوام تک امداد پہنچانے کے بجائے اسرائیلی سرپرستی میں ایک نیا ادارہ غزہ ہیومینٹیرین فاونڈیشن (GHF) تشکیل دیا، جو اسرائیلی قابض فوج کی سرپرستی میں غزہ کے لوگوں میں غذائی امداد بانٹے گا۔ اور اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ اس ادارے کی مقرر کی ہوئی جگہوں پر (جو کی آبادی سے بہت دور بنائی گئی ہیں اور جہاں تک پیدل سفر ہی بہت دشوار ہے) عوام جمع ہوں گے اور وہاں پہنچ کر ہر شخص کی بائیو میٹرک سکیننگ ہو گی اس کے بعد انہیں جو "کلین" لگے گا اسے امداد دی جائے گی۔ جب اس ادارے نے کام شروع کیا تو یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ بھی صہیونیوں کا ایک ہتھیار ہے اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لیے۔ اس کا مقصد ہے:

- عوام کی کثیر تعداد کو ایک جگہ اکھٹا کرنا،
- ان کی تذلیل کرنا اور ہتک آمیز سلوک کے بعد کچھ لوگوں کو تھوڑا سا راشن دینا،
- کچھ لوگوں کو شک کی بنیاد پر وہاں سے ہی غائب کر لینا،
- تنگ راہداری میں موجود لوگوں پر ان کے سروں اور سینے پر سیدھا فائرنگ کر کے انہیں شہید کر دینا،
- راستے میں امداد کے لیے آنے والے لوگوں کو ڈرون کے ذریعے نشانہ بنانا۔

جس انداز سے صہیونی قابض افواج کی پیش قدمی جاری ہے اور جو امداد کے پوائنٹس بنائے ہیں، اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسرائیل غزہ کے لوگوں کی مکمل نسل کشی کر کے پورے غزہ پر قبضے کی منصوبہ بندی پر مکمل امریکی حمایت کے ساتھ عمل پیرا ہے۔

اقوام متحدہ کے خصوصی نمائندے برائے خوراک مائیکل فخری نے اسے " bait to corral people" (لوگوں کو جمع کرنے کے لیے چارہ) قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ اقدام "بین الاقوامی قانون کے ہر اصول کی خلاف ورزی ہے"۔ اس کے بعد وہ لکھتے ہیں:

ترجمہ: "یہ لوگوں کو شمال سے نکال کر فوجی علاقوں کی طرف دھکیلنے کے لیے امداد کا استعمال ہے، یہ لوگوں کو ذلیل کرنے کے لیے ہے اور یہ آبادی کو کنٹرول کرنے کے لیے ہے۔ اس کا قحط روکنے سے کوئی لینا دینا نہیں۔"

الجزیرہ کی ایک رپورٹ کے مطابق GHF نے ۲۷ مئی سے کام شروع کیا اور اب تک وہاں براہ راست فائیرنگ سے امداد کے لیے آنے والے نہتے عوام میں سے ۱۰۲ لوگوں کو شہید کر دیا گیا اور ۴۹۰ زخمی ہیں۔ وہاں کی وڈیو فوٹیج میں دیکھا جا سکتا ہے کہ کس طرح ہر طرف لاشیں بکھری ہوئی ہیں جنہیں اٹھانے کا انتظام بھی نہیں۔

الجزیرہ پر ایک لکھاری نے اس پر تبصرہ کیا ہے جس کے اقتباس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

In Gaza, aid kills | Belén Fernández

"اگر GHF کے غزہ میں آغاز سے کوئی اشارہ ملتا ہے، تو خوراک کی عسکری تقسیم، بھوک سے نڈھال فلسطینیوں کے، امدادی مراکز کے گرد جمع ہونے پر، قتلِ عام کے مواقع فراہم کرتی رہے گی۔ "ڈرم میں مچھلیوں کا شکار" کا انگریزی محاورہ اس سے ذہن میں آتا ہے، جیسے غزہ کی پٹی پہلے ہی کوئی کم ڈرم جیسی ہے۔

بلاشبہ، بھوک سے نڈھال لوگوں کو مخصوص جغرافیائی مقامات کی جانب راغب کرنے کا خیال، اسرائیل کی نسل کشی کی مہم کو سہولت دینے کے لیے ایک شیطانی چال ہے۔ اور جب امریکہ اسرائیل کے اس "ڈرم میں مچھلیوں کے شکار" والے طریقے کو جاری رکھنا چاہتا ہے، وہ دنیا جس میں اخلاق کا شائبہ بھی موجود ہو گا وہ اس انتظام کو مزید ہضم کرنے سے انکار کر دے گی۔"

[Al Jazeera English]

یونیسیف (UNICEF) کے مطابق غزہ میں ۳۰ مئی تک ۵۰ ہزار بچے بھوک یا اسرائیلی حملوں میں شہید ہوئے ہیں۔ غزہ میں جاری بمباری، تباہی و بربادی اور قتل عام سے جس انسانی بحران نے جنم لیا ہے اس نے پوری دنیا کے لوگوں کے ضمیروں کو جھنجھوڑ ڈالا ہے۔ لیکن اس پوری دنیا پر جن ایک فیصد طبقے کی اجارہ داری ہے، ان کے ضمیر مردہ ہو چکے ہیں، اس لیے انہیں لاکھوں مسلمانوں کے قتل کر دیے جانے سے کوئی فرق ہی نہیں پڑتا۔

پاکستانی اخبارات بھی دنیا بھر کے میڈیا کی طرح غزہ کے حق میں آواز اٹھا رہے ہیں۔ اس حوالے سے دو اقتباسات ملاحظہ ہوں:

سنو دنیا والو! غزہ کے بچے مر رہے ہیں | ناصر ادیب

"اکتوبر ۲۰۲۳ء سے اب تک سترہ ہزار بچوں کو قتل کیا جا چکا ہے۔ کوئی نہیں پوچھتا کہ ان معصوموں کو کیوں مارا جا رہا ہے۔ تیرہ مئی کی خبر تھی کہ ستاون بچے ایک ہی دن میں بھوک سے مر گئے۔ آپ نے بھی پڑھا اور گزر گئے۔ کیوں کہ ہم ایسی خبریں پڑھ یا سن کر بھی اپنے بچوں کی خاطر جینا چاہتے ہیں۔ غزہ کے نو لاکھ تیس ہزار بچے خوراک کی اس قدر کمی کا شکار ہیں کہ موت کے دہانے پہ کھڑے ہیں۔ غزہ میں مرنے کا مطلب ہم اور آپ نہیں سمجھتے۔

غزہ کے شاعر ابو طحہ سے ایک بار الجزیرہ نے پوچھا کہ غزہ میں زندگی کیسی ہے؟ ان کا کہنا تھا 'اگر آپ غزہ میں رہتے ہیں تو آپ روز مرتے ہیں۔ آپ ایئر سٹرائیک میں مر سکتے تھے مگر نصیب سے بچ گئے۔ اپنے خاندان کے لوگوں کو مرتے دیکھنا بھی ایک طرح کی موت ہے، اپنی امید کھو دینا بھی موت ہے، ہر رات ہمارے لیے ایک نئی زندگی ہوتی ہے۔ ہم سونے جاتے ہیں تو ہمیں یقین ہوتا ہے کہ اگلی صبح نصیب والوں کو ہی ملے گی۔ اس لیے ہم یہاں کئی بار مرتے ہیں اور ہر روز خود کو مرنے والوں کی گنتی میں شمار کرتے ہیں'۔

ایک دو نہیں چودہ ہزار بچوں کی اگلے اڑتالیس گھنٹے میں بھوک سے مرنے کی وارننگ آئی ہے۔ اقوام متحدہ چیخ چیخ کر بتا رہا ہے مگر بچوں سے بھری اس دنیا میں کسی کے گھر شور نہیں۔ کسی لیڈر کا ضمیر نہیں جاگ رہا کہ وہ آگے بڑھے اور بمباری رکوائے۔ مذمت تو سب ہی کرتے ہیں، مدد کوئی نہیں کرتا۔ سب طاقتور اسی ظالم کے ساتھ کھڑے ہیں جو کئی سالوں سے مسلسل بم برسا رہا ہے۔ ایک اسرائیلی سابق جنرل کا کہنا ہے کہ "ہم ایک ایسی صبح دیکھنا چاہتے ہیں جب غزہ کی پٹی پہ رہنے والے فلسطینی ختم ہو جائیں"۔ یہ اس ملک کا فوجی جنرل ہے جو اب مشغلے کی طرح بچوں پہ بم برسا رہا ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ اقوام متحدہ کے انسانی امداد کے چیف ٹام فلیچر بتاتے ہیں کہ "ہمیں غزہ کی پٹی پہ امدادی سامان کی فوری ضرورت ہے ورنہ لاکھوں لوگوں کی موت کا خطرہ ہے"۔ اقوام متحدہ چیخ چیخ کر بتا رہا ہے کہ صورت حال ان کے کنٹرول سے باہر ہو رہی ہے۔ بچوں کو مرتے دیکھنا کس قدر خوفناک ہو گا۔

امریکی صدر پاکستان اور انڈیا کے درمیان سیز فائر کروا سکتے ہیں۔ روس اور یوکرین کی جنگ رکوانے کے لیے پیوٹن سے دو گھنٹے تک بات کر سکتے ہیں۔ مگر غزہ کے بچوں کا قتل عام رکوانے کے لیے نیتن یاہو سے بات نہیں کریں گے۔ ایسا کیا ہے کہ پوری دنیا کی سفارت کاری مل کر بھی کئی لاکھ بچوں کو مرنے سے بچا نہیں سکتی۔

اگر اب بھی اقوام متحدہ کی کال پر عالمی ضمیر نہ جاگا تو تاریخ اس زمانے کو انسانی حقوق کے حوالے سے بدترین دور لکھے گی۔ جس میں معصوم بچوں کا قتل عام رکوانے کے لیے کسی نے کوئی کوشش نہ کی۔ تمام دنیا کے دساتیر اور متفقہ چارٹروں سے بنیادی انسانی حقوق اور شخصی آزادیوں کے باب ختم کر دینے چاہئیں اور ان کی جگہ بچوں کو قتل کرنے والی ظالم ریاست سے دنیا بھر کی دوستی کے قصے لکھے جائیں۔ غزہ کے معصوم بچے خدا اور تاریخ کو اپنی کہانی خود سنا لیں گے۔"

[روزنامہ ۹۲نیوز]

اجتماعی عذاب کے آثار! | محمد عرفان ندیم

"اگر آج فلسطین میں بہنے والے خون پر دنیا خاموش ہے تو بعید نہیں کل یہی خون عالمی ضمیر کی بنیادوں کو بہالے جائے۔ اللہ کی سنت ہے کہ جب ظلم حد سے بڑھ جائے اور انصاف کرنے والے خاموش ہو جائیں تو پھر زمین چیختی ہے، آسمان گرجتا ہے اور فطرت وہ توازن کھو دیتی ہے جس پر یہ نظام قائم ہے۔ یہ زمین جس پر ہم بستے ہیں، یہ فضا جس میں ہم سانس لیتے ہیں اور یہ کائنات جس سے ہم فیض یاب ہوتے ہیں سب اللہ کی امانت اور اس کے حکم کی پابند ہے۔ جب انسان ظلم کے خلاف بولنا چھوڑ دے، جب ضمیر پر مفادات غالب آ جائیں، جب قومیں طاقتوروں کو خوش کرنے کے لیے خاموش ہو جائیں تو تاریخ گواہ ہے کہ یہ زمینی کرہ اللہ کے غضب کا شکار ہوتا ہے۔

یہ غضب زلزلوں کی صورت میں بھی آ سکتا ہے، قحط، وبا، سیلاب، عالمی جنگ، اخلاقی انہدام اور مکمل تمدنی زوال کی شکل بھی اختیار کر سکتا ہے۔ اللہ کی یہ بھی سنت ہے کہ جب عذاب آتا ہے تو وہ صرف مجرموں کو نہیں پکڑتا بلکہ سب اس کی لپیٹ میں آتے ہیں۔ قدرت کے نظام میں دیر تو ہو سکتی ہے اندھیر نہیں۔ یہ زمین جس پر ہم بستے ہیں کسی قوم یا ملک کی ملکیت نہیں بلکہ ایک امانت ہے جو انصاف، عدل اور انسانیت کی بنیاد پر قائم ہے۔ جب یہ بنیادیں ہلا دی جائیں تو پھر زلزلے، وبائیں، جنگیں اور تمدنی زوال جیسے مظاہر سامنے آتے ہیں۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اجتماعی غفلت، ظلم پر خاموشی اور مفادات کی سیاست کا انجام بالآخر وسیع تباہی کی صورت میں نکلتا ہے اور وہ تباہی نہ قوم دیکھتی ہے، نہ سرحدیں، نہ مذہب اور نہ ہی نسل۔"

[روزنامہ نئی بات]

جنگ بندی اور امداد کی ترسیل کے لیے حماس کی کوششیں

گزشتہ مہینے حماس کی جانب سے امریکی یہودی کی خیر سگالی کی بنیاد پر رہائی کے بعد امید تھی کہ جنگ بندی کے لیے امریکہ اسرائیل کو مذاکرات کی میز پر لائے گا۔ امریکی صدر کے مشرق وسطیٰ میں خصوصی ایلچی سٹیو وٹکوف (Steve Witkoff) نے اسرائیل کی مفاہمت سے ایک عارضی جنگ بندی کا منصوبہ ترتیب دیا تاکہ حماس کے پاس موجود اپنے قیدیوں کو آزاد کروالیں۔ اس منصوبے کی تفصیلات میڈیا پر شئیر نہیں کی گئیں لیکن یہ منصوبہ حماس کو بھجوایا گیا۔ جس پر بہت غور و خوض اور دیگر جہادی تنظیموں سے مشاورت کے بعد حماس نے کچھ رد و بدل کے ساتھ اس منصوبے کو واپس وٹکوف کو بھیجا جن میں بڑی شرائط جو موجود نہیں تھیں رکھی گئیں:

۱. مکمل جنگ بندی اور اسرائیلی قابض فوج کا غزہ سے مکمل انخلا
۲. بغیر روک ٹوک کے غزہ میں امدادی سامان کی اقوام متحدہ کے زیر نگرانی ترسیل
۳. دس اسرائیلی قیدیوں کو جن میں سے ۵ کو معاہدے کے شروع میں اور ۵ کو آخری دن رہا کیا جائے گا اور ان کے بدلے ہزاروں فلسطینی قیدیوں کو بھی رہا کروایا جائے گا۔
۴. ۶۰ روزہ جنگ بندی کے آخر تک مکمل جنگ بندی کر دی جائے گی۔

حماس کی ان شرائط کو وٹکوف نے یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ حماس کی پیش کردہ شرائط ناقابل قبول ہیں۔

مڈل ایسٹ مانیٹر پر غزہ کے صحافی معتصم اے دلاؤل اس سیز فائر منصوبے سے متعلق لکھتے ہیں:

Israel seeks ceasefire that ensures release of its prisoners but retain Gaza genocide | Motasem A Dalloul

’’نیتن یاہو نے حماس کے جائز تحفظات کو مسترد کرتے ہوئے اس گروپ پر ’انکار پسندی‘ کا الزام لگایا ہے اور یرغمالیوں کی واپسی اور حماس کو شکست دینے کے وہی بار بار دہرائے جانے والے بیانات دیے، وہ بیانات جو بڑے پیمانے پر منافقانہ ہونے کے طور پر تنقید کا نشانہ بنتے رہے ہیں۔

نیتن یاہو اس بات کو نظر انداز کرتا ہے کہ حماس نے بارہا تمام اسرائیلی قیدیوں کی رہائی کی پیشکش کی ہے بشرطیکہ نسل کشی کا مستقل خاتمہ ہو۔ اسرائیلی نقطہ نظر کا خلاصہ درج ذیل انداز میں پیش کیا جا سکتا ہے:

- ۶۰ دن کے لیے نسل کشی روک دی جائے۔
- تمام اسرائیلی قیدیوں کی رہائی کو یقینی بنایا جائے۔
- قتلِ عام اور نسلی تطہیر دوبارہ شروع کر دی جائے۔

اسرائیل کا مؤقف نہ صرف نامعقول ہے بلکہ اخلاقی طور پر بھی اس کا کوئی دفاع نہیں کر سکتا۔ عالمی رہنماؤں کا اسرائیل کو ہتھیار اور سیاسی حمایت فراہم کرتے رہنا، ساتھ میں ۵۸ اسرائیلی قیدیوں کی رہائی کا بھی مطالبہ کرنا، لیکن اسرائیلی جیلوں میں قید ۱۴ ہزار فلسطینیوں کو یکسر نظر انداز کر دینا، جن میں بہت سے خفیہ قبرستانوں میں دفن ہو چکے ہیں، ایک عالمی سطح کی شرمناک صورتحال ہے۔

ان کی نیم دلانہ مذمت اور انسانی امداد کے کھوکھلے دعووں کے بعد عمل کچھ نظر نہیں آتا۔ وہ اس ظلم کو نسل کشی کا نام دینے سے بھی انکاری ہیں۔ اس کے بجائے، وہ ایٹمی ہتھیاروں سے لیس اسرائیل کی بقاء کو ایک ایسی مزاحمتی تحریک سے خطرہ ظاہر کرتے ہیں جو غیر قانونی قبضے کے خلاف سادہ ہتھیاروں سے لڑ رہی ہے۔

حماس کا مطالبہ، نسل کشی کے خاتمے کا، صرف اس تحریک تک محدود نہیں۔ یہ ہر فلسطینی اور دنیا کے ہر باضمیر شخص کا مطالبہ ہے۔‘‘

[Middle East Monitor]

جس طرح غزہ میں نیتن یاہو نے غزہ سے مسلمانوں کا مکمل صفایا کرنے اور غزہ کی سرزمین پر مکمل قبضہ کرنے کے منصوبے کا اعلان کیا ہے، اس متعلق وسعت اللہ خان سوئے ہوئے ضمیروں کو جگانے کے لیے لکھتے ہیں:

اگلے مرحلے کی مذمت تیار رکھیں | وسعت اللہ خان

’’گزشتہ ماہ اسرائیلی فوج نے غزہ کو مکمل فتح کرنے اور وہاں کی آبادی کو ختم کرنے یا جلاوطنی پر مجبور کرنے کے لیے ’’گیدون چیریٹ‘‘ کے نام سے فیصلہ کن آپریشن شروع کیا۔

منصوبے کے مطابق غزہ کی تمام آبادی کو جنوبی کونے میں جمع کیا جا رہا ہے۔ انہیں براہ راست خوراک تقسیم کرنے کا ڈھونگ رچایا جا رہا ہے تاکہ عالمی رائے عامہ کی آنکھوں میں دھول جھونکی جا سکے کہ اسرائیل غزہ کے انسانوں کو بھوکا نہیں مار رہا۔ ساتھ ہی ساتھ انھیں ’’رضاکارانہ‘‘ ہجرت کی راہ دکھائی جا رہی ہے۔ جو فلسطینی مختص علاقے کے سوا غزہ کے کسی بھی مقام پر پائے گئے ان سے دشمن سمجھ کے نمٹا جا رہا ہے۔ اس میں بوڑھے، بچے، خاتون کی کوئی تمیز نہیں۔

آپریشن ’گیدون چیریٹ‘ کے نام سے ہی اندازہ ہوتا ہے کہ فلسطینیوں سے وہی سلوک کیا جا رہا ہے جو تورات کی روایت کے مطابق نبی ساؤل نے جزیرہ نما سینا میں رہنے والے

دشمن قبیلے امالک سے کیا تھا۔ یعنی کوئی درخت، کوئی جانور، کوئی انسان رحم کے قابل نہیں۔

......ستائیس مئی کو غزہ میں نسل کشی کے عمل کو چھ سو دن مکمل ہو گئے۔ روزنامہ ٹائمز آف اسرائیل کے مطابق ان چھ سو دنوں میں امریکی مال بردار طیاروں کی اسلحے اور گولہ بارود سے لدی آٹھ سو پروازیں اسرائیل میں اتریں تاکہ نسل کش فوجی مہم متاثر نہ ہو۔

آخر کو اسرائیل غزہ کے ساتھ وہی کر رہا ہے جو سابقہ اور موجودہ امریکی حکومت کی خواہش ہے۔ تو پھر امریکہ کیوں نہ بروقت ایک ایک گولے، بم اور میزائیل کی کمی ہونے دے۔ غزہ کا مشن پایہ تکمیل تک پہنچانے کے بعد اگلا منصوبہ مغربی کنارے کو اسرائیل میں ضم کرنا ہے۔ دو روز قبل ہی اسرائیل نے مقبوضہ مغربی کنارے پر بائیس نئی یہودی بستیوں کی تعمیر کی منظوری دی ہے۔

اس کے بعد مسجدِ اقصیٰ کمپاؤنڈ کے نیچے آثارِ قدیمہ کی تلاش کے بہانے سرنگیں کھودنے کے پروجیکٹ کی تیز رفتار تکمیل کا منصوبہ ہے تاکہ مسجد کی بنیادیں اتنی کمزور ہو جائیں کہ عمارت ایک دن خود بخود اچانک ڈھے جائے۔ یوں اس مقام پر یہودیوں کا مقدس تھرڈ ٹمپل ڈیڑھ ہزار برس کے وقفے سے ظہور میں آسکے۔

مسلمان ممالک اگلے دونوں مرحلوں کے لیے کاغذی مذمت کا مسودہ پہلے سے لکھ رکھیں۔ ویسے سیکڑوں پرانے مسودوں میں نام اور تاریخ بدلنے سے بھی کام چل جائے گا۔"

[روزنامہ ایکسپریس]

غزہ کی صورتحال مسلمانوں کے لیے بالخصوص اور پوری انسانیت کے لیے بالعموم ایک لٹمس ٹیسٹ[2] (Litmus Test) ہے۔ ہر روز شہید ہوتے بچوں بوڑھوں اور جوانوں کی زندگیاں صرف تعداد اور اعداد و شمار نہیں ہیں، بلکہ ان میں سے ہر ایک کی زندگی کی کہانی منفرد ہے، چاہے وہ ڈاکٹر آلاء نجار ہوں کہ غزہ کے بچوں کو بچاتے بچاتے ان کے اپنے بچے اور شوہر شہید ہو گئے، چاہے وہ چھوٹی سی بچی ہند رجب ہو کہ جو اپنے خاندان سمیت شہید کر دی گئی جبکہ اسے بچانے آنے والے بھی ایمبولینس میں شہید کر دیے گئے۔ چاہے وہ نرم دل و شفیق خالد نبہان ہوں جن کی اپنی ایک داستان ہے، چاہے وہ معصوم سی بچی ورد ہو جو آگ سے گزر کر صرف اکیلی ہے بچ سکی اور بتانے لگی کہ میرے ماں باپ اور بہن بھائی اس آگ میں شہید ہو گئے۔ وہ ہزاروں بچے جو ان وحشت ناک حملوں میں بچ تو گئے لیکن اپنے جسمانی اعضاء سے محروم ہو گئے اور ان کے مستقبل کے خواب ان سے چھن گئے۔ یہ بچے صرف اعداد و شمار نہیں ہیں بلکہ ان میں سے ایک ایک کی زندگیاں مقدس و محترم تھیں۔ ان کے اپنے خواب تھے جنہوں نے زندہ رہ کر امت کا سرمایہ بننا تھا۔ لیکن ناپاک اسرائیلی منصوبوں کو پورا کرنے کے لیے ہماری آنکھوں کے سامنے خون کی یہ ہولی کھیلی جا رہی ہے اور ہمارے طاقتور خاموش تماشائی بنے بیٹھے ہیں۔

دریائے اردن کے مغربی کنارے پر فلسطینی علاقوں پر ناجائز قبضہ بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ صہیونی ناجائز ریاست نے مزید علاقوں پر قبضہ کرنے کے لیے ۲۲ نئی آبادکاریاں کرنے کا اعلان کیا ہے۔ لیکن کوئی ہیں جو اسے روک سکے؟ اسے کٹہرے میں کھڑا کر سکے؟ اٹھنے والے ان ۱۲ لوگوں کو دیکھ کر ہی کچھ شرم کر لیں جو فریڈم فلوٹیلا کا بحری جہاز خوراک اور بنیادی طبی امداد لے کر اپنی قسمت سے بے خوف غزہ کے ساحل کی طرف رواں دواں ہے کہ اب تو ان سے بھی بیٹھ کر یہ ظلم دیکھا نہیں جا رہا۔ اے ہمارے رب! ہمیں توفیق دے اپنے غزہ کو بچانے کی۔ اپنی مسجدِ اقصیٰ کو آزاد کروانے کی اس سے پہلے کہ بہت دیر ہو جائے! (آمین)

☆☆☆☆☆

بقیہ: اصلاحِ معاشرہ

اسی لیے فرمایا کہ جو توبہ نہیں کرتا وہی ناانصاف ہے، نہ اس نے اپنے حق کو سمجھا اور نہ دوسروں کے حق کا احساس رہا، اسی لیے کہا جا رہا ہے کہ ظالم تو یہی لوگ ہیں۔

علماء نے توبہ کی تین بنیادی شرطیں کتاب و سنت کی روشنی میں بیان کی ہیں:

۱. گناہ فوراً چھوڑ دے۔
۲. احساس ندامت پیدا ہو۔
۳. دوبارہ گناہ نہ کرنے کا عزم ہو۔

جو گناہ حقوق العباد سے متعلق ہیں، ان میں چوتھی شرط بھی ضروری ہے کہ اگر اس نے حق ادا نہیں کیا ہے تو ادا کرے، مثلاً کسی کی امانت اس کے پاس ہے، امانت رکھنے والا تقاضہ کر رہا ہے تو بغیر تاخیر کے ادا کر دے، میراث میں کسی اور کا بھی حق رہا ہے تو حساب لگا کر اس کا حصہ اس کو دیدے، کاروبار میں اگر شرکت ہے تو ہر شریک کو اس کا حق ملنا چاہیے، غرض ایک پیسہ بھی اگر دوسرے کا اپنے مال میں شامل ہو گیا تو وہ گویا قطرۂ نجس ہے جو پورے مال کو نجس کر رہا ہے، جتنی جلد ممکن ہو اس کو صاحبِ حق تک پہنچا کر اپنے مال کو پاک کر لیا جائے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

---

[2] لٹمس ٹیسٹ (Litmus Test) ایک کیمیائی ٹیسٹ ہے جہاں لٹمس پیپر کے رنگ کی تبدیلی کی خاصیت فوری طور پر معلوم ہو جاتی ہے۔ بطور محاورہ اس کا مطلب ہے کسی کی صداقت یا نوعیت جانچنے کے لیے ایک فیصلہ کن معیار یا ٹیسٹ۔

مغلوبِ گماں تو ہے

محترمہ عامرہ احسان صاحبہ

اکیسویں صدی کا آغاز بڑی گھن گرج کے ساتھ مسلم دنیا پر نائن الیون کی آڑ میں، ٹوٹ پڑنے سے ہوا تھا۔ مسلمان، امریکی صدر بش جونیئر کی چنگھاڑتی دھمکیوں بھری تقاریر سے دبک کر رہ گئے۔ مسلمان دہشت گرد، جہاد دہشت گردی قرار پایا۔ اقوام متحدہ نے اس وقت امریکی لونڈی کا کردار ادا کرتے ہوئے پہلے افغانستان اور پھر عراق پر حملوں کی راہ استوار کی۔ شام نشانہ بنا اور عین غزہ کے سے حالات ۲۰۱۱ء کے بعد وہاں پیدا کیے گئے۔ اصطلاحات کی بوچھاڑ نے ہمیں دیوار سے لگا دیا۔ جمہوریت، روشن خیالی، اعتدال پسندی، آرٹ، کلچر، رواداری، ڈائیلاگ، برداشت (Tolerance) پڑھا سنا کر ہماری گویا گردن بھی دبوچ لی۔ اس دوران مغربی روشن خیالی اور برداشت کا عملی مظاہرہ مسلم دنیا نے مغرب میں ملکوں ملکوں دیکھا۔ شانِ رسالت ﷺ میں بدترین گستاخیوں اور قرآن پاک جلانے کے لامنتہا سلسلوں نے 'رواداری' اور برداشت کا عجب منظر دکھایا۔ ۲۰۲۱ء تک دنیا بدل چکی تھی۔ حملہ آور امریکی اتحادی فوجیں تابوت اٹھائے ایک ایک کر کے رخصت ہوئیں۔ پھر امریکہ کو بھی شکست خوردہ، امریکی جھنڈا لپیٹے واپس جاتے دیکھا گیا۔

۲۰۲۳ء میں ۷ اکتوبر طوفان الاقصیٰ شدید بگولوں کی صورت اٹھا اور دنیا ایک مزید نئے دور میں داخل ہو گئی۔ مظلوم فلسطینی ۱۹۴۸ء سے قابض اسرائیلی فوجوں کے ہاتھوں لامنتہا قتل وغارت گری اور مہاجرت، گھروں سے محرومی سہ رہے تھے۔ مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس اسرائیلی آہنی پنجے تلے تھے۔ اچانک دبے پسے فلسطینیوں کے غیر متوقع اقدام نے اسرائیل کو باؤلا کر دیا۔ اور اب پونے دو سال سے تمام بین الاقوامی اصطلاحات، قوانین، ادارے سبھی کچھ زیر و زبر ہو گیا۔ فلسطین پر ایٹمی حملے سے کہیں زیادہ اذیت ناک، ہولناک درندگی اور وحشت کا ارتکاب ہوا۔ مگر کہیں دہشت گردی کا ذکر نہ آیا۔ اسرائیل لاشیں بھنبھوڑ کر، انہیں اعضاء سے محروم کر کے چیتھڑے ٹرکوں میں بھر کر پھینک گیا مگر وہ مہذب، روشن خیال، روادار، برداشت کا اعلیٰ نمونہ ہی رہا۔ وہی افغانستان پر سارا جدید اسلحہ آزمانے، جنازوں، باراتوں پر حملہ کرنے والے امریکہ نے اسرائیل کو اسلحے سے لاد دیا۔ ۲۳ لاکھ غزہ کی آبادی پر امریکہ، بڑے یورپی ممالک نے جو بارود کی فراہمی کے تسلسل سے قیامت برپا کی، اس نے پوری دنیا پر دہلا ڈالنے والے حقائق کھول دیے۔ مسلم ممالک تو ۲۰۰۱ء سے جو سہمے تو آج تک چپکے بیٹھے اللہ کے احکام بھلا کر جہاد کو دہشت گردی گردانتے کے خوف سے نہ نکلے! عقل کے اندھے بن کر امریکہ کی جی حضوری میں جو لگے تو نوبت یہاں تک آن پہنچی کہ اب خون آشام ٹرمپ پر اربوں ڈالر برسائے۔ اسلامی روایات روند کر غزہ کی عورتوں، بچوں کے قاتل کو اپنی قوم کی بیویاں، بیٹیاں میزبانی، دل بہلاوے کو پیش کر دیں۔ یہ ضرور ہے کہ اس حالیہ جنگ میں دنیا بھر کے عوام جاگ اٹھے ہیں۔ سوشل میڈیا پر خلقِ خدا شرق تا غرب سراپا دشنام طرازی ہے۔ مسلمانوں کی غیرت (بہت سے ممالک میں جبر کی بنا پر عملاً کچھ نہ کر پائے بھی تو) آتش فشاں کی طرح ابل ابل پڑتی ہے۔ مغربی و دیگر غیر مسلم ممالک کا خصوصاً باشعور طبقہ مظاہروں، تقاریر، تحریروں کے ذریعے حقائق کھول کر بیان کر رہا ہے۔ سبھی حکمرانوں کو منہ چھپانا پڑ تا ہے۔

اعلیٰ ترین یونیورسٹیوں میں کہرام مچا ہوا ہے۔ 'سلطانیٔ جمہور کا آتا ہے زمانہ' والی ایک نئی کیفیت پیدا ہو چکی ہے۔ بادشاہی اور فراڈ جمہوریت کا نقاب اتر چکا ہے جہاں عوام کی سرے سے کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اسلام غزہ کی بنا پر مقبولیت پا رہا ہے۔ جو اللہ کی حکمرانی تلے عوام کے تحفظ کا حقیقی نظام ہے۔ جبکہ سرمایہ دارانہ نظام سب پیسے کا کھیل ہے۔ عوام کو ٹیکسوں سے نچوڑا جاتا ہے۔ حکمران جمہوریت کے نام پر پیسہ لگا کر کرسیوں پر براجمان ہوتے اور اربوں میں کھیلتے ہیں۔ تعیش بھری اپنی زندگی اور ظلم و جبر بھری دنیا کے عوام کی زندگی میں آگ بھرنے اور زہر گھولنے کے ذمہ دار یہی ہر ملک کے فراعنہ اور نمارود ہیں۔

نہایت چابک دستی سے، 'عوام کی حکومت'، 'عوام کے ذریعے' کے جھانسے میں جمہوریت ایک نہایت مہنگا کھیل ہے۔ ۵ء۵ ارب ڈالر امریکی ۲۰۲۴ء کے انتخابات پر خرچ ہوئے۔ کمالا ہیرس کو ۵۶ فی صد بڑی مچھلیوں (رؤساء) سے حاصل ہوا جبکہ ٹرمپ کی ۶۸ فیصد مدد رؤسائے اعظم بشمول ای لون مسک سے حاصل ہوئی۔ سو کون سے عوام اور کیسی جمہوریت؟ دن پھرے ہیں فقط وزیروں کے، والی کہانی جو امریکہ میں ہے وہی ہماری بچہ جمہورا نام نہاد جمہوریت میں ہے۔ وہاں بھی سینیٹر اسی طرح کرسی تک پہنچتے ہیں۔ مثلاً امریکی سینٹر نے ۳۸ء۱ ارب ڈالر اپنے انتخابات کے لیے مہیا کیے، سو سرمایہ دارانہ نظام کی حکمرانی میں پیسہ بولتا ہے۔ تمام تر اصطلاحات اسی طرح کھل کر اندر سے کریہہ صورت سامنے ہیں۔ غزہ نے اخلاق و کردار کا گھناؤنا پن کھول کر رکھ دیا ہے۔ خود اہل غزہ، ایمان، اسلام، صبر و ثبات، حق کی پہچان دنیا کو دینے میں کامیاب ہو چکے۔ آخرت کو باذن اللہ کما ہی چکے۔ دنیا بھر میں کفر کے جھوٹے پراپیگنڈے طشت از بام کر دیے۔

نیتن یاہو اور اس کی درندگی پر دنیا دیوانی ہو کر رو اور کراہ رہی ہے۔ دلوں کا قرار سبھی عوام کا شرق تا غرب لٹ چکا ہے۔ گزرتے وقت، تمام تر سہولتوں کا غزہ سے مکمل چھن جانا، سب کے باوجود حیرت انگیز، دم بخود کر دینے والے صبر جمیل کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے نمونہ ہائے عمل دلوں کی دنیا میں فتوحات کے جھنڈے گاڑ رہے ہیں۔ بچوں کی ڈاکٹر آلاء النجار کا یک بیک وحشی اسرائیلی بمباری سے ۷ بچوں کی جلی ہوئی لاش وصول کرنا۔ ایک بچہ اور ڈاکٹر باپ جل کر زخمی

انتہائی نگہداشت میں داخل، دو بچے لاپتہ! مگر ڈاکٹر الاء، مکمل باپردہ حافظۂ قرآن زیرِلب قرآنی آیات، اللہ سے راز و نیاز کرتی بے مثل، باوقار صبر و ثبات، اللہ کی رضا پر راضی ہے۔ بہن نے اس سے کہا آلاء بچے چلے گئے ہیں۔ جواباً قرآن کی آیت سناتی ہے۔ ’(نہیں!) بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے حضور رزق پا رہے ہیں‘۔ نیتن یاہو اور مودی شکست خوردہ ہیں۔ فتح یابی مال و اسباب، اسلحے، فوجوں کی کثرت اور درندگی کی صفات کی فراوانی سے نہیں، اخلاق و کردار، رب کائنات پر ایمانِ کامل، صبر جمیل اور آخرت، حسنِ خاتمہ کی خاطر اپنا سب کچھ لگا دینا جھونک دینا اصل فتح ہے! اور اہل ایمان کے پاس ہر جگہ جذبے آج بھی زندہ و فراواں ہیں۔

سرمایہ داروں کا عوام کی خون پسینے کی کمائی اپنے عیش و عشرت اور فخر و تکبر پر لٹانا چند روزہ زندگی میں بھی تباہی لاتا ہے (یہودی شیرون اور اب بائیڈن پھیلے کینسر میں گھرا، غزہ پر موت برسانے میں شراکت کار) اور آخرت ہولناک بناتا ہے۔ یہاں ایک اور جلا ہوا فلسطینی باپ، جس کے بیوی بچے، والدہ سب شہید ہو گئے نیتن یاہو کی فوج کے شعلوں میں، قابل دید ہے۔ مسکرا مسکرا کر کہتا ہے۔ ’ایک باپ اپنی اولاد کو بہترین آرام دہ مستقبل دینے کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔ الحمدللہ میرے گھر والوں کو وہ مل گیا۔ اونچی جنتوں میں دائمی زندگی، میں بھی وہیں جاملوں گا!‘ یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے۔‘ مستقبل، مسلمانوں کے کھربوں پر ڈاکہ مار کر عالمی حکمرانوں کا اپنی حکومتوں، سیاستوں کی سیج سجانا نہیں ہے۔ حقیقی، اخروی مستقبل کی کہانی اہل غزہ سے پوچھو! یحییٰ سنوار کا چھوٹا سا گھر جس میں مہمانوں کی گنجائش بھی بمشکل تھی۔ جبکہ یحییٰ حکومت غزہ کا سربراہ تھا۔ جب متوجہ کیا گیا تو کہنے لگے: مہمانوں کے لیے دفتر حاضر ہے۔ میرا ایمان ہے کہ یہاں گھر جتنا چھوٹا ہو گا، آخرت کا گھر اتنا ہی بڑا ہو گا! اسی لیے یہ سب بے قرار رہتے ہیں اپنے اصل گھر جانے کو۔ ہم نے دنیا آباد اور آخرت برباد کر رکھی ہے سو آبادی سے ویرانے میں جانے سے گھبراتے ہیں! جدائی پر بین ڈالتے دھاڑیں مارتے ہیں۔ اہلِ غزہ جانے والوں پر مطمئن و پر سکوں شاداں و فرحاں رہتے ہیں! بات تو ایمان کی ہے!

پاکستان کو بھی اب ۳ روزہ جنگی جھڑپ کی کامیابی منائے چلے جانے سے نکل کر فوری مودی کے برے عزائم سے نمٹنے کی تیاری، اندرونی مسائل مدبرانہ، متحمل انداز میں سلجھانے اور رجوع الی اللہ کی ضرورت ہے۔ کامیابی اسی ذات سے وابستہ ہے! یہ امر نہایت افسوسناک ہے کہ اللہ کی غیر معمولی مدد سے ہم فتح یاب ہوئے اور ساتھ ہی ہم نے پی ایس ایل میں شرمناک، حیاسوز رقص و سرود سے اللہ کی ناراضگی مول لی۔ یہ غیر معمولی طوفان بلاسبب نہیں!

[یہ مضمون ایک معاصر روزنامے میں شائع ہو چکا ہے۔ مستعار مضامین مجلے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں۔ (ادارہ)]

☆☆☆☆☆

”

آج ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ ہمارے ممالک پر قبضہ کر رہے ہیں، ہمارے مقدسات کو پامال کر رہے ہیں اور ہمارے وسائل کو سکیورٹی معاہدوں کے نام پر لوٹ رہے ہیں۔ آزادیٔ اظہار کے نام پر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، ہمارے دین اور قرآنِ کریم کی توہین کر رہے ہیں۔ خصوصاً فلسطین میں، جہاں ہمارے مسلمان بھائیوں کی نسل کشی کی جا رہی ہے اور ان پر ہر لمحہ دل دہلا دینے والے مظالم ڈھائے جا رہے ہیں، ایسے مظالم جن کا تصور بھی مشکل ہے۔

یہ ظلم و ستم صرف بیانات، مظاہروں، مذمتوں اور نعروں سے نہیں روکا جا سکتا، بلکہ ان کی اس دشمنی اور اس ظلم کا مقابلہ صرف گولیوں کی گرج، چھریوں کے وار، بموں، کار بم دھماکوں اور ان کے ٹینکوں کو روندنے سے ہی کیا جا سکتا ہے!

فضیلة الشیخ ابراہیم القوصی
(خبیب سوڈانی)

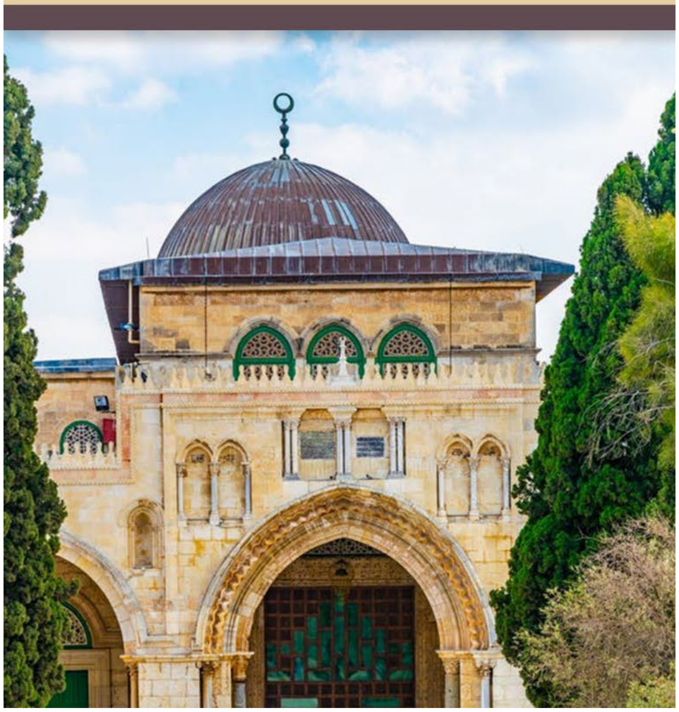

یہ غزہ ہے! یہاں زندگی اور موت کی جنگ جاری ہے!

(دوسری اور آخری قسط)

فضیلۃ الشیخ سیف العدل (محمد صلاح الدین زیدان)

اہداف اور ان سے تعامل

انقلاب اور تبدیلی کے لیے کچھ اہداف ہوتے ہیں جن کی بنیاد پر طویل المدتی حکمتِ عملیاں بنائی جاتی ہیں، اور ان پر عمل درآمد کے لیے ادارے، تنظیمیں اور ایسی جماعتیں کام کرتی ہیں جو اپنے کردار اور تبدیلی کے مراحل سے واقف ہوں۔ لیکن بڑے اہداف اُس وقت تک حاصل نہیں ہوتے جب تک چھوٹے اور درمیانے درجے کے اہداف پورے نہ ہو جائیں۔

دشمن کو اسلامی ممالک کی نعمتوں اور ذخائر سے محروم رکھنا از بس ضروری ہے، نہ ہم اُسے ایسی چیزیں فروخت کریں جو اس کی طاقت میں اضافہ کریں اور اس کے عسکری نظام کو مضبوط بنائیں، اور نہ ہی ان سے ایسی اشیاء خریدیں جو اس کی معیشت کو سہارا دیں۔

یہ وہ اہداف ہیں جن پر ہر غیرت مند مسلمان تاجر، کاروباری شخصیت، نوجوان اور باشعور جماعت اپنی استطاعت اور طاقت کے مطابق عمل کر سکتی ہے۔

ذہین و دانا لوگوں کے مضامین میں قلم کی روشنائی، اور فصیح و بلیغ خطباء، شعراء اور اہلِ زبان کی سخن گوئی، جو فاسدوں کو بے نقاب کرنے اور امت کا شعور بلند کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے، ایک دو دھاری تلوار کی مانند ہے۔

ایک طرف یہ دشمنوں کے حوصلے پست کرنے، ان کی طاقت توڑنے اور صفوں کو منتشر کرنے والی کاری ضرب ہے اور دوسری طرف یہ ہمارے حوصلوں کو بلند کرنے، ہماری صفوں کو مضبوط کرنے اور ہماری تحریک کو مضبوطی عطا کرنے والی توانائی ہے۔

اسی لیے فرمایا گیا:

> سیِّدُ الشهداءِ حمزةُ بنُ عبدِ المطّلبِ، ورجلٌ قام إلى إمامٍ جائرٍ فأمره ونهاه فقتله۔

> ”شہداء کے سردار حمزہ بن عبد المطلب ہیں، اور وہ شخص جو ظالم حکمران کے سامنے کھڑا ہو، اُسے نیکی کا حکم دے، برائی سے روکے اور پھر وہ (ظالم) اُسے قتل کر دے۔“

ہمارے چہروں کے تاثرات، احتجاجی مظاہرے، ہڑتالیں، اور اہم مقامات پر ہمارے دھرنے، یہ سب سول نافرمانی کے اہم اقدامات ہیں۔

اور ان کے لیے سب سے مؤثر جگہیں مساجد، جامعات، کارخانے، ریلوے سٹیشن، پبلک ٹرانسپورٹ کے ادارے، کمپنیاں، دیہی علاقے اور کھیت وکھلیان وغیرہ ہیں۔

ان تمام طبقات کی فعال شرکت، کرپٹ نظاموں کو گرانے میں کسی زلزلے سے کم اثر نہیں رکھتی۔

تاجر حضرات اور ہماری عوام کے لیے کم از کم درجۂ ایمان یہ ہے کہ وہ مغربی مصنوعات اور صہیونی کمپنیوں کا بائیکاٹ کریں، چاہے وہ کھانے پینے کی اشیاء ہوں، مٹھائیاں ہوں، مشروبات ہوں، کپڑے، ٹیکنالوجی، ایئر لائنز، گھریلو سامان، گاڑیاں، یا گھڑیاں وغیرہ ہوں۔

کسی بھی مسلمان کی کوشش کو چھوٹا یا بے وقعت نہیں سمجھنا چاہیے، کیونکہ انفرادی کوششوں نے ہمیشہ سے سیاسی نقشے بدلے ہیں اور اندھیرے حالات کو روشنی میں بدلا ہے۔

انسان کی سب سے بڑی طاقت اس کی قوتِ ارادہ اور تبدیلی کی خواہش ہوتی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ تاریخ نے ایسے لوگوں کے ناموں کو ہمیشہ کے لیے زندہ رکھا، انہیں نمونۂ عمل بنایا، اور لوگ آج تک ان کے راستے پر چلتے ہیں۔

ان کی اخلاقی سیرت، جہادی بہادری، فدائیت اور قربانیاں ایسی داستانیں بن چکی ہیں جو لوگوں کے حوصلے بلند کرتی ہیں۔

چاقو، ماچس کی تیلی، پستول، پٹرول بم (Molotov Cocktail)، یہاں تک کہ ایک پتھر، یہ سب ایسے مؤثر ہتھیار ہیں جو دشمن کے نظام کو ہلا کر رکھ دیتے ہیں۔ بشرطیکہ انہیں ایک بہادر دل اور مضبوط ہاتھ سنبھالے۔

۱۱ ستمبر کو انیس مجاہدین نے اور ان کے پیچھے موجود تجارتی ذرائع نے عام وسائل کو مہلک ہتھیاروں میں بدل دیا۔ پرانی کہاوت ہے:

> ”تلوار کی ضرب کا دارومدار اس کے تھامنے والے ہاتھ پر ہوتا ہے۔“

جہاں کہیں بھی صہیونی دشمن کے کسی مفاد پر حملہ ہو گا، وہ تبدیلی کی چنگاری بنے گا، آزادی کی طرف لے جائے گا اور دنیا بھر کے مظلوموں کو اس شمالی دنیا میں بیٹھے ظالم صہیونی کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کا حوصلہ دے گا۔

ضروری ہے کہ ہم صہیونی معیشت سے جڑی ان تمام چیزوں کو نشانہ بنائیں جن تک رسائی ممکن ہو۔ چاہے وہ کمپنیاں ہوں، افراد ہوں یا ریاستیں، چاہے وہ مفادات یہودیوں کے ہوں، امریکیوں، برطانویوں، فرانسیسیوں یا پھر جن سے جرمن بھگوڑوں کے مفادات وابستہ ہوں۔

صہیونی مفادات اور کمپنیوں کو نشانہ بنانا ہمیں دشمن کے کمزور اتحادیوں پر حملہ کرنے سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ ایسے مؤثر حملے ان کے یہود نواز تعاون کو محدود کرتے ہیں اور انہیں اپنے ممالک کے اندر جنگ کے مخالف عوام کے ساتھ اندرونی کشمکش میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ ایسے اہداف کو نشانہ بنایا جائے جو عوام کو حکومت گرانے پر متفق کر دیں۔

اور اس (ظلم و جارحیت) کے مقابلے میں سستی اور خاموشی اختیار کرنا اُن مسلمانوں اور مظلوموں کے حق میں ایک گناہ ہے جو (اس ظلم کو روکنے کی) قدرت اور استطاعت رکھتے ہیں، کیونکہ یہودیوں نے کسی چیز کو نہیں بخشا، انہوں نے بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو قتل کیا، ہزاروں مساجد کو مسمار کیا، اور پورے علاقے کو تباہ و برباد کر دیا (مثلاً: ہسپتال، مکانات، سرکاری دفاتر وغیرہ) اس سب نے ہمارے ذہنوں سے حدود اور قیود کو ختم کر دیا ہے، اب کوئی سرخ لکیر باقی نہیں رہی جو ہمارے ردِ عمل کو روک سکے۔

اب ان صہیونیوں سے متعلق ہر چیز ہمارے اہداف میں شامل ہے اور ہر وہ جگہ جہاں ایک غیرت مند مسلمان، جو اپنے رب، اپنے دین، مسلمانوں اور ان کے مال و جان سے محبت رکھتا ہو، پہنچ سکتا ہے، وہ نشانہ بن سکتی ہے۔ اور بدلے کے اصول کے تحت اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ ۖ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ ۝ (سورۃ النحل: ۱۲۶)

”اور اگر تم کسی سے بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جس قدر تمہیں ستایا گیا اور اگر تم صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔“

یہ قبیلہ (یہود) اللہ کی طرف سے تتر بتر ہونے کا شکار ہے، اور ان کا کوئی بھی اجتماع فنا کے مقدر سے بچ نہیں سکتا، چاہے وقت جتنا بھی طویل ہو یا مختصر۔ ہمیں اپنی جذباتیت کے ذریعے یہ دھوکہ نہیں کھانا چاہیے کہ ان کا نسب اللہ کے نبی اور خلیل ابراہیم علیہ السلام تک جاتا ہے، کیونکہ نبی اللہ ابراہیم ﷺ کے تیرہ بیٹے تھے، اور انہوں نے اپنی اولاد کے لیے دعا بھی کی تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ ۖ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۖ قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي ۖ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ۝ (سورۃ البقرۃ: ۱۲۴)

”اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا تو اس نے انہیں پورا کر دکھایا۔ اللہ نے فرمایا: میں تمہیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ ابراہیم نے کہا: اور میری اولاد میں سے بھی؟ اللہ نے فرمایا: میرا عہد ظالموں تک نہیں پہنچتا۔“

اللہ کے نبی اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے یہود ہیں، اور یہ وہ گروہ ہے جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا، اور اللہ نے ہمیں ان سے خبر دار کیا۔ جیسا کہ فرمایا:

لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا ۖ وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُم مَّوَدَّةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۝ (سورۃ المائدۃ: ۸۲)

”یقیناً تم ایمان والوں کے لئے سخت ترین دشمن یہود اور مشرکین کو پاؤ گے اور تم مومنوں کے لئے دوستی میں ان لوگوں کو قریب تر پاؤ گے جو کہتے ہیں ہم نصاری ہیں، یہ اس لئے ہے کہ ان میں کچھ علماء اور عابدین ہیں وہ تکبر نہیں کرتے۔“

اللہ نے ان پر بحیثیتِ قبیلہ حکم کا اطلاق فرمایا ہے، اور آخری زمانے میں اللہ تعالیٰ خود پتھروں اور درختوں کو ان کے خلاف اُبھارے گا تاکہ وہ ان کو اپنے پیچھے چھپنے نہ دیں (اور یہ قتل کیے جائیں)۔ اللہ کے فیصلے سے ان کے لیے کوئی نجات نہیں، کیونکہ وہ دن ضرور آئے گا جب پتھر اور درخت بھی ان کے جرائم، ان کی سازشوں، ان کے مکر، ان کی اللہ اور انسانوں کے خلاف جرأت و مظالم اور زمین کو برباد کرنے والے فساد کے گواہ بنیں گے۔

صنعت سازی

پولیس ریاستوں (Police States: وہ ممالک یا ریاستیں جہاں پولیس یا خفیہ ایجنسیاں لوگوں کی زندگی پر مکمل کنٹرول رکھتی ہیں) میں اسلحہ، گولہ بارود، دھماکہ خیز مواد اور حتیٰ کہ ڈرونز خریدنا مشکل ہو سکتا ہے، لیکن جہاد کے مختلف آلات کی تیاری کے بارے میں معلومات حاصل کرنا آسان ہے، اور ذہین دماغ کچھ عام آلات کو جدید ہتھیاروں میں تبدیل کر سکتے ہیں۔

اور الحمدللہ، ہماری امت کے بیشتر افراد جو بلند حوصلے والے ہیں وہ عذر تراشنے کے بجائے، محنت کرتے ہیں تاکہ عالمی فیصلہ سازی میں قیادت کو پھر سے حاصل کریں اور انسانیت کو صحیح راستے پر گامزن کر دیں۔ اس کے علاوہ، وہ اپنی تخلیقی صلاحیتوں کے ذریعے اگلی نسلوں کو متاثر کرتے ہیں، خاص طور پر جنگی صنعت کے شعبے میں۔ ان میں سب سے آگے وہ لوگ ہیں جنہوں نے (الیاسین ۱۰۵) راکٹ تیار کیے اور شدید محاصرے میں ہونے کے باوجود یہ راکٹ یہودی ٹینکوں پر گرائے۔ وہی یہود جنہیں ہمارے حکام کی طرف سے مدد اور خوشی کے پیغامات دیے جا رہے ہیں، جو جہل کا سہارا لیتے ہیں اور ہر عذر تلاش کرتے ہیں تاکہ اپنی قوم کو یہ باور کروا سکیں کہ وہ دشمن کے خلاف لڑنے اور فلسطین اور دیگر مقامات کے لوگوں کی مدد کرنے میں

ناکام ہیں۔ اگر وہ اپنے وسائل کو جنگی صنعت کی تیاری میں صرف کرتے، بجائے اس کے کہ وہ انہیں تفریحی اور اخلاقی فساد پر خرچ کرتے، جیسا کہ ابنِ سلمان اور ترکی آلِ شیخ کی جوڑی، ان پر اللہ کی لعنت ہو، تو امت زیادہ باہدف اور طاقتور ہوتی، امت دشمنوں کے دلوں میں زیادہ رعب و دبدبہ رکھتی، جو کچھ آپ کے بھائی غزہ کے علاقے میں جنگی صنعت کے حوالے سے کر رہے ہیں، وہ ہم سب کے لیے ایک تحریک وترغیب ہے تاکہ ہم ان کے نقش قدم پر چلیں۔

اور آج امت کے تمام افراد کے لیے ہر ملک میں اسلحہ، آلات اور وسائل تیار کرنے اور ذخیرہ کرنے کا موقع دستیاب ہے تاکہ وقت آنے پر انہیں کام میں لایا جائے، اللہ تعالیٰ تعمیرات کے شعبے میں روشن ستارے مگر ناخواندہ محمد بن لادن، شیخ اسامہ رحمۃ اللہ علیہ کے والد، کو جزائے خیر عطا فرمائے، جنہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے دس ملین ڈالر جمع کیے، اور جب افغانستان میں جہاد کی پکار دی گئی، تو یہ دس ملین سب سے پہلے مجاہدین کے لیے پیش کر دیے۔

اسلحے کا ذخیرہ

آج تک انفرادی سطح پر اسلحہ اور اس کی ذخیرہ اندوزی کے لیے وسیع مواقع موجود ہیں، اور یہ مواقع بغیر کسی تاخیر کے ہر مردِ حر شخص کو خریدنے چاہئیں تاکہ وہ باغیوں کو روک سکے، چاہے وہ مجرم ہوں یا فاسد سکیورٹی اہلکار یا ظالم حکومتوں کے حکام۔ اور سب سے اہم یہ ہے کہ یہ ایک قدم ہے ایک مسلح امت کی جانب۔ اگر حکومتیں اپنے عوام کی واقعی دیکھ بھال کرتیں تو ان کا سب سے اہم کام اپنے عوام کو مسلح کرنا ہوتا۔ میری رائے میں، جو چیز دشمنوں کو اسلامی عقیدہ کے بعد سب سے زیادہ خوفزدہ کرتی ہے وہ ایسا اسلحہ ہے جو مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہو۔ اس لیے دشمنوں کی سب سے پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ہمارے ہاتھوں سے اسلحہ چھین لیا جائے، ہمارے ممالک کو فوجی ساز وسامان کی تیاری سے روکا جائے، اور تکنیکی ترقی کی کسی بھی کوشش کو ناکام بنایا جائے، ان کے دباؤ اور مطالبات کے ذریعے جو مسلمانوں کے حکام اپنے آقاؤں کے کہنے پر پورا کرتے ہیں، تاکہ مسلمانوں کا عروج نہ ہو اور وہ زیادہ سے زیادہ وقت تک کمزور رہیں۔

لہٰذا اسلحہ، گولہ بارود اور جنگی وسائل خریدنا اور انہیں استعمال کے وقت تک ذخیرہ کرنا ضروری ہے، اور جو لوگ اس میں دلچسپی رکھتے ہیں وہ انٹرنیٹ پر اسلحہ اور گولہ بارود کو ذخیرہ کرنے اور ان کی دیکھ بھال کرنے کے بارے میں بہت ساری مفید معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ اور ہمارے پاس اپنی امت کے ایسے ہنر مند محنت کش افراد موجود ہیں جو مصنوعی دیواریں (false walls)، خفیہ کمرے، اور زیرِ زمین چھپنے کی جگہیں بنانے میں ماہر ہیں۔ اور اگر یہ ذخیرہ زیرِ زمین ہو تو وہاں کچھ سادہ سے امور ہیں جو ذخیرہ کو نمی یا زیرِ زمین پانی سے بچانے کے لیے ہوتے ہیں۔

یہ علوم اور مہارتیں امت کے تمام افراد کے لیے ضروری ہیں، خاص طور پر ان لوگوں کے لیے جو تبدیلی کی کوشش کر رہے ہیں، اور اس شعبے میں محنت اور جتن کو تبدیلی کے لیے پیش خیمہ کی حیثیت حاصل ہے۔

یقیناً اسلحہ، گولہ بارود اور عسکری ساز وسامان کا مالک ہونا، ان کو ذخیرہ کرنا اور ان کے ذخائر کو محفوظ بنانا اور ان کی تیاری اور ترقی پر محنت کرنا، یہ تصادم کا بنیادی محور ہے۔ اور صہیونیت نے ہمارے مقابلے میں یہ فائدہ اٹھایا ہے کہ ان کے پاس لوہے، آگ اور ٹیکنالوجی کی طاقت ہے اور انہوں نے اس بات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمیں فوجی اور سیاسی طور پر اپنے کنٹرول میں لے لیا ہے کیونکہ مسلم اقوام کے ہاتھوں میں اسلحہ نہیں ہے۔

بزرگانِ دین فرماتے ہیں:

”یہ تعجب کی بات نہیں کہ جو ہلاک ہوئے وہ کیونکر ہلاک ہوئے، بلکہ تعجب کی بات یہ ہے کہ جو بچ گئے وہ کس طرح بچ گئے۔“

انہوں نے نجات کے تصور کو اس کے اصل جوہر میں نئے سرے سے ترتیب دیا۔ کیونکہ جنت والے وہی ہیں جنہوں نے دنیا میں اپنے رب کی رضا کے لیے محنت کی اور صرف وہی لوگ جہنم کے ہلاکت سے بچیں گے۔ چاہے دنیاوی زندگی طویل ہو یا مختصر، ہمارا انجام موت ہے، اور ہر دن جو گزرتا ہے وہ ہمیں اس کے قریب لے جا رہا ہے۔ چاہے ہم چاہیں یا نہ چاہیں۔ اور اصل کامیاب وہ ہے جو دنیا کو آخرت کے لئے استعمال کرتا ہے۔

کامیابی کا مفہوم

”اہم بات یہ ہے کہ آپ اپنے عمل کے ذریعے بچ جائیں یا اپنی جان بچا کر نکل جائیں۔“

اسی مفہوم کے ذریعے انسان اور اس کی عقل و فہم کو مسخ کیا گیا اور اس پر عار کی چادر اوڑھائی گئی۔ نجات کوئی مقصد نہیں ہے، حقیقی مقصد حق کا قیام ہے، اور اس کے قیام کے لیے قربانی اور فدائیت راستہ ہیں، اور عزت اس کا پھل اور انعام اللہ کی طرف سے ہے، اور اسی صداقت کی بدولت تمام لوگ نجات پائیں گے۔

مفاد پرستی جو دوسروں کی تکالیف کے بدلے میں حاصل کی جائے، وہ کسی بھی وائرس سے بدتر بیماری ہے اور یہ بزدلوں کا طریقہ کار ہے۔ کیونکہ اس طرح ہر ممکن طریقے سے اپنے بچاؤ کے لئے کوشش کرتے ہیں، یہ جانے بغیر کہ دوسروں کی درد و آلام کو محسوس کیا جائے، ان کے لئے ذریعے و وسیلے کے بجائے مقصد اہم ہوتا ہے، اور وہ مقصد ان کے لیے نجات کے نام پر دھوکہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو، اپنی زبانوں کو، قلموں کو اور جسموں کو قابض اور ظالموں کے

ہاتھوں فروخت کرتے ہیں، تاکہ وہ زندگی کی تکالیف سے بچ جائیں۔ وہ دنیا میں ذلت اور آخرت میں ہلاکت خریدتے ہیں۔ یہ خود پرستی ایک ایسا داغ ہے جو کبھی مٹایا نہیں جا سکتا، اور اس سے بچنا ممکن نہیں ہے۔ اور جس پر یہ داغ لگ جائے، وہ خود ختم ہو جاتا ہے اور اس کی نسل ہی مٹ جاتی ہے، تو کیا یہ بات بزدل سمجھ سکتے ہیں؟

ردِ عمل

کسی بھی حملے یا زیادتی کا بدلہ کسی بھی طریقے سے لیا جا سکتا ہے، اس کی کوئی حد نہیں، اور ہر دشمن کے لیے کوئی نہ کوئی چیز ضرور ہوتی ہے جو اسے روک سکتی ہے۔

کسی دور میں، خنجر اور تلوار مؤثر ہتھیار تھے، جب "حشاشین" نے انہیں حکمرانوں اور امراء کی گردنوں پر رکھ کر استعمال کیا۔

ایک اور زمانے میں، ایٹم بم ایک ہولناک ذریعۂ دہشت ثابت ہوا، جب ان بموں سے اُس جاپان کے شہر تباہ کیے گئے جو آج ان حملہ آوروں کا اطاعت گزار اور ذلیل خادم ہے۔

ہر زمانے میں تمہیں کچھ نہ کچھ ایسا ضرور ملے گا جس سے تم دشمنوں کو ڈرا سکو، اسے جرأت سے استعمال کر کے ان کی طاقت کو ناکام بنا سکو، میدان پر قابو پا سکو، اور ان کی قوت کا خاتمہ کر سکو۔

جہاں تک دشمن کو نیست و نابود کرنے کی بات ہے تو یہ اسی وقت کیا جا سکتا ہے جب دشمن کو روکنے والا اور زک پہنچانے والا اسلحہ کسی کی ملکیت میں ہو اور اسے استعمال کرنے کی جرأت بھی ہو۔

دشمن پر کنٹرول: یہ اپنی عوام کو تعلیم دینے، تربیت دینے اور اسلحہ فراہم کرنے سے حاصل ہو گا۔

اور دشمن کی فوج کا خاتمہ: یہ صرف حملہ کرنے سے ہی ممکن ہے، اور حملہ ہی واحد طریقہ ہے۔

ہم یہ سب کچھ اپنے دین، ثقافت، ورثے، اور اسلامی اقدار و روایات کی طرف واپس لوٹ کر ہی حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کے بغیر ہم ہر کھانے والے کے لیے تر نوالہ بنتے رہیں گے۔

مسلح قوم ہماری زمین پر، دشمن کی گہرائی میں الگ تھلگ بھیڑیے، اور اس کی سرزمین پر آپریشنز کے سیلوں کا قیام، مجاہد گروہ اور تنظیمیں اور ان کی نوعیت کی کارروائیاں، سیاسی شخصیات کے ہدفی قتل کی کارروائیاں، اور عصر حاضر کی ٹیکنالوجیوں کو تباہ کن ہتھیاروں میں تبدیل کرنا، اور اسٹریٹجک اہداف پر خودکش آپریشنز، دھماکہ خیز مواد کی طاقت کا بہترین استعمال، یہ سب دفاعی ہتھیار ہیں جو دشمن کی مؤثر کارروائی کو محدود کرتے ہیں، اسے ڈراتے ہیں اور اس کی امیدوں پر پانی پھیر دیتے ہیں۔

ہماری قوم جب تک مسلح رہے گی، جو پُرعزم ہے، نہ وہ ہتھیاروں کے سامنے ہارے ہیں اور جب تک وہ ہتھیار اٹھاتی رہے گی اور جب تک وہ ان ہتھیاروں کے ذریعے اللہ کی راہ میں ہر میدان میں جہاد کرتی رہے گی تو ان شاء اللہ، فتح ہمیشہ ہماری ہو گی۔

اگر قصاب (نیتن یاہو) جنگ کے خاتمے کے بعد کچلا گیا، تو بائیڈن، اس کے پیروکار اور اس کے کئی ڈیموکریٹ ساتھی ذلت کا شکار ہوں گے، ان کے اموال ضبط کر لیے جائیں گے، اور انہیں ٹرمپ کو للکارنے والوں کے لیے نشانِ عبرت بنا دیا جائے گا۔ بائیڈن کے پاس آئندہ انتخابات سے پہلے ٹرمپ کو قتل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں بچے گا۔[1]

اس وقت ریاست ٹیکساس، جو آزادی کی خواہاں ہے، کو ہم خیال ریاستیں ملیں گی اور امریکی مغرب کا افسانہ ختم ہو جائے گا، اور ہم کبھی دوبارہ "امریکیوں" کا ذکر نہیں سنیں گے۔ جیسے کابل کی کٹھ پتلی حکومت امریکیوں کے افغانستان سے انخلا کے ساتھ ہی بھاگ گئی تھی، ویسے ہی صہیونی ریاست اسلامی یلغار کی بھٹی میں پگھل جائے گی اور اس وقت ہمیں امن و سلامتی نصیب ہو گی۔

یہ ایک تباہ کن جنگ ہے۔ اس میں وہی بچے گا جو دشمن کے حملے کو ناکام بنانے، اس کے زخم کو مزید گہرا کرنے، میدان پر قابو پانے اور آخرکار دشمن کی فوج کو ختم کرنے کی تیاری خوب کرے گا۔ اُس وقت، اور اُس سے پہلے اور بعد بھی، اسلام کی دعوت کے دروازے کھلے رہیں گے، اور دعوت کے میدان کو کسی حال میں بند نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ ہم ایک ایسے زمانے میں ہیں جس کی پہچان ہی رابطے اور ہر ایک تک رسائی (دعوت) ہے۔

ہر دور کے دانا لوگ مناسب انداز میں پسپائی یا انخلا کی حکمتِ عملی تخلیق کرتے ہیں، لیکن یہودیوں کے ساتھ معاملہ اور فلسطین کی آزادی کے لیے بہترین حکمتِ عملی وہی ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے قبول کیا اور جس کی تائید فرمائی، جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں فیصلہ کیا:

> تُقتل مقاتلتهم، وتُسبى ذراريهم، وتُقسم أموالهم" فقال النبيﷺ: "لقد حكمت فيهم بحكم الله من فوق سبعة أرقعة۔
>
> "ان کے جنگجو قتل کر دیے جائیں، ان کی عورتیں اور بچے قیدی بنائے جائیں، اور ان کے اموال تقسیم کیے جائیں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم

[1] شیخ سیف العدل نے یہ سطور ایک سال قبل تحریر کی تھیں۔ (ادارہ)

نے ان کے بارے میں وہی فیصلہ کیا جو اللہ کا فیصلہ ہے جو ساتوں آسمانوں سے اوپر سے آیا ہے۔"

زندگیاں بچانے والوں اور موت بانٹنے والوں کے درمیان فرق بہت بڑا ہے۔

اہم نکات

صہیونی صلیبی قوتوں کے ساتھ ہم آہنگی میں کسی بھی عسکری کاروائی کو روک دینا دراصل ایک طرح سے غیر مشروط طور پر شکست کھانے کا اعتراف ہے، کیونکہ طاقتور ہی غالب آتا ہے، اور ایک میان میں دو تلواریں جمع نہیں ہو سکتیں۔ یہ عقیدہ نہ صرف مسلمانوں کا ہے بلکہ مغرب بھی اسی پر یقین رکھتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مسلمان دوسروں کو سوچنے اور انتخاب کا موقع دیتے ہیں، جبکہ دوسرا فریق، اس کی وابستگی کسی سے بھی ہو صرف اور صرف نیست و نابود کرنے کی کوشش کرتا ہے اور صرف نابودی ہی اس کا ہدف ہے۔ اس پر بے شمار تاریخی شواہد موجود ہیں اور مسلمانوں اور صہیونیت کے درمیان یہ جنگ جاری رہے گی، جب تک کہ اس سے نکلنے کے لیے کوئی واضح حکمتِ عملی نہ اپنائی جائے، جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔

اس تصادم میں پہلا قدم یہ ہے کہ مغرب کو ہماری ان دولتوں تک رسائی سے روک دیا جائے جن کی بنیاد پر وہ ہم پر شیر بن کر حملہ آور ہوتا ہے۔ چونکہ کٹھ پتلی حکومتیں کچھ نہیں کریں گی، لہٰذا عوام کو خود دولت کے سرچشموں، معدنیات کے مراکز اور تجارتی راستوں اور بحری گزر گاہوں پر قابو پانا ہو گا چاہے اس کے لیے کانیں اور کنویں بند کرنے پڑیں، یا سمندری راستے روکنے پڑیں۔

مسلمانوں اور مغربی ممالک میں بسنے والے کمزوروں پر ایک عظیم ذمے داری عائد ہوتی ہے، اور وہ ہے دشمن کے اسلحہ سازی کے کارخانوں کو بند کرنا۔ انہیں چاہیے کہ وہ اپنے حملوں میں دشمن کے ان کارخانوں کو نشانہ بنائیں جو مغرب میں قائم ہیں اور جو ہماری لوٹی ہوئی معدنیات سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ان میں سرفہرست فرانس کے وہ کارخانے ہیں جو ہمارے مغربِ اسلامی کے خطوں سے لوہا چوری کر رہے ہیں اور ان کے جوہری ری ایکٹرز کو بھی خطرے میں ڈالنا ضروری ہے، کیونکہ وہ بھی افریقہ میں مسلمانوں کی زمینوں سے لوٹے گئے یورینیم پر چلتے ہیں۔

غزہ کی جنگ سے جو اسباق حاصل ہوئے ہیں، ان میں ایک اہم سبق یہ ہے کہ دشمن کا زیادہ سے زیادہ خون بہایا جائے اور مستقبل میں دشمن افراد کو قیدی بنانا محدود کر دینا چاہیے۔ کیونکہ قیدی نہ تو کبھی دشمن کو باز رکھنے والا ہتھیار بنے ہیں اور نہ ہی بن سکتے ہیں۔ یہودیوں نے سب کچھ تباہ کر دیا اور انہیں یقین ہے کہ مسلمان ان کے قیدیوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے، کیونکہ اسلام ہمیں اس سے روکتا ہے۔ لیکن اسلام ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ دشمن کا خوب خون بہانا قیدی بنانے سے زیادہ اہم ہے، کیونکہ قیدی تو فتح کے بعد مالِ غنیمت کے ساتھ حاصل کیے جاتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ۭ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ڰ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○(سورۃ الانفال: ٦٧)

"کسی نبی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ اُس کے پاس (جنگ میں) قیدی ہوں، جب تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح خونریزی نہ کر لے۔ تم دنیا کا سامان چاہتے ہو، جبکہ اللہ آخرت چاہتا ہے اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔"

اگر اگلے دن صبح کو صہیونی اتحاد (یعنی امریکہ، برطانیہ، یہود، فرانس، اور مسخ شدہ جرمن) نے اپنے مقاصد جنگ میں حاصل کر لیے، تو وہ ایک جنگی اجلاس منعقد کریں گے تاکہ دنیا پر مکمل کنٹرول کے لیے اپنی حکمتِ عملی نافذ کریں۔ اس میں ان کا پہلا ہدف عالمِ اسلام ہو گا اور اس کے بعد باقی غیر مسلم اقوام۔

لہٰذا ہم، ایک کمزور امت کے طور پر، یہ فیصلہ کریں کہ صہیونیت کے خلاف معرکہ اسی رات سے شروع کر دیا جائے، تاکہ اگلی صبح کا آغاز ہم تیاری سے کریں، اور پھر باقی پورا دن ہم اس جدوجہد کے ثمرات کی خوشی منا سکیں۔

تعزیت اور خوشخبری

الفاظ اس قابل نہیں کہ اس شدتِ غم کا اظہار کر سکیں جو ہمیں اپنے اہلِ غزہ و فلسطین کے لیے محسوس ہوتا ہے اور ان تمام لوگوں کے لیے جو مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم سے غمزدہ ہیں۔

لیکن بعض اوقات بے بسی کی طاقت، طاقت کی بے بسی سے بھی زیادہ کاری ضرب لگاتی ہے۔

جو کچھ غزہ میں ہو رہا ہے ان شاء اللہ وہ محض ایک واقعہ نہیں، بلکہ اس کے اثرات دنیا بھر پر مرتب ہوں گے، عالمی سطح پر، اُمّت مسلمہ اور تمام اقوام و معاشروں کی سطح پر بھی مرتب ہوں گے۔

وہ نوجوان نسل جو مغرب اور صہیونیت کے فاسد ہتھکنڈوں سے محفوظ رہ گئی ہے، وہ تبدیلی اور انقلاب کی ہواؤں میں لپٹی ہوئی آ رہی ہے، تاکہ ایک ایسا مستقبل تعمیر کریں جو انسانیت پر مبنی ہو، زیادہ با اخلاق ہو اور زیادہ جانثاری کے جذبات سے لبریز ہو۔

اے اہلِ غزہ و فلسطین! اور اے دنیا کے تمام مخلصو!

تمہاری قربانیاں رائیگاں نہیں جائیں گی۔

تم تاریخ کی سب سے اہم جنگ میں کامیاب ہو چکے ہو اور وہ انسان و انسانیت کی تعمیرِ نو کی جنگ ہے۔

اور مجھے، ان شاء اللہ، یقین ہے کہ غزہ کے واقعات مغربی استعمار، صلیبیت اور صہیونیت کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوں گے اور دنیا جلد ہی ان کے فساد اور گمراہی سے آزاد ہو جائے گی۔ مغرب اور صہیونیت نے گزشتہ کئی صدیوں میں انسانیت کی قیادت کرنے کا بھرپور موقع پایا، لیکن وہ اس میں مکمل طور پر ناکام ہوئے۔ انسانی فلاح اور ترقی کے بجائے، مغربی نمونہ ایک خود غرض اور موقع پرست انقلاب بن گیا، جس نے دنیا بھر میں انسانی اقدار اور اخلاقی اصولوں کو پامال کیا۔

مغرب اور صہیونیت نے تمام صحیح اور حقیقی انسانی ورثے کو ختم کر ڈالا اور انسانیت سے ان کا انتقام ابلیس اور اس کی نسل کی تمام کوششوں سے زیادہ سخت اور شدید تھا۔ حقیقت میں انہوں نے اپنے مظالم میں اس قدر تجاوز کیا کہ ابلیس جو کچھ نہ کر سکا، وہ انہوں نے کر دکھایا۔

پوری بشریت نے اللہ کی عظمت کو مانا، دین کی پابندی کی، خاندان کی دیکھ بھال کی، اخلاقی اقدار کا تحفظ کیا اور قربانی و فداکاری کی اہمیت کو سمجھا۔ لیکن مغرب، صہیونیت اور ہماری صہیونیت نواز حکومتوں نے یہ سب کچھ تباہ کر دیا اور انسانوں میں انفرادیت، خود غرضی اور موقع پرستی کی آگ بھڑکائی، جس سے انسانوں کے درمیان وہ اخلاقی قدریں اور اصول گر گئے جو بنی آدم کی پہچان تھے۔

اس مقالے میں اخلاقی انحطاط، سماجی تقسیم، انفرادی فساد اور فطری انحراف کی حالت کو بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے، لیکن غزہ نے اپنے صبر اور ثابت قدمی کے ساتھ دنیا بھر میں دوسروں کے دکھ درد کو سمجھنے کا احساس دوبارہ زندہ کیا اور اس نے راکھ میں دبے ہوئے اخلاق کے انگاروں کو پھر سے شعلے میں بدل دیا۔ کچھ لوگ اس نسل سے تبدیلی کی امید تقریباً ترک کر چکے تھے، مگر غزہ کی سرزمین، اللہ کی رضا اور تدبیر سے، وہ روح زندہ کر گئی جسے مغرب نے مٹانے کی کوشش کی تھی اور اس نے وہ چہرے دکھائے جنہیں صہیونیت نے چھپانے کی کوشش کی تھی۔ غزہ نے ان میں قربانی کا جذبہ دوبارہ زندہ کیا، جو قصۂ پارینہ بننے لگا تھا۔

آج دنیا میں پھیلنے والی نوجوانوں کی بیداری غزہ کی برکت سے ہے اور (مغربی ممالک میں فلسطین کے حق میں) طلباء کی تحریک کو خاموش نہیں کیا جا سکتا۔ نوجوان ہی زندگی کے سازندے ہیں۔ لہٰذا ہمیں اس بیداری کا فائدہ اٹھانا ہو گا تا کہ انسانیت کو دوبارہ زندہ کیا جا سکے اور ہمیں اللہ کی عظمت کو دوبارہ ماننا ہو گا، دین پر عمل کرنا ہو گا، اسلامی سرزمینوں سے محبت کرنا ہو گی، خاندان کی دیکھ بھال کرنی ہو گی، اقدار اور اخلاق کی قدر کرنی ہو گی، قربانی اور جانثاری کا جذبہ فروغ دینا ہو گا۔

اختتام

آخر میں اہلِ غزہ کی استقامت کی بات طرف لوٹتا ہوں، اور کبھی اس سے جدا نہیں ہوں گا، اس کے آثار میرے جذبات سے مل جاتے ہیں جب اس کی تصویر میری تخیلات سے گزرتی ہے، یہ منظر مختلف ٹکڑوں میں بکھرے ہوئے ہیں، جنہیں ہزاروں دلوں کی دُعائیں بڑھا رہی ہیں، تو میں دیکھتا ہوں: ایک بزرگ کا سایہ جو ایک ٹوٹی ہوئی دیوار کو اپنی کمر کے سہارے سنبھالے ہوئے ہے...... اس دیوار سے متصل دیگر دیواریں دھماکوں کے اثر سے گر رہی ہیں...... اور ایک ماں کا سایہ جو اپنے بچے کو گود میں لیے ہوئے ہے...... جس کا جسم لوہے کے پارچوں سے چھلنی ہو چکا ہے اور جس کے کپڑے خون سے لال رنگ ہیں...... اس کا بچہ مسلسل رو رہا ہے، وہ اسے کھلانے کی کوشش کر رہی ہے اور اسے شفقت سے اپنے سینے سے لگاتی ہے۔ پھر ایک شیر خوار بچہ جو ابھی تک طاقت و قوت سے محروم ہے، آہ و فغاں کرتا ہے، اس کے زخموں سے خون بہہ رہا ہے، اور اس کا کمزور جسم رنگ بدل رہا ہے، وہ اپنی کٹی ہوئی اور خون میں لتھڑی ہوئی ٹانگ کو دیکھ کر اُٹھتا ہے اور گرد و نواح میں کسی کو پکار رہا ہے: "ابا، اماں، بہن، بھائی!" لیکن کوئی جواب نہیں آتا، اور وہ اپنی پکار میں ایسا مقام پا چکا ہے جہاں اس کی آواز انسان نہیں سن سکتے۔

اور اسے پیار کرنے والا، آنکھوں میں مزید آنسو اور درد کی شدت کے ساتھ بلند آواز سے رونے لگتا ہے، وہ ناتواں ہے، اپنے عزیزوں سے جدائی کے درد سے اس کا جسم ٹوٹ چکا ہے اور وہ اپنے باقی ماندہ ہاتھ کو اوپر نہیں اُٹھا سکتا، سر جھکائے، زمین کو دیکھتے ہوئے، ایسی جگہ پر پہنچا ہے جہاں وہ نہیں جانتا، اور آسمان کی طرف سر اُٹھا کر اپنے رب سے رحم کی دعا کر رہا ہے، وہ خاموش ہے، لیکن اس کی آنکھیں بزبانِ حال یہ دعا مانگ رہی ہیں: الٰہی، میری قوت کم ہو چکی ہے، میں لوگوں کے سامنے بے بس ہوں، اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے، میری مدد فرما، میں اس مصیبت میں ہوں، میری دعا سن لے!

اس کی ثابت قدمی غزہ میں موجود دیگر استقامت کے حامل جانبازوں کے لیے ایک اور سنگ میل ہے۔ میرے لیے آنسو نہ بہاؤ بلکہ اپنی حالت پر آنسو بہاؤ! یہ دن گزر جائیں گے اور میں بڑا ہو جاؤں گا، مگر، وہ بچہ ہمیشہ میرے دل میں تمہارا مخالف رہے گا۔

یمنی شاعر اسامہ نے جو اشعار لکھے ہیں، وہ غزہ کے حالت زار کی بہترین عکاسی کرتے ہیں:

میں کون ہوں؟

رات کی دھندلی چھاؤں میری بصیرت میں جاں گزیں ہے،
اور سکوت کے بے زبان گھوڑے شب کی تاریکی میں ہنہناتے ہیں۔
سرد آہیں میرے دل کی گہرائیوں میں طوفان برپا کرتی ہیں،
اور ہر رنج، میرے درد کی کوکھ سے جنم لیتا ہے۔
ایک سوال، پنجے نکالے، میری طرف لپکتا ہے،

پُر تشدد لہجے میں پکار اٹھتا ہے: ”تو کون ہے؟“
وہ مجھ سے گلہ کرتا ہے، مجھے بازوؤں میں لیتا ہے،
پھر بھی اصرار سے پوچھتا ہے: ”تو کون ہے؟ کیوں ہے؟“
وہ میری جان لینے کا آرزومند ہے، مجھے سولی پر چڑھانا چاہتا ہے،
اور میں بھاگ کر، آئینوں کی آغوش میں جا چھپتا ہوں۔
وہ پوچھتا ہے: ”تو کون ہے؟“
اور میں..... میں خود ایک سوال ہوں،
جسے بارود، بمباری اور شعلہ بار ٹکڑے مٹا دینا چاہتے ہیں۔
میں ایک بچہ ہوں، مگر میری روح صدیوں کی عمر رکھتی ہے،
میں کل کی امید کا نونہال ہوں، جو آج کی جوانی میں سانس لیتا ہے۔
میں اپنے باطن کی گہرائیوں میں خود کو تلاش کرتا ہوں،
اور پھر ماضی کی یادوں سے عشق کرنے لگتا ہوں،
جہاں خطاؤں کے دھبے نہ ہوں۔
میں وہ پلک ہوں، جس پر تھکاوٹ، اشکوں کا بوجھ بن کر ٹھہر گئی ہے۔
میں وہ طوفان ہوں،
جو میرے وجود کی رگ رگ میں بے قرار دوڑتا ہے۔

میں وہ معصوم آرزو ہوں،
جسے امن کی دہلیز پر ہی دفن کر دیا گیا۔

میں وہ خواب ہوں،

جسے موت نے بہلانے کی کوشش کی۔

میں ہوا کا بیٹا ہوں، بارش میری ماں ہے،

اور بادلوں کے پیچھے چھپی کہانیاں مجھے بارش کی مانند سیراب کرتی ہیں۔

میں وہ سرزمین ہوں،

جس پر آنسو گرتے ہیں تو زمین کو نم کرتے ہیں،
اور قحط زدہ مٹی میرے گریے سے سیراب ہوتی ہے۔
میں آسمان کا پختہ رنگ ہوں،
جو اسیر ہے مگر آزاد جینے سے انکاری۔

میں وہ ستارہ ہوں،
جسے شب کی تلخیاں بے نور کر چکی ہیں،

میں وہ زاویہ ہوں جہاں محبت قید ہے،
اور یادیں دیواروں سے سر ٹکراتی ہیں۔
کیا تم مجھے پہچان سکتے ہو؟
تاکہ میرے خاموش درد کو پڑھ سکو؟
کیا تم میرے لبوں پر مہر لگی چیخ کو سمجھ سکتے ہو؟
میں..... میں اپنے آپ کو کھو چکا ہوں،
اور اپنے ہی بازوؤں میں خود کو تھپکتا ہوں،
جیسے کوئی یتیم بچہ ہو۔

میں اپنے سینے میں اپنی قوم کا غم دفن کیے پھرتا ہوں،

اور اپنے کاندھوں پر اُن کی لاشیں اٹھائے چلتا ہوں،
جنہیں دنیا نے بھلا دیا۔
رات کی تاریکی کے درندے میرے اجالے کو چھین لیتے ہیں،
اور میرا سویرا، اندھیرے میں رو رو کر دم توڑ دیتا ہے۔
ہاں.....
میرا سویرا غم سے مر چکا ہے۔

☆☆☆☆☆

قوم کی فلاح مکمل دین پر عمل میں ہے

”میں نے قوم کی اصلاح کے لیے قرآنِ کریم کا ترجمہ اور درس و تدریس کے جملہ ذرائع کو کافی سمجھا تھا، لیکن اب (قید و بند اور ہجرت کے تجربے کے بعد) میری رائے بدل گئی ہے۔ میری قوم کی فلاح صرف اس وقت ممکن ہے جب ان کے خیالات، ان کی معاشرت، ان کا اخلاق، ان کی معیشت، سب پر دینی رنگ غالب ہو جائے۔ ورنہ صرف چند عبادات یا چند شعارِ اسلام سے قوم کی نجات نہیں ہو سکتی۔“

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ
(بحوالہ نقشِ حیات)

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر

قاضی ابو احمد

ایک گاؤں کا منظر ہے۔ ایک جانب بنظرِ ظاہر کشادگی، خوشحالی اور آسودگی کی فراوانی دکھائی دیتی ہے تو دوسری جانب آگ ہی آگ ہے۔ ایک جانب ظالم و غاصب کو کھلی چھوٹ ہے تو دوسری جانب مصلحین پر زمین تنگ کی جارہی ہے۔ ایک ہی برادری سے منسوب بعض لوگوں کو ظلم و ستم سہہ سہہ کر زمین کا پیٹ اس کی پیٹھ سے بہتر نظر آنے لگا ہے تو اسی برادری کے دوسرے لوگ طرح طرح کے جشن مناتے دکھائی دیتے ہیں۔ جس کی پیٹھ میں خنجر گھونپا جارہا ہے اسی کا بھائی خنجر گھونپنے والے سے مصافحہ و معانقہ کر رہا ہے اور اس کے ساتھ تعلقات و معاملات میں مزید بہتری کا خواہاں ہے۔ دردِ دل رکھنے والے بعض لوگ، ظلم کی چکی تلے پستے لوگوں کی مدد کرنا چاہتے ہیں مگر کچھ اور لوگ جو خود بھی مصلح ہونے کا دم بھرتے دکھائی دیتے ہیں، ان درد مندوں کا راستہ ہر طرح سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آگ ہے، خون ہے، بھوک پیاس، دکھ، غم اور زخموں سے بلکتے مرد، عورتیں اور بچے ہیں، اور سونا اگلتی زمینیں اور اس سونے پر عیاشیاں کرتے انسان نما بھی ہیں۔

غزہ، جس کے دل میں ذرّہ برابر بھی ایمان اور ایمانی غیرت ہے اس کا دل اہلِ غزہ کے لیے تڑپ رہا ہے۔ پورا غزہ جل رہا ہے اور اس آگ میں زندہ انسان، دنیا بھر کی نگاہوں کے سامنے جل رہے ہیں۔ معصوم بچے، عفت مآب خواتین اور بزرگ مرد ہر ایک ہی بھوک و پیاس سے مجبور، بے گھر، دربدر، روٹی کے ایک لقمے کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ ابھی تو یہ وہ مناظر ہیں جو کیمرے کی آنکھ محفوظ کر کے ہم تک پہنچا رہی ہے، انہی مناظر کو دیکھنا اور سہنا اور ڈرون کے مسلسل گردش کرنے، میزائل کے نکلنے اور گرنے، اس سے ہونے والے دھماکے، آگ میں جلنے، چیخنے اور تڑپنے، سسکنے، بھوک پیاس سے بلکنے، ملبے تلے دبے ہونے، دکھ سے دل پھٹنے، کلیجہ شق ہونے کی آوازیں سننا ہمارے لیے ایک امتحان ہے، کجا ڈیڑھ سال سے دن اور رات خوف، بمباری، خون، دربدری، بھوک، مصائب، آلام، دکھ، درد، جدائیوں، ظلم اور ذلت کو سہنا اور برداشت کرنا۔ سات اکتوبر ۲۰۲۳ء سے لے کر آج تک ہم میں سے بہت سے وہ ہیں جن کی دعاؤں کا بڑا حصہ غزہ و اہلِ غزہ پر مشتمل ہے، جن کے سامنے جب دستر خوان سجتا ہے تو چند لمحے تو نگاہوں میں غزہ کے بھوک سے تڑپتے بچوں کے مسکین چہرے ہی گھومتے رہتے ہیں، مگر بعض وہ بھی ہیں جنہوں نے چھ، آٹھ ماہ غزہ کو سوشل میڈیا پر تندہی سے فالو کرنے کے بعد اب اس سے متعلق مواد کو نظر انداز کرنا شروع کر دیا ہے۔ دعاؤں میں ترجیح اپنی فوری ضروریات بن گئی ہیں اور امت کا غم ایک طرف رہ گیا ہے اور دل بس یہ چاہتا ہے کہ بہت ہو گیا، اب بس یہ غزہ کا معاملہ کسی ٹھکانے لگنا چاہیے۔ وہ ٹھکانہ کیا ہو؟ اس سوچ کے آتے ہی ہم اپنے دل و ذہن کی کھڑکیاں بند کر لیتے ہیں۔

ماہ گزشتہ کیسے کیسے لعل و گہر کی یاد لیے ہوئے ہے جو اپنے رب کے حضور چلے گئے، ان شاء اللہ وہ کامیاب ہیں؛ شیخ اسامہ، شیخ مصطفی ابو یزید رحمہم اللہ، اگر یادداشت درست ساتھ دے رہی ہے تو ان سب ہی کی شہادتیں ماہ مئی میں ہوئیں، یہ اپنا اپنا امتحان دے کر ان شاء اللہ سرخرو ہو گئے، البتہ ہم جو کمرہ امتحان میں باقی رہ گئے ہیں ہماری کامیابی کا انحصار اپنے آباء کے قصے دہرانے پر نہیں بلکہ ان پر عمل دہرانے میں ہے۔ وہ ایک امت تھی، انہوں نے جو کمایا وہ ان کے لیے ہے اور جو ہم کمائیں گے وہی ہمارے کام آئے گا۔

ایک طرف سطحِ زمین پر اس مبارک سرزمین کا ٹکڑا بھی ہے جہاں قریباً نصف صدی تک سپر پاورز کا مقابلہ کرنے کے بعد آج اللہ کا کلمہ سربلند ہے۔ اور اسی سطحِ زمین پر وہ خطے بھی ہیں جن کے جھنڈے تو کلمہ 'لا الہ' سے جگمگا رہے ہیں مگر ان جھنڈوں تلے اس کلمے کی تنفیذ کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ اسی جھنڈے تلے، نبی کریم ﷺ کے قرب و جوار میں فاحشائیں تھرکتی دکھائی دیتی ہیں اور اب تو یہ دن آگیا کہ کلمے والے جھنڈے کے سائے میں سرکاری اجازت نامے کے ساتھ چھ سو شراب خانے کھولے جا رہے ہیں۔ اہلِ غزہ بھوک اور ظلم سے مر رہے ہیں اور یہ ان کے قاتلوں کے ساتھ، ان کی معیشت کو تقویت دینے کے لیے اربوں ڈالر کی سرمایہ کاری کر رہے ہیں۔

پھر وہ بھی ہیں جو بنیان مرصوص کا نام و اصطلاح استعمال کر کے نا صرف بھولے بھالے مسلمان عوام بلکہ اچھے بھلے دیگر امور میں سمجھ دار سمجھے جانے والے اصحاب کو بھی ٹرک کی بتی کے پیچھے لگا کر کرنے کے اصل کاموں سے غافل کر دیتے ہیں۔ پھر ایک ہی سیٹی پر سندور و بنیان مرصوص، دونوں اپنے اپنے بلوں میں گھس چھپ جاتے ہیں۔ مگر پھر جی کڑا کے نکلتے ہیں اور اب کے بندوقوں کا رخ اپنے ہی اہلِ اسلام کی طرف ہوتا ہے۔ وہاں یہ ڈٹ کر 'بہادری و شجاعت' کی داستانیں رقم کرتے ہیں اور ڈرون حملوں کے ذریعے معصوم بچوں، خواتین اور عوام کو شہید کرتے ہیں۔

یہ سچ ہے کہ اللہ رب العزت دلوں کے امراض کا علاج نہ کرنے والوں کے نفاق کو اہلِ دین کے سامنے واضح کر کے رہتے ہیں۔ جو کلمے کا نعرہ تو بلند کرتے ہیں مگر ان کے دلوں میں حب جاہ ہوتا ہے اور وہ اپنے دین اور اپنے اقدار پر فخر کرنے کی بجائے ان پر شرمسار ہوتے ہیں، جن کے سامنے جب دین اور دنیا، اسلام اور فساد میں انتخاب کا مرحلہ آتا ہے تو وہ دین پر دنیا کو اور اسلام و ایمان پر کفر و فساد کا ساتھ دینے کو ترجیح دیتے ہیں، پھر اللہ ان کا اپنی خواہشات اور دنیا کا غلام بننا دنیا کے سامنے واضح کر کے رہتے ہیں۔ مسلمانوں کے لیے عزت اور سربلندی محض اس دین

سے جڑے رہنے اور اس پر عمل پیرا ہونے میں ہے، وہ جب بھی اس کے سوا کہیں عزت تلاش کریں گے تو وہ اس کی تلاش میں ذلت کے پاتال میں گرتے چلے جائیں گے مگر عزت انہیں کہیں نہ ملے گی۔

مسلمانوں میں سے بہت سے وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم امام مہدی کے لشکر میں شامل ہوں گے، مگر ابھی تو ہمیں اپنی دنیا بنانے دو، وہ یہ نہیں جانتے کہ امام مہدی کے آنے سے پہلے، دجال کے خروج سے پہلے ہی دجال کا فتنہ اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ پھیل چکا ہے۔ دجال کی آگ اہل ایمان کی جنت ہے اور دجال کی دی ہوئی نعمتیں در حقیقت آگ ہیں۔ آج بہت سے حکمران دجال کے حواریوں سے ہاتھ ملا کر انہی کی صف میں کھڑے ہو کر سمجھ رہے ہیں کہ انہوں نے خود کو آگ سے بچا لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے بہت ہی گھاٹے کا سودا کیا، گر انہوں نے اپنے عمل سے رجوع نہ کیا تو جہنم کی آگ ہے جسے اللہ کی جنت بیچ کر انہوں نے خرید لیا ہے۔ دجالی تہذیب کے علم بردار جس سے راضی ہونے کا عندیہ دے دیں، کیا اللہ بھی اس سے راضی ہو گا؟ ایک وقت میں کوئی شخص اللہ اور اللہ کے دشمن دونوں کی رضا حاصل نہیں کر سکتا۔ وہ کہتے ہیں، لے لو، لے لو، جتنی دنیا سمیٹنا چاہتے ہو سمیٹ لو، مگر اس کی قیمت ہو گی، اس کی قیمت تمہارا دین ہے، اس کی قیمت یہ ہے کہ تم اپنی امت کو اپنی نگاہوں کے سامنے کٹتا مرتا دیکھو اور تمہارے ماتھے پر بل تک نہ آئے بلکہ تم خود انہیں کاٹنے اور مارنے میں شریک ہو، اس کی قیمت یہ ہے کہ اسے سجدہ کرو جس کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے دوستوں اور پیروکاروں کو اپنے ساتھ جہنم میں لے کر جائے گا، اس کی قیمت یہ ہے کہ تم بھول جاؤ کہ عزت کس چڑیا کا نام ہے اور ذلت اور غلامی کو اپنا پیرہن کر لو۔ اور پھر بھی یاد رکھو کہ ہم دنیا کے دروازے اتنے ہی تمہارے لیے کھولیں گے کہ تم پھر بھی ہمارے محتاج رہو گے، پھر بھی ترستے رہو گے اور مزید سے مزید کی حرص تمہیں ذلت کی مزید گہرائیوں میں منہ کے بل گراتی چلی جائے گی۔

کامیاب وہ ہیں جنہوں نے سر پر کفن باندھ کر دشمن کا مقابلہ کیا، نہتے ہوتے ہوئے دشمن کو ناکوں چنے چبوائے اور عزت، وقار اور شجاعت کے ساتھ دشمن سے اپنی زمین واپس لی اور اس زمین پر اللہ کا کلمہ بلند کیا۔ ایسے ہی اللہ پر توکل، ایمان اور غیرت کے پہاڑ ہوتے ہیں جن کے سامنے دشمن بھی شکست کھانے سے عار محسوس نہیں کرتا، اور جن کی فتح دشمن کا عطیہ نہیں ہوتی بلکہ دشمن کے منہ پر طمانچہ ہوتی ہے۔

ہاں یقیناً امت کا درد دل میں رکھنا، اہل ایمان پر ہونے والے مظالم پر دل کا تڑپنا اور ان کے لیے کچھ کرنے کا جذبہ رکھنا اہم ہے اور یہ دل میں ایمان کی علامت ہے، مگر محض اتنا کافی نہیں ہے۔ جو اپنے رب سے اس حال میں ملاقات کا خواہاں ہے کہ اس کا رب اس سے راضی ہو، جو اپنے نبی کریم ﷺ کے حوض پر آپ کے مبارک ہاتھوں سے پانی پینے کا متمنی ہے، جو اپنی امت کے سامنے اپنا سر فخر سے بلند رکھنا چاہتا ہے اسے درد دل کو عمل میں ڈھالنا ہو گا۔ اسے اپنے ایمان کی پکار پر لبیک کہنا ہو گا اور اسے ان ہاتھوں کو توڑنے کے لیے اٹھنا ہو گا جو اس کے دین اور اس دین کے پیروکاروں کے خلاف اٹھے ہیں۔

امت کو ضرورت ہے قوی ایمان والوں کی، امت کو ضرورت ہے غیور مسلمانوں کی، امت کو ضرورت ہے فہم و فراست رکھنے والے مومنین کی، امت کو ضرورت ہے ابو بکر و عمر جیسے قائدین کی، امت کو ضرورت ہے محکم کردار، دل بیدار اور جوش و جذبے سے سرشار نوجوانان کی، اور یہ سب حاصل کرنے کے لیے کلید صرف ایک ہے، اللہ، اس کی عطا کردہ شریعت، اس کا عطا کردہ نصاب، قرآن کریم اور اس پر عمل۔ یہ عمل فرد کی زندگی میں ہو گا تو وہاں تبدیلی لائے گا، گھرانے کی سطح پر ہو گا تو گھر کے تمام افراد کو ایمانی غیرت سے سرشار کرے گا، محلے، سکول، مدرسے، معاشرے کی سطح پر ہو گا تو وہاں بیداری پیدا کرے گا اور یوں امت میں ایک واضح تبدیلی دیکھنے کو ملے گی۔ یہ ایک طویل عمل ہے جس کے لیے جہد آج اور ابھی شروع کرنی ہے۔ نیکی کی طرف بڑھنے والا اور برائی سے دور ہٹنے والا میرا ایک ایک قدم امت کی بیداری کی جانب بڑھے گا۔ پھر دیر کس بات کی ہے، آج ہی تبدیلی کے اس عمل کا آغاز کیجیے۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

☆☆☆☆☆

مذمت اپنی جگہ دھندہ اپنی جگہ

(اسپین نے گزشتہ برس اسلحہ کی فروخت معطل کر دی مگر یہ فروخت ویسے بھی آٹے میں نمک کے برابر تھی)۔

لبِ لباب ان گزارشات کا یہ ہے کہ اس دنیا میں اسرائیلی نسل کشی کے خلاف شور محض عوامی سطح پر جلسے جلوسوں اور سوشل میڈیا کے ذریعے ہو رہا ہے۔ جب کہ ریاستیں محض خانہ پری کی حد تک لب ہلا رہی ہیں۔ اسرائیل سے آپ اقتصادی تعلقات میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں آئی اور نہ ہی اسرائیل کو گزشتہ ڈھائی برس میں کسی شے کی قلت محسوس ہونے دی گئی۔ حتیٰ کہ درآمد و برآمد کا نقشہ بھی غزہ کی نسل کشی سے پہلے کے نقشے سے کہیں بہتر دکھائی دے رہا ہے۔

عام آدمی کا زور بس اتنا چل رہا ہے کہ وہ کسی ایسی فوڈ چین کے شیشے توڑ دے جس کے بارے میں بتایا جائے کہ اس کے ڈانڈے کسی اسرائیلی کمپنی یا سرمایہ کار سے ملتے ہیں۔ اصل بائیکاٹ تو ان ممالک کا ہونا چاہیے جو اسرائیل کو مسلسل اسلحہ اور اقتصادی امداد دے رہے ہیں۔ مگر موجودہ عالمی بے حسی کے ماحول میں کو بھی ایسا و یسا مطالبہ دیوانے کی بڑ اور پاگل کے خواب جیسا ہے۔

☆☆☆☆☆

ایمان، استقامت، فرعون اور غزہ

انتخاب و ترجمانی: اہلِ طارق

کرسٹوز جور جلاس یونان کے مشہور سرجن ہیں جو سر اور گردن سے متعلقہ امراض کے علاج اور جراحی میں مہارت رکھتے ہیں۔ وہ یونیورسٹی آف نیکوسیا میں پروفیسر ہیں، اور ایتھنز کے ایک بڑے نجی ہسپتال میں خدمات سرانجام دیتے ہیں۔ وہ ان چند یونانی ڈاکٹروں میں سے ایک ہیں جنھوں نے گزشتہ مہینوں میں غزہ میں اپنی خدمات رضاکارانہ طور پر پیش کیں۔ وہ ایک برطانوی آرگنائزیشن 'میڈیکل ایڈ برائے فلسطین' کے توسط سے ایک ویسکولر سرجن (ماہرِ رگ و شریان) اور ایک پلاسٹک سرجن کے ہمراہ غزہ پہنچے، جہاں انھوں نے ۲۱ اپریل تا ۲۱ مئی ۲۰۲۵ء، ایک ماہ جنوبی غزہ کے علاقے خان یونس میں واقع الناصر ہسپتال میں گزارا۔

ان کی واپسی پر یونانی صحافی کوسٹاز زفیروپولوس نے ان کا انٹرویو کیا جو اخبار EFSYN کے ادارتی صفحے پر چھاپا گیا۔ ذیل میں اسی انٹرویو کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دل سے دعا ہے کہ وہ ڈاکٹر جور جلاس اور ان کی طرح کے دیگر اصحابِ درد کو ایمان کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا ربّ العالمین!

غزہ کے سفر کا یہ دوسرا موقع تھا، پہلا موقع ۲۰۱۲ء میں ملا جب وہ ہلالِ احمر کے ایک مشن کے ساتھ ۲ ماہ کے لیے غزہ گئے۔ اس دفعہ، ایک ماہ کے اس عرصے میں جو انھوں نے غزہ میں گزارا، ان کے ہسپتال کو اسرائیل کی جانب سے دو دفعہ حملوں کا ہدف بنایا گیا۔ 'میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں کسی جنگی علاقے میں گیا۔ جنگ ایک بہت مختلف چیز ہوتی ہے۔ تریبلنکا میں کوئی جنگ نہیں تھی، آشوِٹز میں کوئی جنگ نہیں تھی۔ جنگ میں دو فوجیں ہوتی ہیں۔ جبکہ یہاں ایک آبادی ہے جس کی اکثریت شہریوں، عورتوں اور بچوں پر مشتمل ہے، جن کے پاس فرار کا کوئی راستہ موجود نہیں۔ جبکہ آسمان سے ایک منظّم و باقاعدہ طریقے سے بموں کی بارش جاری ہے۔ یہ بم ہسپتالوں پر گرتے ہیں، یہ صحافیوں کو نشانہ بناتے ہیں۔ وہاں میرے کولیگز کی حالت ناقابلِ بیان حد تک الم ناک تھی۔ لیکن اس سب کے باوجود ان حالات میں ایک امید افزا رخ بھی تھا۔ تصور کیجیے کہ ان حالات میں بھی ہماری کلاسز جاری تھیں! حتیٰ کہ ہم نے زیرِ تربیت افراد (ٹرینیز) کے امتحان بھی لیے'۔

انھوں نے ہمیں بتایا کہ 'جب میں وہاں تھا، ہم نے اِنٹرنز (زیرِ تربیت ڈاکٹر) کے گروپ کے لیے ملٹیپل چوائس کوئسچنز پر مبنی امتحان تیار کیے، تاکہ وہ اپنی ڈگری مکمل کر سکیں اور اپنے تخصصات کا ٹائٹل حاصل کر سکیں'۔

صحافی: آپ نے غزہ جانے کا فیصلہ کیسے کیا؟ کیا ایسا فیصلہ کرتے ہوئے یہ خیال نہیں آتا کہ وہاں جا کر آپ خود کو خطرات کے منہ میں ڈال رہے ہیں؟

ڈاکٹر جور جلاس: میرے خیال میں جو شخص یہ نہ سوچے وہ حماقت کا شکار ہے۔ تاحال غزہ میں ۱۴۰۰ ہیلتھ ورکرز قتل کیے جا چکے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ خیال ذہن میں آتا ہے کہ وہاں جانا خود کو خطرے میں ڈالنا ہے۔ لیکن...... ساتھ میں یہ خیال بھی آتا ہے کہ ہماری نسل میں یہ اہم ترین واقعہ ہے جو پیش آیا ہے۔ یہ پہلی نسل کشی ہے، جس کا ہم سب براہِ راست لائیو سٹریمنگ پر مشاہدہ و تجربہ کر رہے ہیں۔ میرے خیال میں (ایسی صورتحال میں) مشکل ترین کام یہ فیصلہ کرنا ہے کہ اس (نسل کشی) کا آپ سے کوئی تعلق نہیں۔ یا یہ کہ تعلق تو ہے مگر ایک فاصلے سے۔ مجھے نہیں معلوم...... میرے خیال میں اس میں یہ وجہ بھی شامل ہے کہ میں ایک طبیب ہوں، اور طب کا تمام مقصد ہی یہ ہے کہ ان لوگوں سے تعامل کیا جائے جنھیں ہماری ضرورت ہے۔ سو میں اسے اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ اس کے ساتھ یہ ایک طریقہ بھی تھا، فلسطینی لوگوں کو یہ بتانے کا طریقہ کہ عوام کی اکثریت اپنی حکومتوں کے فیصلوں سے اتفاق نہیں کرتی اور ان میں شریک نہیں۔ میں نے سوچا کہ اگر میں اپنی یونانی حکومت کی پالیسی کو تبدیل کرنے کی طاقت نہیں بھی رکھتا، تو بھی میں کم از کم اپنے عمل سے یہ اظہار تو کر سکتا ہوں کہ میں ان کے ساتھ متفق نہیں ہوں۔

ایک چیز جس کی مجھے توقع نہیں تھی، وہ یہ ہے کہ مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ مغرب میں اس سب کو کس قدر قریبی و گہری نظر سے دیکھا جا رہا ہے، یعنی جو کچھ ہمارے ساتھ ہو رہا ہے۔ میری مراد ہے، فلسطین کے حق میں کیے جانے والے مظاہرے، یہ کن ممالک میں ہو رہے ہیں، کون لوگ ہیں جو یہ مظاہرے کروا رہے ہیں، اور ان کا حجم کتنا ہے۔ انھیں بہت واضح اندازہ ہے اس سب کا جو ہو رہا ہے۔

صحافی: آپ کی واپسی ابھی چند ہی گھنٹے پیشتر ہوئی۔ فی الوقت کیا خیالات ہیں جو ذہن میں غالب ہیں؟

ڈاکٹر جور جلاس: دو باتیں ہیں۔ پہلی بات...... جو کہ شاید آپ کو قدرے عجیب لگے...... وہ یہ ہے کہ میں اپنی واپسی پر ایک زیادہ امید افزا نقطۂ نظر اور ذہنی حالت کے ساتھ لوٹا ہوں، بنسبت اس کے جو وہاں جانے سے قبل تھی۔ جس چیز کی کسی کو توقع نہیں ہوتی وہ یہ ہے کہ عملاً اہلِ غزہ محض جنگ سے متاثر ایک مظلوم و مقہور قوم نہیں ہیں۔ بلکہ وہ ایک نہایت فعال، متحرک، یکجا و

متحد اور پڑھا لکھا معاشرہ ہے، اور اس جنگ سے اگر ہدف اس معاشرت کی چادر کو تار تار کرنا تھا، تو اس میں کسی قسم کی کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ بہت سے رخ اور اعتبار سے ان کی معاشرت اس معاشرت سے مضبوط تر ہے جو ہمیں یہاں یونان میں میسر ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ میرا یہ احساس ہے کہ یہ جنگ بنیادی طور پر بچوں کے خلاف ہے۔ اور میری اس بات کا رڈ اس مشہور و معروف دلیل سے نہیں کیا جا سکتا کہ 'چونکہ غزہ کی آبادی کا ایک بڑا فیصدی حصّہ بچوں پر مشتمل ہے، لہٰذا اسٹیٹس کے اعتبار سے متاثرہ بچوں کی ایک بڑی تعداد جنگ کا لازمی نتیجہ ہے'۔ میرے خیال میں متاثرہ بچوں کی بڑی تعداد بالخصوص بچوں ہی کو ہدف بنانے کا نتیجہ ہے، ایک اسرائیلی پارلمنٹیرین نے کہا ہے کہ: ''بچے ان کا مستقبل ہیں، لہٰذا بچوں کو نشانہ بنانا اور قتل کرنا، بڑوں کو قتل کرنے سے دوگنا اہمیت کا حامل ہے''۔ بہر کیف، میں کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ میں اس پالیسی کا اس قدر شدت و بر ہنگی سے مشاہدہ کروں گا۔

میں نے جن مریضوں کا علاج کیا، ان میں بچوں کی تعداد بڑوں کی نسبت بے حد زیادہ تھی۔ ہم یہاں ۶، ۸، ۹، ۱۱ سال کے بچوں کی بات کر رہے ہیں...... جن بچوں کو میں نے دیکھا ان کی گردنوں پر زخم آئے تھے۔ بموں کے چھوٹے چھوٹے باریک پارچوں (شریپنل) کے ٹکرانے سے آنے والے یہ زخم محض چند ملی میٹر پر محیط ہوتے، لیکن یہ پارچے انتہائی تیز رفتاری سے جسم میں داخل ہو جاتے۔ سو آپ کو ان کی گردن پر ایک بے حد چھوٹا سا سوراخ نظر آتا، لیکن جب آپ سی ٹی سکین کے ذریعے ان کا معائنہ کرتے تو آپ کو معلوم ہوتا کہ ان ننھے باریک پارچوں نے ان کا لیرنکس (حنجرہ)، ٹریکیا (وِنڈ پائپ) اور ریڑھ کی ہڈی تباہ کر دی ہے۔ یہ در حقیقت ننھے ننھے آگ کے گولے ہیں۔ ابھی حال ہی میں یونان میں اسلحے کی ایک نمائش منعقد ہوئی، ایسی نمائشوں میں ان بچوں کو بطور ٹیسٹ سیمپل پیش کیا جا سکتا ہے، یہ دکھانے کے لیے کہ یہ بم کس قدر مؤثر ہیں! کیونکہ یہ بم جب پھٹتے ہیں تو یہ بے شمار ننھے ننھے ٹکڑوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں جو ایک بہت بڑے علاقے پر پھیل جاتے ہیں۔ اور ہر وہ چیز جو وہاں موجود ہوتی ہے، اس میں سرایت کر جاتے ہیں۔ یہ ننھے منّے ٹکڑے حقیقتاً بچوں کو چیر پھاڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ مردہ بچے ان زخمی بچوں کے علاوہ ہیں، جنہیں ہم روزانہ مردہ خانوں میں دیکھتے تھے۔ ہر روز تقریباً دو سو سے تین سو زخمی افراد ہسپتال لائے جاتے تھے۔ جن میں اندازاً زخمی و مردہ کا تناسب ایک اور تین کا ہے۔

صحافی: الناصر ہسپتال کی حالیہ صورتحال کیا ہے؟

ڈاکٹر جورجلاس: میں نے وہاں جتنی مدت گزاری، اس میں دو دفعہ ناصر ہسپتال کو نشانہ بنایا گیا۔ ہمارے وہاں جانے سے قبل ہماری ٹیم کو جو خدشات لاحق تھے ان میں سے ایک یہ تھا کہ ناصر ہسپتال کو مارچ ہی میں حملوں کا ہدف بنایا گیا تھا جب اسرائیل نے حماس کے ایک لیڈر کو نشانہ بنانے کا دعویٰ کرتے ہوئے ہسپتال پر بمباری کی، اور ہسپتال کے سرجیکل فلور کو نشانہ بنایا۔

میرے پہلے تین ہفتے ہسپتال کا حملوں کا ہدف بنے بغیر گزر گئے، لیکن غزہ سے نکلنے سے پہلے آخری ہفتے میں ہسپتال کو دو دفعہ نشانہ بنایا گیا۔ گزشتہ بدھ، یعنی ۱۴ مئی کو ہم اپنی حفاظت کی خاطر مستقل ہسپتال میں ہی رہے، حتیٰ کہ رات بھی وہیں گزاری۔ ہسپتال سے باہر نکلنا ممکن ہی نہ تھا، حتیٰ کہ ہم ہسپتال کے احاطے میں بھی بمشکل ہی نکل سکتے تھے۔

ہم ہسپتال کی چوتھی منزل پر تھے، جہاں آپریشن تھیٹر، انتہائی نگہداشت کے وارڈز، اور غیر ملکی ڈاکٹروں کے لیے سونے کے کمرے موجود تھے۔ ہم سے عین نیچے، تیسری منزل کو نشانہ بنایا گیا، رات کے ساڑھے تین بجے، تیسری منزل پر موجود برن یونٹ کو نشانہ بنایا گیا تھا۔ اصل ہدف وہاں موجود ایک صحافی تھا۔ وہ صحافی اس حملے میں قتل ہوا، اس کے ساتھ موجود دوسرے بیڈ کو بم کا نشانہ بنایا گیا، اور بہت سے نرس زخمی ہوئے۔ اس واقعے سے محض پانچ روز بعد، ہسپتال کا احاطہ جس میں ہسپتال کی فارمیسی بھی موجود تھی، کو دوبارہ بمباری کا نشانہ بنایا گیا۔ پہلا حملہ دو ڈرونز کے ذریعے کیا گیا تھا، دوسرا حملہ میزائل سے کیا گیا۔

صحافی: کیا آپ کبھی باہر شہر میں بھی جا پائے؟ شہر کا کیا منظر نامہ ہے؟

ڈاکٹر جورجلاس: جی ہاں، میں باہر جایا کرتا تھا اگرچہ وہ ہمیں جانے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ تین ہفتوں کے بعد میرے لیے وہ سب ناقابلِ برداشت ہو گیا تھا۔ تباہی کی شدت و وسعت دل دہلا دینے والی تھی۔ وہاں ایسی گلیاں تھیں جن میں موجود تمام عمارتوں کو باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت زمین کے ساتھ برابر کر دیا گیا تھا۔ اور جیسا کہ میرے کولیگ، جو کہ میرا ٹور گائیڈ بھی تھا، نے مجھے بتایا، ان سب عمارتوں کے اندر لوگ موجود تھے۔ چار چار منزلہ عمارتیں جن میں منزلیں ایک دوسرے کے اوپر گرا دی گئیں، اور تب آپ کو ادراک ہوتا ہے کہ ان عمارتوں میں کتنے افراد رہا کرتے تھے۔ میرے اس کولیگ اور ٹور گائیڈ کی بہن، جو کہ خود بھی ایک سپیشلسٹ تھی، وہ بمباری کے دوسرے مہینے میں اپنے بیٹے سمیت ایسی ہی ایک عمارت میں قتل ہوئی، اس حالت میں کہ وہ اپنے دوسرے بچے کے ساتھ آٹھ ماہ کی حاملہ تھی...... میرے کولیگز میں کوئی ایسا نہیں تھا جس کے خاندان کے لوگ اس نسل کشی کا نشانہ نہ بنے ہوں، اگر بہت قریبی رشتے سے نہیں تو ہر کسی کے خاندان کا کوئی نہ کوئی فرد تو ضرور ایسا ہوتا، جو ان ختم نہ ہونے والی بمباریوں کو نشانہ بن چکا ہوتا۔ اسی طرح، میرے تمام کولیگز میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جو اس نسل کشی کے دوران کبھی نہ کبھی اپنے گھر کو چھوڑ کر نکلنے پر مجبور نہ ہو گیا ہو۔ اور صرف ایک دفعہ نہیں، بلکہ بار بار، کئی دفعہ...... ایک سینئر ڈاکٹر تو اپنے گھر کو دس دفعہ چھوڑ دینے پر مجبور ہو گئے تھے۔

صحافی: تو پھر وہ کہاں رہا کرتے تھے؟

ڈاکٹر جورجلاس: ان میں سے بعض پناہ گزینوں کی خیمہ بستیوں میں رہتے تھے۔ میرا ایک کولیگ احمد، گزشتہ پانچ ماہ سے خیموں میں رہ رہا تھا۔ دوسرے سینئر ڈاکٹر جن کا میں نے تذکرہ کیا، وہ

جب کبھی اپنا گھر چھوڑنے پر مجبور ہوئے تو پھر اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کے گھروں میں رہتے رہے۔ شاید آپ کو معلوم ہو کہ غزہ کے گھر انفرادی طور پر نہیں چلتے، لہٰذا بوقتِ ضرورت ہر کسی کو کوئی نہ کوئی ایسا گھر ضرور مل جاتا جہاں وہ رات بسر کر سکتا تھا۔ وہاں ایسی کسی سوچ کا کوئی گزر نہیں کہ 'چونکہ میرا گھر بمباری کا نشانہ نہیں بنا، اس لیے میں اپنی فیملی کے ساتھ معمول کی زندگی گزاروں گا'، بلکہ اہلِ غزہ اپنے گھروں کے کمرے اپنے رشتہ داروں، دوستوں اور آپ کے ان رشتہ داروں سے، جو گھروں سے محروم ہو گئے ہوتے، بھر لیتے تھے۔

ذرا اس بارے میں سوچیے، کہ غزہ میں اس 'جنگ' سے قبل کوئی بے گھر افراد نہیں تھے۔ ہمارے شہروں کے برعکس، غزہ میں سرے سے کوئی بے گھر افراد نہیں تھے۔ وہاں ایک رواج ہے، ایک فکر ہے... اور اسی وجہ سے میں دوبارہ یکجہتی کی بات کر رہا ہوں...... وہاں ایک رواج ہے جو یہ اجازت نہیں دیتا کہ کوئی شخص اپنے گھر میں رات کو آرام کی نیند سوئے جبکہ اس کی سڑک پر لوگ کھلے آسمان تلے رات بسر کر رہے ہوں۔ لوگ جانتے ہیں کہ وہ ہر آن بموں کی زد میں اور ان کے نشانے پر ہیں۔ جس رفتار سے آسمان سے بموں کی بارش ہو رہی تھی، وہ دلخراش ہے۔ کچھ وقت بیتنے پر آپ اس کے عادی ہو جاتے ہیں، لیکن وہاں ۵ سے دس منٹ بھی گزرنے نہ پاتے کہ آپ کو کسی بم کے پھٹنے کی آواز سنائی دیتی۔ غزہ ایک چھوٹی سی جگہ ہے۔ اور اس جگہ پر روزانہ ۵۰۰ سے ۶۰۰ بم گرائے جا رہے ہیں۔ اگر آپ اس چھوٹے سے علاقے کو چار سیکٹرز میں تقسیم بھی کر دیں تو بھی ہر سیکٹر میں فی دن کم از کم ۱۰۰ دھماکے ہو رہے ہیں۔

صحافی: آپ کے کولیگز نے آپ کے سامنے گزشتہ مہینوں کی کیا منظر کشی کی؟

ڈاکٹر جورجلاس: میرے ایک ہسپانوی کولیگ نے مجھے بتایا کہ جب اسرائیلی ہسپتال کے اس حصّے میں پہنچے جہاں ایم آر آئی مشین نصب تھی، انہوں نے وہاں موجود ہر شے تباہ کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ لیکن ایم آر آئی کی مشین ایک بہت بڑی مشین ہوتی ہے۔ کسی گاڑی کی طرح، اگر آپ اس پر فائرنگ بھی کریں، تو اس کی مرمت کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا وہ اپنے ساتھ ایک ماہر انجینئر کو لے کر آئے تاکہ اسے مکمل طور پر تباہ کیا جا سکے۔ کیونکہ اگر اس مشین کے بالکل ساتھ کوئی بم بھی گرا یا جائے، تو بھی اس مشین کی مرمت ممکن ہے۔ لہٰذا انہیں اپنے ساتھ اس مشین کو اچھی طرح جاننے والے ایک ماہر کو لانا پڑا، تاکہ وہ اس مشین کو ناکارہ کر سکیں۔ اور یہی وہ کام ہے جو گزشتہ فروری میں انہوں نے سرانجام دیا۔

ہمارے ہسپتال میں اسرائیلی ان وارڈز میں گئے جہاں انکیوبیٹرز رکھے گئے تھے، اور بڑے منظم انداز میں انہوں نے باری باری ہر انکیوبیٹر کو توڑا اور ناکارہ بنایا۔ انہوں نے تمام انکوبیٹرز کو کَروبارز (آہنی سلاخوں) کے ذریعے تباہ کیا۔ ان کا یہ فعل میرے کولیگز نے ریکارڈ کیا۔ جس ہسپتال میں میں نے کام کیا، وہ دو ماہ اسرائیلیوں کے زیرِ قبضہ رہا، فروری و مارچ ۲۰۲۴ء میں۔ وہ ڈاکٹر جو ہسپتال میں موجود رہے، انہیں اسرائیلیوں نے تشدد کا نشانہ بنایا۔ ان سب کو قطار میں کھڑا کیا جاتا اور پھر ان پر شدید جسمانی تشدد کیا جاتا۔ ان میں سے ۸۰ کی تعداد کو اغوا و گرفتار کر لیا گیا، ان میں سے ۴۰ کے بارے میں ابھی تک کوئی خبر نہیں کہ وہ کہاں ہیں، آیا وہ زندہ بھی ہیں یا نہیں! ان میں سے بہت سوں کو تو موقع پر ہی ہلاک کر دیا گیا۔

اگر آپ اس امر پر ہی غور کریں کہ بعض ڈاکٹروں کو بطورِ خاص ہدف کیوں بنایا جاتا، تو اس میں بھی ایک اصول و قاعدہ نظر آتا ہے۔ یہ محض اتفاقاً نہیں تھا کہ بعض ڈاکٹروں کو چھوڑ دیا جاتا اور بعض کو خصوصی طور پر ظلم و تشدد کا ہدف بنایا جاتا۔ یہ ہدف بننے والے ڈاکٹر بالعموم وہ ڈاکٹر تھے جو اپنے اپنے میدانِ عمل میں بہترین تھے! مثال کے طور پر وہاں ایک ڈاکٹر تھا جو کاکلئیر امپلانٹ (کان کے اندر سماعت میں معاون آلات لگانے اور عملِ سماعت میں معاون جراحی کرنے) کا ماہر تھا۔ اسے ابتدا سے ہی اسرائیلیوں نے اپنا ہدف بنایا۔ بعینہ اسی وجہ سے کہ وہ اپنے فن کا ماہر تھا اور نئے سرے سے سماعت کی نعمت عطا کر سکتا تھا، لہٰذا وہ مریضوں کے علاج میں کلیدی حیثیت رکھتا تھا۔ اسی طرح یونیورسٹیوں میں، ان لوگوں کو ابتدا سے نشانہ بنایا گیا جن کی علمی تحقیق و کاوشیں سب سے بہترین تھیں۔ اس پالیسی کے پیچھے کار فرما محرک یہ ہے کہ 'ہم غزہ کے مستقبل کو مٹا دینا چاہتے ہیں'۔ وہ لوگ جو غزہ کی از سرِ نو تعمیر کی صلاحیت رکھتے ہیں، علمی اعتبار سے، طبی اعتبار سے، حتیٰ کہ فنی اعتبار سے...... وہ سب نشانے پر ہیں۔

صحافی: لوگوں کا مورال کیسا ہے؟

ڈاکٹر جورجلاس: میں آپ کو اپنی ٹیم کے حوالے سے بتاتا ہوں، یعنی ڈاکٹروں کے حوالے سے۔ وہاں میرا ایک کولیگ یاسر تھا، جو ڈپریشن کا شکار تھا۔ بہت سے لوگ حالات کا سامنا بڑے حوصلے اور استقامت سے کر رہے تھے۔ کیا آپ جانتے ہیں ان کے ہاں بہت مضبوط نظام ہے ایک دوسرے کو سہارا دینے کا؟! اور اس کے علاوہ ان کا اپنے دین کے ساتھ جو تعلق ہے، وہ بھی ایک نہایت صحتمندانہ تعلق ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ ان کا دین ان کی بہت مدد کرتا ہے، لیکن اس طرح کہ دوسروں کو بھی پرایا پن محسوس نہ ہو۔ ان کے درمیان رہتے ہوئے مجھے کبھی یہ محسوس نہ ہوا کہ میں ایک غیر مسلم ہوں۔ ان کے ہاں دین انہیں جوڑنے، ان کے درمیان یکجہتی پیدا کرنے کے کام آتا ہے، ایک دوسرے کو سہارا دینے، کسی بھی قسم کی جارحیت پر ابھارے بغیر انہیں صبر عطا کرتا ہے۔ لیکن سب سے بڑھ کر، وہاں تھکاوٹ اور نڈھال پن ہے۔ ہر کسی کے ذہن میں یہ فکر موجود ہے کہ اسرائیل ان سب کو ختم کر دینا چاہتا ہے۔ انہیں غزہ سے باہر نکال دینا چاہتا ہے،۔ وہ سارا سارا دن الجزیرہ پر خبریں دیکھتے ہیں۔ اور وہاں یہ خبریں ہی ان کی زندگی ہیں! یہ دور کہیں پیش آنے والے واقعات پر مبنی تھیوریٹکل باتیں نہیں، یہ خبریں ان کا مستقبل ہیں۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۹۲ پر)

مذمت اپنی جگہ دھندہ اپنی جگہ

وسعت اللہ خان

یورپی ممالک غزہ کی لاش پر ”غم زدہ“ بھی ہیں اور اشک بار آنکھوں کے ساتھ اسرائیل کے ہاتھ میں لہراتے ”ساختۂ مغرب“ خنجر کی دھار تیز کرنے کی مشین بھی کاندھے پر اٹھائے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔

جب سے روس نے یوکرین پر فوج کشی کی، کوئی مغربی ملک روس سے کاروبار نہیں کر رہا۔ نسل کشی کے الزام میں انٹرنیشنل کرائم کورٹ کے وارنٹ نکلنے کے بعد یورپی یونین نے بھی ولادی میر پوتن پر سفری پابندیاں عائد کر رکھی ہیں۔

مگر اسرائیل کے بارے میں پابندیوں کا مطالبہ چھوڑ ایسے امکانات کے بارے میں سوالات اٹھانا بھی قابلِ تعزیر ”یہود دشمنی“ کے دائرے میں آتا ہے۔ گزشتہ ہفتے برطانیہ، فرانس اور کینیڈا نے بس اتنا ہی کہا تھا کہ ہم اسرائیل کے خلاف ”سخت“ اقدامات پر سنجیدگی سے غور کر رہے ہیں کہ نیتن یاہو نے ان تینوں ممالک پر حماس نوازی اور یہود دشمنی کا فتویٰ داغ دیا۔ مغرب اسرائیل کی گالی کو محبوب کی گالی سمجھ کے کبھی بے مزہ نہیں ہوتا اور فلسطینی بھنوئیں بھی چڑھائیں تو قابلِ مذمت ہے۔

ٹسوے، مذمت، افسردگی اپنی جگہ دھندہ اپنی جگہ۔ گزشتہ برس اسرائیل نے دنیا سے لگ بھگ ایک سو ترپین ارب ڈالر کی تجارت کی۔ اس عرصے میں امریکہ نے اسرائیل سے سترہ ارب ڈالر سے زائد کا سامان خریدا۔ دوسرے نمبر پر چین اور ہانگ کانگ نے مجموعی طور پر چھ ارب ڈالر کی اسرائیلی مصنوعات خریدیں۔ تیسرے نمبر پر آئرلینڈ نے تقریباً تین ارب ڈالر سے زائد کی مصنوعات منگوائیں۔ (ویسے آئرلینڈ دو ریاستی حل کے پرجوش حامیوں میں شامل ہے)۔

اسرائیل کی برآمدی مصنوعات میں ہیرے، ہائی ٹیک الیکٹرونکس بشمول انٹیگریٹڈ سرکٹس، آپٹیکل اور ٹیلی کمیونکیشن آلات، کیمیکل مصنوعات، بھاری مشینری بشمول زرعی و طبی آلات و ادویات شامل ہیں۔ (اسرائیل کی ٹیوو فارماسوٹیکل دس بڑی عالمی دواساز کمپنیوں میں شامل ہے)۔

اسرائیل ہیروں کی تجارت کا بھی کلیدی بین الاقوامی مرکز ہے (خام ہیرے افریقہ سمیت متعدد خطوں سے درآمد کر کے ان کی تراش خراش اور تجارت کی جاتی ہے)۔

یوں سمجھیے کہ گزشتہ برس اسرائیل نے ایک سو سترہ ممالک کو اپنا مال فروخت کیا۔ ان ممالک میں امریکہ، چین اور آئرلینڈ کے بعد علی الترتیب ہالینڈ، جرمنی، بھارت، برطانیہ، بلجیئم، فرانس، اٹلی، برازیل، اسپین، جنوبی کوریا اور جاپان بھی شامل ہیں۔

جب کہ اسرائیل نے جن ممالک سے سال انیس سو چوبیس میں تقریباً بانوے ارب ڈالر کی مصنوعات خریدیں اس فہرست میں چین (انیس ارب ڈالر)، امریکہ (ساڑھے نو ارب ڈالر)، جرمنی (ساڑھے پانچ ارب ڈالر) سمیت ایک سو بانوے ممالک شامل ہیں۔ چین نے زیادہ تر الیکٹرونک گاڑیاں، کمپیوٹر، موبائل فون اور دھاتیں فروخت کیں۔ جب کہ امریکہ نے گولہ بارود، خام ہیرے، الیکٹرونکس اور کیمیکل مصنوعات فروخت کیں (اربوں ڈالر کے سامان حرب کی امداد و فروخت کی تفصیلات الگ ہیں)۔

جرمنی سے اسرائیل نے گزشتہ برس فوجی سامان کے علاوہ گاڑیاں، الیکٹرونکس، مشینری، ادویاتی مصنوعات خریدیں۔ ترکی سالِ گزشتہ اسرائیل کو اشیا فروخت کرنے والے ممالک کی فہرست میں پانچویں، روس چھٹے، فرانس ساتویں، جنوبی کوریا آٹھویں، بھارت نویں، اسپین دسویں، برطانیہ گیارہویں، جاپان بارہویں، ہالینڈ تیرہویں، ویتنام چودھویں اور سوئٹزرلینڈ پندرھویں نمبر پر رہا۔

سال دو ہزار چوبیس میں اسرائیل نے باقی دنیا کو باسٹھ ارب ڈالر مالیت کی جو اشیا اور مصنوعات فروخت کیں ان میں اٹھارہ ارب ڈالر کی الیکٹریکل مشینری، الیکٹرونکس، مکینیکل آلات، دس ارب ڈالر کی کیمیکل اور فارماسوٹیکل مصنوعات، نو ارب ڈالر کے قیمتی جواہرات و زیورات، سات ارب ڈالر کے آپٹیکل، ٹیکنیکل اور طبی آلات اور پانچ ارب ڈالر کی معدنیات شامل ہیں۔

اسلحے کی عالمی تجارت میں دو ہزار بیس تا چوبیس اسرائیل کا حصہ تین اعشاریہ ایک فیصد رہا۔ یعنی وہ اسلحہ فروخت کرنے والے ممالک کی فہرست میں علی الترتیب امریکہ، فرانس، روس، چین، جرمنی، اٹلی اور برطانیہ کے بعد آٹھویں نمبر پر ہے۔

یہ ترقی یوں حیرت انگیز ہے کہ دو ہزار نو تا تیرہ کے پانچ برس میں اسرائیل اسلحہ فروخت کرنے والے ممالک کی فہرست میں سینتالیسویں نمبر پر تھا۔ (گزشتہ چار برس میں بھارت نے ساختہ اسرائیل چونتیس فیصد، امریکہ نے تیرہ فیصد اور فلپائن نے آٹھ فیصد اسلحہ خریدا)۔

جب کہ اسرائیل دو ہزار انیس سے تئیس کے درمیان اسلحہ خریدنے والے ممالک کی فہرست میں پندرھویں نمبر پر رہا۔ امریکہ اسرائیل کی انسٹھ فیصد اسلحہ جاتی ضروریات پوری کرتا ہے۔ جرمنی تیس فیصد اسلحہ فراہم کرتا ہے۔ اس کے بعد اٹلی، فرانس، برطانیہ اور اسپین لگ بھگ ایک فیصد دفاعی آلات و فاضل پرزے فراہم کرتے ہیں۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۵۲ پر)

غزہ میں عوام پر اسرائیلی میزائل گرنے کی تصویر، سنہ ۲۰۰۸ء

برسوں سے صہیونی یہی آگ و خون کی ہولی کھیل رہے ہیں

وہی میزائل، خوف و ہراس کی فضا، معصوم بچے اور نہتی عوام

اگر یہ ایندھن و بارود ہمارے ہی پیسوں سے پورا کیا جائے

تو ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ یہی اہلِ غزہ کل حوضِ کوثر پر نبیٔ مہربان

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ہمارے خلاف مقدمہ دائر کیے ہوئے ہوں گے!

صہیونی مصنوعات کا......

#بائیکاٹ_کیجیے!

۷ قسط

عمرِ ثالث

امارت اسلامیہ افغانستان کے مؤسس

عالی قدر امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی مستند تاریخ

مصنف: قاری عبد الستار سعید

مترجم: جلال الدین حسن یوسف زئی

ایک بار پھر میوند میں

میوند قندھار شہر کے مغرب میں واقع ضلع ہے جو افغانستان کی تاریخ میں ایک معروف علاقہ جانا جاتا ہے۔ میوند پہلی دفعہ اس وقت مشہور ہوا جب برطانوی استعمار نے دوسری دفعہ افغانستان پر حملہ کیا اور اس دوران افغان مجاہدین نے برطانوی لشکر کو آمنے سامنے کی لڑائی میں میوند کے مقام پر شکست سے دوچار کیا۔

۱۸۸۰ء میں جب قندھار شہر پر انگریز قابض ہوئے تو افغان شہزادے ایوب خان نے صوبہ ہرات سے ایک بڑے لشکر کو انگریزوں کے تسلط سے قندھار شہر کو آزاد کرانے کی خاطر روانہ کیا۔ قندھار میں برطانوی فوجی سربراہ پریمروز نے جنرل باروز کی کمان میں پیادہ فوجی دستہ اور جنرل نٹل کی کمان میں ۳۵۰ سوار ایوب خان کا راستہ روکنے کے لیے ضلع گرشک بھجوا دیے۔ جولائی کی سخت گرمی میں برطانوی فوجیوں اور افغان غازیوں کا میوند کے تپتے ہوئے صحرا میں آمنا سامنا ہوا اور سخت لڑائی شروع ہوئی۔ انگریز کے پاس توپ اور بھاری اسلحہ تھا، اس وجہ سے جنگ کے آغاز میں کئی مجاہدین شہید ہوئے (آج بھی میوند میں ان شہداء کے نام سے مشہور قبرستان موجود ہے)، قریب تھا کہ افغان غازیوں کو شکست ہو جاتی، لیکن جنگ کے آخری مراحل میں ایک افغان مجاہدہ "ملالہ" کے رجزیہ اشعار نے غازیوں کے اندر نئی روح پھونک دی، غازی آگے بڑھے اور برطانوی لشکر کو تاریخی شکست سے دوچار کیا۔ برطانوی ذرائع کے مطابق اس جنگ میں برطانوی لشکر کے ۹۶۹ فوجی ہلاک ہوئے جس میں ۲۹ فوجی افسر شامل تھے۔ کثیر تعداد میں فوجی زخمی ہوئے اور زیادہ تر وسائل جنگ کے میدان میں رہ گئے۔ افغانستان کی تاریخ انگریزوں کی ہلاکتوں کے اعداد و شمار اس سے بھی زیادہ بتاتی ہے۔ جیسا کہ سردار ایوب خان جنگ کے دوران افغانی لشکر کے سربراہ تھے تو انہیں اس فتح کی یاد میں غازی کے لقب سے نوازا گیا۔ اس جنگ نے میوند، ملالہ اور ایوب خان کے ناموں کو افغانستان کی تاریخ کا حصہ بنا دیا۔ انہی ناموں پر ملک کے مختلف علاقوں میں ہسپتال، نشریاتی و تعلیمی اداروں کے نام رکھے گئے۔ ظاہر شاہ کی حکومت کے دوران ضلع میوند کے مرکز کشک نخود میں ایک بڑا سکول بنا اور اس کا نام غازی محمد ایوب خان کے نام پر رکھا گیا۔

غازی ایوب خان تعلیمی ادارہ سوویت یونین کے حملے کے بعد ختم ہو گیا تھا، تنظیمی دور میں بھی یہ تعلیمی ادارہ ویران پڑا رہا، لیکن اس کے کمرے نسبتاً اچھی حالت میں تھے۔ ملا محمد عمر مجاہد اور ان کے ساتھی طالبان جب سنگ حصار سے میوند کے مرکز کشک نخود پہنچے، تو یہاں ان کے پاس رہائش کی جگہ نہیں تھی تو پہلی بار غازی ایوب خان نامی سکول میں پڑاؤ ڈالا اور یہی ان کا پہلا مرکز بنا۔

ایسے میں میوند نے افغانستان کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا، طالبان کی تحریک جو بعد میں امارت اسلامیہ بن گئی، اس کا آغاز بھی ضلع میوند سے ہوا اور پہلا مرکز بھی میوند کے کشک نخود میں میوند کے غازی ایوب خان کے تعلیمی ادارے میں بنا (اس وقت ضلع ژڑی نہیں بنا تھا اور سنگ حصار ضلع میوند سے مربوط تھا)۔

بندوق برداروں کے ساتھ نرمی اور سختی سے معاملے کا آغاز

ملا عمر ۱۹۹۴ء اگست کے مہینے میں اپنے ۵۴ ساتھیوں کے ساتھ جن میں صرف ۵ مسلح تھے کشک نخود پہنچ گئے اور غازی ایوب خان سکول میں مرکز بنا لیا۔ کمانڈر حاجی بشر نے ان کے ساتھ چالیس کلاشنکوفوں، پیکا، دو گاڑیوں اور چالیس لاکھ نقد افغانی رقم کا وعدہ کیا تھا۔ حاجی بشر نے، جو کہ ایک مالدار آدمی تھے اور طالبان کی تحریک کے ساتھ مخلص تھے، بعد میں طالبان کے لیے سو عدد کلاشنکوف خریدیں۔

ملا عمر اور آپ کے ساتھیوں نے پہلے روز ضلع میوند کے مرکز کو اپنے کنٹرول میں لیا اور بڑی شاہراہ کو محفوظ بنایا۔ اگلے دن طالبان نے کشک نخود سے مغرب کی طرف ملنگ کاریز کے علاقے میں کمانڈر ابراہیم نامی ایک بندوق بردار کے چیک پوائنٹ کو ختم کر دیا اور کمانڈر ابراہیم کو ریگستان کی طرف پسپا کر دیا۔ اس طرح چیک پوائنٹس ختم کرنے کا سلسلہ عملاً شروع ہوا۔ اس روز سے ملا عمر نے تحمل کے ساتھ پہلی دفعہ خون بہانے کا راستہ روکا۔ ملک خداداد کے نام سے شامیر قلعہ کا ایک کمانڈر جس کے ساتھ اس کے محافظ بھی تھے، ایک دن کشک نخود چلا آیا اور طالبان کے ساتھ منہ ماری شروع کی، معاملہ بندوق اٹھانے تک جا پہنچا۔ ایسے میں ملا صاحب نے اس کمانڈر کو، جو طالبان کو برا بھلا کہہ رہا تھا، اٹھا کر طالبان کے درمیان سے نکال دیا۔

ضلع میوند میں طالبان کے قیام کی خبر بڑی شاہراہ پر چلنے والی گاڑیوں کے ڈرائیوروں کے ذریعے دور پار کے علاقوں تک بھی پہنچ گئی اور ہر طرف سے طالبان کی آمد اور تحریک کے ساتھ جڑنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ پندرہ دن بعد ملا صاحب نے طالبان کی تشکیل قندھار شہر کی طرف کر دی اور سنگ حصار کے قریب عمومی سڑک پر سپین مسجد کے علاقے میں اپنا دوسرا مرکز بنایا۔

اس دوران طالبان کی آمد نے مزید زور پکڑا اور ہر روز دسیوں کے حساب سے نئے مجاہدین کی بھرتی شروع ہو گئی۔ قندھار کے مشہور کمانڈر ملا محمد اخوند بھی اس تحریک کا حصہ بنے اور اپنا سارا اسلحہ تحریک کے سپرد کر دیا۔ ۲۳ اگست ۱۹۹۴ء کو ملا صاحب نے بندوق برداروں کے کمانڈر داروخان اور صالح کو پسپا کر کے کارروائی کا آغاز کیا۔ یہ بندوق بردار چیک پوائنٹ والے نرمی سے چیک پوائنٹ ختم کرنے کے لیے تیار نہیں تھے، سنگ حصار سے مغرب کی طرف پاشمول کے مقام پر ان کی چوکیاں اور مورچے تھے۔ ملا صاحب نے سو سے زائد طالبان کی وہاں تشکیل کر دی، پہلے گروہ کو مولوی عبدالصمد کی قیادت میں داروخان کے مورچوں کی طرف بھجوا دیا اور خود ملا صاحب دسیوں طالبان کے ساتھ صالح کی چوکی اور مورچوں پر حملے کے لیے روانہ ہوئے۔ یہ رات کے وقت دیہاتی علاقوں سے گزرتے ہوئے پاشمول پہنچ گئے اور وہاں بڑی سڑک کی طرف اوپر چڑھے۔ داروخان کے ساتھ دو دن فائرنگ کا تبادلہ رہا اور صالح نے بغیر لڑائی کے دوسری رات اپنے مورچے خالی کر دیے۔ بعد میں داروخان نے بھی بھاگنے میں عافیت سمجھی اور پاشمول طالبان کے ہاتھ آ گیا۔

ملا جمعہ خان ضلع میوند گرماوک کے رہائشی تھے اور پاشمول کی اس جنگ میں شامل تھے۔ انہوں نے بتایا کہ جس روز ہم نے پاشمول کا کنٹرول سنبھال لیا تو وہاں کے رہائشی، جوان اور کچھ بچے جو بکریاں چرا رہے تھے، وہ ہمارے قریب آئے، یہ بچے بہت خوش تھے اور کہہ رہے تھے بہت اچھا ہوا کہ ان بندوق برداروں کو یہاں سے بھگا دیا۔ ان لوگوں نے کہا کہ یہ ایسے ظالم تھے کہ ہم نے کئی بار ان کے ہاتھوں قتل کی ہوئی عورتوں کی لاشیں دیکھیں، جو انہوں نے اپنے مورچوں کے پیچھے گڑھوں میں گرائی تھیں، اہلِ علاقہ ان لاشوں کو اٹھا کر ان کی تدفین کر دیتے۔

پاشمول کے بعد طالبان نے سنزری اور شاہ آغا کی دوراہیوں سے بھی چیک پوائنٹ ختم کر دیے اور بغیر لڑائی کے وہاں کے مقامی بندوق برداروں حبیب اللہ جان، نادر جان اور نور کو بھگا دیا۔ اس کے بعد طالبان کا سامنا حزب اسلامی کے کمانڈر سرکاتب سے ہوا۔ وہ چیک پوائنٹ ختم کرنے پر راضی نہیں ہوا لیکن طالبان کو راستہ دینے پر آمادہ ہوا تاکہ وہ قندھار کے ڈنڈہ نامی علاقے میں چلے جائیں اور وہاں ملا نقیب اور استاد عبدالعلیم کے جنگی خط کے درمیان اپنا مرکز بنائیں۔

اس دوران ملا صاحب کی حکمت عملی صلح اور دعوت کی تھی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ بندوق برداروں کے مورچوں میں جاتے اور ان کو دعوت دیتے کہ عوام کو تکلیف پہنچانے سے باز آجائیں۔ طالبان ۳۱ اگست ۱۹۹۴ء کو ضلع ڈنڈ میں پہنچے اور ۲۳ ستمبر یعنی تقریباً ایک مہینے کے اندر بندوق برداروں کو دعوت اور بات چیت کے ذریعے روکا تاکہ عام راستوں سے چیک پوائنٹس ختم کر دیں اور عوام کو تکلیف پہنچانے سے باز آجائیں۔ ملا صاحب نے قندھار شہر کے کمانڈروں سرکاتب، عبدالعلیم، امیر لالی اور دیگر کے ساتھ ملاقات کی اور ان کے سامنے اپنا مقصد واضح کیا۔ کمیونزم کے دور کے کمانڈر منصور نے، جس کا غرہ نامی گاؤں میں مرکز تھا، ترنک کے پل پر چیک پوائنٹ بنایا تھا۔ ملا صاحب اس کے مرکز چلے گئے اور اسے سمجھایا کہ اپنے چیک پوائنٹ کو ختم کر دے۔ قندھار شہر اور اطراف کے علاوہ بندوق برداروں کا دوسرا اہم مرکز سپین بولدک کا سرحدی شہر تھا۔ یہاں کی بڑی شاہراہ پر بھی مورچے اور چیک پوائنٹس بنائے گئے تھے اور ہر قسم کا ظلم اور بربریت جاری تھا۔ ملا صاحب نے بولدک کے چند مخلص مجاہدین ملا خالق داد اور ملا دوست محمد کے ذریعے اپنی دعوتی مہم کو بولدک تک پھیلا دیا۔ بولدک کے کمانڈروں کے سامنے اپنا مقصد پیش کیا جن میں سے بعض آپ کی بات پر راضی ہو گئے لیکن محمد نبی اور اختر محمد نامی بولدک کے کمانڈر بندوق برداری سے پیچھے نہیں ہٹے۔

ڈنڈ میں طالبان کا تقریباً ایک مہینے سے کچھ اوپر کا عرصہ گزر گیا تھا جس میں کچھ خاص تصادم پیش نہیں آیا، لیکن یہاں گزارے وقت نے طالبان کی تحریک کو قوت اور نظم سے روشناس کیا۔ اس مرحلے میں دیگر صوبوں اور علاقوں سے تحریک کے ساتھ طالبان کے جڑنے میں تیزی آئی اور قندھار کی نامور جہادی شخصیات ملا ربانی[1]، ملا محمد حارث، ملا بور جان اخوند[2]، ملا نورالدین ترابی

---

[1] مرحوم ملا محمد ربانی فرزند ملا امیر محمد ۱۳۷۷ھ میں صوبہ قندھار کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ نے اپنا بچپن اور جوانی دینی علوم کے حصول میں صرف کی۔ ملا محمد ربانی (جو حاجی معاون صاحب کے نام سے مشہور تھے) روس کے خلاف جہاد کے دوران مولوی یونس خالص صاحب کی حزب اسلامی میں شامل تھے اور مجاہدین کی عبوری حکومت میں حج و اوقاف کے وزارت کے معاون کی مسؤلیت پر بھی رہے۔ ملا محمد عمر مجاہد کی قیادت میں اسلامی تحریک کے آغاز کے بعد آپ اس تحریک میں شامل ہوئے اور جب دارالحکومت کابل طالبان کے ہاتھوں فتح ہوا، آپ سرپرست شوریٰ کے صدر اور بعد میں ملک کے وزیر اعظم منتخب ہوئے۔ حاجی معاون صاحب امارت اسلامیہ کے دوسرے بااثر راہنما تھے جو صاحبِ علم، حسنِ اخلاق، حلم، تواضع، ذہانت اور تقویٰ جیسی صفات کے حامل تھے۔ آپ کینسر کی شدید مرض کی وجہ سے ۱۴۲۲ھ ماہِ محرم کی پہلی تاریخ کو وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

[2] شہید ملا امین اللہ جو کہ ملا بور جان اخوند کے نام سے مشہور تھے، فرزند ملا محمد صادق ۱۳۷۹ھ میں صوبہ قندھار کے ضلع پنجوائی کے تلوکان علاقے میں پیدا ہوئے۔ ملا بور جان نے اپنا بچپن دینی علوم کے حصول میں گزارا اور روس کے خلاف جہاد میں آپ ایک بہادر اور نیک مجاہد کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔ امارت اسلامیہ کے قیام کے آغاز سے آپ اس تحریک کے ساتھ شامل رہے، اکثر لڑائیوں میں مجاہدین کی قیادت سنبھالی۔ ملا بور جان اخوند کی قیادت میں مشہور فاتحانہ کارروائیاں پکتیا کے مشرقی علاقوں سے شروع ہوئیں، صوبہ لوگر کے ضلع ازرہ، اس کے بعد صوبہ ننگرہار کے علاقے حصارک اور پھر جلال آباد شہر کو پکڑ لیا، اس کے بعد صوبہ لغمان اور کنڑ کو اپنے

اور روس کے خلاف جہاد میں حصہ لینے والی دیگر معروف شخصیات طالبان کی تحریک میں شامل ہو گئیں۔ طالبان کی صفوں میں معروف مجاہدین کی شمولیت اور اہم ذمہ داریوں پر متعین ہونے کی وجہ سے ان تمام پروپیگنڈوں کی حیثیت ختم ہو گئی جس کے بلبوتے پر طالبان مخالفین زبان درازی کرتے اور کہتے رہتے کہ طالبان کا سابقہ جہادی دور سے کوئی تعلق نہیں بلکہ مجاہدین کو ختم کرنے کی خاطر یہ تحریک اٹھی ہے۔

اسی دوران ملا محمد اخوند[3] کو تحریک کا عمومی عسکری مسئول بنا دیا گیا۔ جب بندوق برداروں کے ساتھ کئی ہفتوں کی بات چیت بے اثر ثابت ہوئی اور بولدک کے بعض بندوق برداروں نے لڑائی کی باتیں شروع کر دیں تو ۸ اکتوبر بمطابق (۳/۵/۱۴۱۵ھ) کو ملا صاحب اور ملا محمد اخوند نے ضلع بولدک پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

کارروائی کرنے کے لیے عمومی کمانڈر ملا محمد اخوند، ملا عبدالخالق اخوند، ملا حمید اللہ اخوند اور ملا محمد ربانی اخوند کے ساتھی ملا محمد اور ان کے ساتھ دیگر طالبان کا انتخاب ہوا۔

ملا محمد اخوند کے بیان کے مطابق کارروائی کی منصوبہ بندی کچھ اس طرح تھی کہ ضلع میوند اور ڈنڈ سے طالبان کے تمام گروپوں سے پانچ پانچ مجاہدین کا انتخاب کیا گیا۔ ملا صاحب کا حکم تھا کہ کسی کو اس منصوبے کی خبر نہیں ہونی چاہیے کہ حملہ کدھر کرنا ہے۔ بعد میں ان سب طالبان کو ضلع ژڑی میں ایک خالی مکان میں منتقل کیا گیا۔ اس جگہ سے ہر دو گاڑیوں (جن میں سے ایک حاجی بشر اور دوسری شہید لالا ملنگ کے مجموعے کی طرف سے تحریک کو دی گئی تھی) میں سے ہر ایک گاڑی میں تقریباً پچاس طالبان بیٹھ گئے۔ حرکت سے قبل طالبان کو باخبر کیا گیا کہ کہاں کارروائی کا ارادہ ہے، گاڑیوں کے پچھلے حصے پر شیٹ ڈالے تھے تاکہ روڈ پر سے گزرتے ہوئے بندوق برداروں کو خبر نہ ہو اور کارروائی کی منصوبہ بندی ظاہر نہ ہو پائے۔

ضلع بولدک سے کچھ فاصلے پر دونوں گاڑیوں کو روک دیا گیا، پلاسٹک شیٹ کو ہٹایا گیا، طالبان کو مختلف گروہوں میں تقسیم کیا گیا اور ہر گروہ کو ان کے اہداف دیئے گئے تاکہ پہنچتے ساتھ ہی اپنے اہداف پر کام شروع کیا جائے۔ کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد گاڑیوں نے حرکت شروع کر دی، جب ضلع بولدک کے مرکز پہنچے، تو ایک گاڑی ضلعی دفتر میں داخل ہو گئی اور دوسری گاڑی چیک پوائنٹ کے ساتھ رُک گئی۔ طالبان گاڑی سے اتر گئے اور انتہائی کم وقت میں ضلعی دفتر، اس کے محافظین، عدلیہ کا دفتر اور باقی اہم جگہوں پر قابض ہو گئے۔

اسی دن ضلع بولدک شہر کی مغربی جانب کو طالبان نے پکڑ لیا اور بندوق برداروں نے چوک کے مشرقی جانب پس قدمی کی اور ادھر ہی مورچے بنا دیے۔ دو دن اس وجہ سے جنگ رُک گئی اور قومی عمائدین کے ذریعے بات چیت جاری تھی تاکہ علاقہ بغیر لڑائی کے قبضے میں آجائے۔ لیکن دو دن بعد مغرب کے وقت جنگ کے نتیجے میں بندوق برداروں کو شکست ہوئی اور بولدک مکمل طور پر طالبان کے قبضے میں آ گیا۔

بولدک کی فتح ایک اہم واقعہ تھا جو میڈیا کے خبروں کی سرخی بنا اور پہلی دفعہ طالبان کے انقلاب کو اعلامی حیثیت ملی جسے ملک بھر میں اور عالمی دنیا نے ریڈیو کے ذریعے سنا۔ طالبان کی اسلامی تحریک کا قیام تین ماہ قبل ضلع میوند میں شروع ہوا تھا، بولدک کی فتح کے بعد میڈیا میں ان کا ذکر ہوا، عالمی اور ملکی حقائق سے بے خبر صحافیوں نے اس خبر کو ایسے پھیلایا کہ گویا طالبان کی تحریک کا آغاز بولدک سے ہوا ہے اور یہ بے بنیاد خبر طالبان کے بارے میں اکثر مطبوعات میں ملی۔

بولدک کی مکمل فتح سے اگلی صبح ملا صاحب بولدک پہنچ گئے، ملا محمد اخوند اور دیگر مجاہدین کے ساتھ مشورے کیے، بولدک شہر کی فتح کے بعد بھی ان کی یہ رائے تھی کہ قندھار شہر کے بندوق برداروں کو بات چیت کے ذریعے ظلم اور تشدد سے باز رہنے پر قائل کیا جائے۔ اس وقت طالبان کا اہم مرکز ضلع ڈنڈ میں واقع تھا، ملا صاحب اکثر اوقات رات سنگ حصار میں اپنے گھر میں گزارتے تھے اور دن کے وقت اسی راستے سے گزر کر ضلع ڈنڈ آتے جو سرکاتب کے چیک پوائنٹ سے گزرتا تھا۔

بولدک کی فتح نے قندھار کے بڑے کمانڈروں کو خوف میں مبتلا کر دیا جو اس سے قبل طالبان کو اپنے لیے کوئی بڑا خطرہ محسوس نہیں کر رہے تھے۔ یہ کمانڈر اس بات کو سمجھ گئے کہ طالبان بالآخر ان کے چیک پوائنٹس کو بھی ختم کر دیں گے۔ بولدک کی فتح کے چند دن بعد ایک رات قندھار کے کمانڈروں نے خفیہ اجلاس بلایا، اس اجلاس میں ملا نقیب کے علاوہ تمام کمانڈرز نے شرکت کی۔ یہ کمانڈرز اس بات پر متفق ہو گئے کہ طالبان کے خلاف مشترکہ طور پر جوابی

قبضے میں لے لیا اور پھر آپ نے کابل کو فتح کرنے کی کارروائی کا آغاز کیا۔ یہ کارروائی جب کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی اور کابل فتح ہو گیا، تو ملا بورجان اس لڑائی میں وریش مین تنگی کے علاقے میں ۲۴ ستمبر ۱۹۹۶ء کو شہید ہوئے۔ فاتح کابل ملا بورجان اخوند کے نام کا حصہ بنا، اسلامی تحریک کے مشہور شخصیات میں شمار کیے جاتے ہیں اور اسی راستے میں شہادت کا جام نوش کر گئے۔

[3] ملا محمد اخوند فرزندِ عبدالواحد ۱۳۸۲ھ میں قندھار کے ضلع ارغنداب کے منار گاؤں میں ایک علمی خاندان میں پیدا ہوئے۔ روس کے خلاف جہاد کے دوران ملا محمد اخوند نے قندھار کے معروف مجاہد لالا ملنگ کے گروپ میں شامل ہو کر جہاد کا آغاز کیا۔ یہ مجموعہ جو کہ مولوی محمد یونس خالص صاحب کی تنظیم کے ساتھ منسلک تھا، امارت اسلامیہ کے بعض دیگر مسؤلین ملا محمد حسن رحمانی، سید عبداللہ آغا (تورک آغا)، ملا حیات اللہ اخوند (حاجی لالا) اور کئی دیگر ذمہ داران بھی اس مجموعے کے ساتھ منسلک رہے۔ طالبان کی اسلامی تحریک کے آغاز کے ساتھ ہی آپ نے اپنے مجموعے کا سارا اسلحہ تحریک کے لیے وقف کر دیا اور اپنے مجاہدین کو طالبان کی اسلامی تحریک میں شامل کر دیا۔ آپ کو اسلامی تحریک کے عمومی عسکری مسئول کی حیثیت سے منتخب کیا گیا، ملا محمد اخوند کی قیادت میں ضلع بولدک اور پھر قندھار شہر فتح ہوا، اس کے بعد آپ نے ہلمند، فراہ اور نیمروز میں بھی مخالفین کے خلاف جنگیں لڑیں۔ بالآخر ۳ ستمبر ۱۹۹۵ء کو صوبہ ہلمند کے شوراب دشت میں مخالفین کے ساتھ آمنے سامنے کی لڑائی میں شہید ہو گئے۔

حملوں کا آغاز کریں گے۔ منصوبے کے مطابق سرکاتب کو یہ کام حوالے کیا گیا کہ صبح سویرے طالبان کے راہنما ملا محمد عمر مجاہد جب سنگ حصار سے ڈنڈ کی طرف جائیں گے تو راستے میں ان کو ایک کمین میں ساتھیوں سمیت قتل کر دیا جائے۔ دوسری جانب منصور کی سربراہی میں امیر لالی، گل آغا، سرکاتب اور دیگر بندوق بردار بولدک پر مشترکہ حملہ کریں گے اور طالبان کو ادھر ختم کر دیں گے۔ طالبان کو ختم کرنے کا یہ منصوبہ اجلاس کے تمام شرکاء نے قبول کر لیا اور ہر ایک نے اپنے حصے کی ذمہ داری کو بخوبی ادا کرنے کا وعدہ کیا۔

لیکن اجلاس کو ختم ہوئے ابھی دو گھنٹے بھی نہیں گزریں ہوں گے کہ ملا صاحب کو ساری منصوبہ بندی کا علم ہو گیا۔ اجلاس میں شرکت کرنے والا ایک فرد، جس کی طالبان کے ساتھ ہمدردی تھی، اجلاس ختم ہونے کے بعد سنگ حصار چلے گئے اور وہاں ملا صاحب کو خبر دی کہ کل آپ پر حملہ ہونے والا ہے۔

ملا صاحب کا مستقل ملا محمد اخوند کے ساتھ رابطہ رہتا تھا، آپ نے فوراً ملا محمد اخوند کے ساتھ رابطہ کیا اور انہیں قندھار کے کمانڈروں کی مشترکہ منصوبہ بندی سے آگاہ کیا، اور انہیں حملے کی صورت میں دفاع اور آگے بڑھ کر حملہ کرنے کی ہدایت دی۔ اگلے دن ملا صاحب خود ڈنڈ نہیں گئے اور اسی طرح سرکاتب کا منصوبہ ناکام ہو گیا۔ طالبان نے بولدک میں قندھار کی جانب جانے والے راستے میں دوت کے مقام پر محمد نبی کے چیک پوائنٹ کو ختم کر دیا تھا، کمانڈانوں کی جانب سے متوقع حملہ کرنے کی صورت میں اپنی دفاع کے لیے مزید آگے بڑھے اور انزرگی کے علاقے کو علاقائی کمانڈر ولی شاہ سے بغیر لڑائی پکڑ لیا۔ قندھار کے بندوق برداروں کے قافلے نے جو کثیر تعداد میں جنگجوؤں، ٹینکوں، توپوں اور دیگر بھاری اسلحے سے لیس تھا تخت پل کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیا۔

بندوق برداروں نے طالبان کو پیغام بھجوایا کہ تسلیم ہو جاؤ، ورنہ ہم تم کو خاک میں ملا دیں گے۔ لیکن ملا محمد اخوند جو جنگ میں کمال مہارت رکھتے تھے، آپ نے مقابل گروہ کو موقع دیا کہ منتشر ہو کر اپنی طاقت کا زور لگائے۔ طالبان دفاعی پوزیشن میں تھے اور دفاعی خط کی شکل میں ان کو روکا ہوا تھا۔ قندھار کے بندوق برداروں نے تین دن مسلسل اپنے بھاری اسلحے کا استعمال کیا اور تعارضی حملے کیے لیکن آگے بڑھنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ بولدک کے شکست خوردہ بندوق برداروں محمد نبی اور اختر محمد نے اس دوران حملہ کیا بولدک کے راستے میں میل کے نام سے پل پر قابض ہو گئے اور طالبان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا، ایسے میں ملا رحمت اللہ اخوند[۴] نے جوابی حملہ کر کے ان کو شکست دے دی اور ان کے کچھ افراد کو قیدی بنایا جبکہ کچھ گاڑیوں سمیت دیگر سازوسامان کو اپنے قبضے میں لیا۔ اس لڑائی کے ساتھ ساتھ طالبان نے بولدک کے پہاڑوں میں اس اسلحے کے ذخیرے پر بھی حملے شروع کر دیے جس کا تعلق ان کمانڈروں سے تھا، طالبان اسلحے کے ذخیروں پر قابض ہو گئے اور کثیر تعداد میں جنگی سازوسامان طالبان کے ہاتھ آیا۔

تخت پل کی لڑائی میں جب بندوق برداروں کے حملے ناکام ہوئے اور ان کا زور ٹوٹ گیا تو ملا محمد اخوند نے جوابی حملہ کرنے کی منصوبہ بندی بنائی۔ ایک سو پندرہ کی تعداد میں طالبان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا، خود ملا رحمت اللہ اخوند کی مدد سے سڑک کے اس پار حملہ کیا اور نچلی جانب کی مسئولیت ملا سراج الدین اخوند کو دے دی۔ آپ نے اندھیرے میں کارروائی کا آغاز کر دیا، کچھ دیر کی جنگ کے بعد دونوں اطراف کے بندوق برداروں کو شکست ہوئی اور طالبان تخت پل کے مقام پر ایک دوسرے کے ساتھ مل گئے، اس جگہ سے بندوق برداروں کا تعاقب کیا اور رات و رات قندھار کے ائیر پورٹ تک ان کو پسپا کر دیا۔ ملا صاحب ساری رات ملا محمد اخوند کے ساتھ مخابرے (وائرلیس سیٹ) پر رابطے میں تھے۔ جب طالبان تور کوتل سے آگے چلے گئے تو آپ نے امر دیا کہ ائیر پورٹ کے ساتھ رک جائیں ایسا نہ ہو کہ شہر کے اندر اندھیرے میں داخل ہونے سے نقصان اٹھانا پڑے۔

راستے میں وہ ٹینک اور گاڑیاں جو بندوق بردار چھوڑ کر بھاگ گئے تھے ان کو طالبان نے اپنے قبضے میں لیا۔ طالبان نے اگلی صبح قندھار ائیرپورٹ کو بھی اپنے قبضے میں لیا اور جب شہر کی طرف بندوق برداروں کی مزاحمت کا کوئی نام و نشان موجود نہیں تھا تو طالبان شہر کی طرف بڑھنا شروع ہوئے، اس دوران ضلع خاکریز کے وہاب خان نامی کمانڈر کا قافلہ امیر لالی کی مدد کے لیے آ پہنچا، مختصر جنگ کے بعد طالبان نے ان کو شکست دے دی اور وہاب خان امیر لالی کے کمانڈروں عبداللہ خان اور بارو کی طرح طالبان کے ہاتھوں قیدی بنا۔ اس روز غرہ نامی گاؤں میں منصور کے مرکز کو بھی قبضے میں لیا گیا اور خود منصور جو پسپا ہوتے وقت صحرا میں مارا گیا تھا طالبان نے اس کی لاش کو ائیرپورٹ کے دروازے میں ٹینک کی بیرل کے ساتھ لٹکا دیا۔

اسی طرح قندھار شہر میں امیر لالی، گل آغا، منصور اور عبدالعلیم کی جگہیں طالبان کے ہاتھ میں آ گئیں۔ ملا نقیب نے اپنے گروہ کو ختم کر دیا اور تمام وسائل اور جگہیں طالبان کے حوالے کر دیں۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۰۳ پر)

---

[۴] شہید ملا رحمت اللہ اخوند فرزند الحاج ملا فیض محمد اخوند ۱۹۷۱ء میں صوبہ قندھار کے ضلع ارغنداب کے جازہ گاؤں میں ایک دیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔

ملا رحمت اللہ اخوند اسلامی تحریک کے اولین قائدین میں سے تھے۔ قندھار شہر کی فتح، ہلمند کی کارروائیوں اور ہرات کی فتح میں کلیدی کردار ادا کیا۔ اسلامی تحریک کے پہلے عسکری مسئول ملا محمد اخوند کی شہادت کے بعد ملا رحمت اللہ اخوند کو ان کی جگہ متعین کیا گیا۔ ملا رحمت اللہ اخوند کے پاس اپنی زندگی کے آخری ایام میں کابل کے قریب ریشخور کے علاقے میں جنگی خط کی مسئولیت تھی جہاں آپ ایک بارودی سرنگ کے دھماکے میں شہید ہوئے۔

سیکولر مزاحمت اور نظام مسائل کا حل نہیں!

اریب اطہر

بلوچستان میں بلوچ آزادی پسندوں کی تحریک اپنے زوروں پر ہے۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جب بلوچ قوم پرست عسکری تنظیموں کی جانب سے سیکورٹی فورسز پر حملے نہ ہوں۔ اب تو ہر چند دن بعد کسی مخصوص علاقے کا گھیراؤ کر کے وہاں گھنٹوں تک علاقے کو کنٹرول میں رکھا جاتا ہے جس کے دوران پولیس سٹیشنز کو نذر آتش کیا جاتا ہے۔ ان واقعات کی وائرل ویڈیوز میں دیکھا جا سکتا ہے کہ عوام کسی خوف کا مظاہرہ نہیں کرتے اور اکثر مزاحمت کاروں کے ساتھ تصاویر تک بنا رہے ہوتے ہیں۔ یہ تحریک ماضی کی بلوچ مزاحمت تحریکوں سے یکسر مختلف ہے۔ ایک تو یہ سیکولر تحریک ہے، دوسرا یہ اس قوم پرستی کو فروغ دے رہی ہے جسے اسلام میں مذموم قرار دیا گیا ہے۔ نسلی بنیادوں پر کھڑی کی جانے والی تحریکیں اگر عوام کو ظلم سے نجات دلا سکتیں تو مشرقی پاکستان، مغربی پاکستان (پاکستانی جرنیلوں) سے آزاد ہونے کے بعد ایک نئے ظلم کے دور کی شروعات نہ کرتا۔ مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ بلوچستان پاکستان سے آزادی حاصل کر بھی لے تو لوگوں کی تکلیفیں اور مسائل کم نہیں ہوں گے۔ دوسری اہم بات یہ کہ یہ قوم پرست مزاحمتی تحریکیں علی الاعلان سیکولر منشور پیش کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ ان کا نظام حکومت سیکولر ہو گا۔ ایک عام بلوچ شاید اس کا مطلب ہی نہ جانتا ہو کہ سیکولر ریاست کے زیر سایہ رہنے کے کیا معنی ہیں؟ بلوچستان کا اصل حل تو خالصتاً اسلامی مزاحمت تھی۔ یہ بلوچستان میں کیوں نہ پنپ سکی اور اس خلا کو سیکولر مزاحمت کی جانب سے پر کرنا، یہ ہر اہل ایمان کے لیے فکر اور پریشانی کا باعث ہونا چاہیے۔ چہ جائیکہ مستقبل میں یہ کوئی بڑی مصیبت بن کر مسلمانوں پر مسلط ہو جائے اور پھر اس وقت ہم حیران و پریشان ہوں کہ یہ سب کیسے ہوا اور کون اس کا ذمہ دار تھا؟ بلوچستان آج اس حالت کو پہنچا کیسے؟ یہ تاریخ جاننا بھی اشد ضروری ہے۔ کیونکہ یہ تاریخ جانے بغیر، ان مسائل کی جڑ جانے بغیر، لوگوں کی نفسیات اور مزاج جانے بغیر انہیں ایسے حل کی جانب آمادہ کرنا جو ہمارا دین اسلام تجویز کرتا ہے، ہمارا کام اور سفر مشکل بنا دے گا۔

صحافی حامد میر کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ لاپتہ افراد اور بلوچ عوام کے حقوق کی بات کرنے کے سبب ہی پاکستان کی اسٹیبلشمنٹ کبھی انہیں ملازمت سے نکلواتی ہے تو کبھی نامعلوم افراد کے ذریعے ان پر قاتلانہ حملہ کروا دیتی ہے۔ بلوچستان کی تاریخ کے حوالے سے ان کا ایک ویلاگ (شاید چینل اسے ائیر کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا تھا) یوٹیوب پر موجود ہے۔ اس پروگرام میں انہوں نے مستند حوالوں سے جو تاریخی حقائق سامنے رکھے ہیں وہ ہوش ربا انکشافات ہیں۔ حامد میر ایک جگہ یہ بھی کہتے ہیں کہ فوج کی بلوچوں سے دشمنی انگریزوں سے وراثت میں انہیں ملی ہے۔ بلوچستان کی تاریخ کے حوالے سے کیے گئے پروگرام میں حامد میر کہتے ہیں برطانوی افسر جنرل ڈائیر جس نے ۱۹۱۹ء میں جلیانوالہ باغ میں نہتے ہندوستانیوں پر فائر کھولنے کا حکم دے کر قتل عام کروایا تھا، تین سال قبل بلوچستان میں بھی بدترین خونریزی کروانے کا ذمہ دار تھا۔ دراصل اسے اس خونریزی کے انعام میں ہی پروموشن ملی اور وہ جلیانوالہ باغ میں قتل عام کا مرتکب ہوا۔ جنرل ڈائر نے ریٹائرمنٹ کے بعد ایک کتاب لکھی جس میں اس نے اس جنگ کے حالات و واقعات بیان کیے ہیں جو اس نے قبائلی بلوچوں کے خلاف لڑی۔ جنرل ڈائر کی اس کتاب کا اردو ترجمہ گل خان نصیر نے کیا ہے کتاب کا نام ہے ”بلوچستان کے سرحدی چھاپہ مار“۔ پہلی جنگ عظیم میں برطانیہ کو ہندوستان سے فوجی بھرتی کرنے تھے۔ پورے مقبوضہ ہندوستان سے بھرتیاں ہو رہی تھیں لیکن بلوچستان کے بعض علاقوں نے، جن میں مینگل، سنجرانی، مری اور بگٹی قبائل شامل ہیں، بھرتی ہونے سے انکار کر دیا۔ جنگ چونکہ برطانیہ جرمنی اور ترکی کے خلاف لڑ رہا تھا اس لیے بلوچ سرداروں نے ایران کے راستے سے ترکی اور جرمنی سے رابطے بنا لیے۔ اس کے نتیجے میں انگریز سرکار نے جنرل ڈائر کو ان بلوچ قبائل کے خلاف جنگ کے لیے بھیجا۔ جنرل ڈائر اپنی کتاب میں واضح لکھتا ہے کہ اس نے سازشیں کیں، ان میں پیسے تقسیم کر کے مختلف بلوچ قبائل کو ایک دوسرے کے خلاف لڑایا۔ جنرل ڈائر نے ہزارہ قبیلے کے افراد کو بلوچوں کے خلاف اس لیے استعمال کیا کیونکہ وہ مذہبی انتقام کے جذبے سے لڑتے تھے اور بلوچوں کی لاشوں کی بے حرمتی کرتے تھے۔

قیام پاکستان کے وقت صوبہ بلوچستان برطانوی راج کا باقاعدہ حصہ نہیں تھا۔ ۱۹۴۷ء تک بلوچستان، قلات، خاران، مکران اور لس بیلہ کی ریاستوں پر مشتمل تھا، جن پر برطانوی ایجنٹ نگران تھا۔ ان میں سب سے بڑی ریاست قلات کی تھی جس کے حکمران خان آف قلات میر احمد یار خان نے پاکستان کے ساتھ خصوصی تعلقات پر مذاکرات کی پیشکش کی تھی۔ خان آف قلات بلوچستان کی علیحدہ حیثیت برقرار رکھنا چاہتے تھے لیکن پاکستان نے خان آف قلات کے اس اقدام کو بغاوت سے تعبیر کیا اور پاکستانی افواج نے خان آف قلات اور ان کی ریاست کے خلاف کارروائی کی۔ آخر کار مئی ۱۹۴۸ء میں خان آف قلات کو شکست تسلیم کرنا پڑی اور وہ پاکستان میں شمولیت پر مجبور ہو گئے۔ یہ پاکستانی فوج کی بلوچوں کے خلاف پہلی کارروائی تھی اور یوں بلوچوں اور پاکستان فوج کے درمیان تعلقات کی بنیاد ہی نفرت و دشمنی کے بیج بو کر ہوئی۔ اس کے بعد دوسری مسلح مزاحمت نواب نوروز کی جانب سے ہوئی۔ اسکندر مرزا کے دور میں ایک دفعہ جب نواب نوروز خان آف قلات میر احمد یار خان سے ملاقات کے بعد واپس روانہ ہوئے تو خان آف قلات کو گرفتار کر کے لاہور منتقل کیا گیا۔ خان آف قلات کے بعد مسلح بغاوت شروع ہو گئی۔ ایوب خان نے مشرقی پاکستان کے معاملات کو کنٹرول کرنے کے لیے مغربی پاکستان کے تمام صوبوں کو ون یونٹ یعنی ایک صوبہ بنانے کا تجربہ کیا، اسے بلوچستان میں

سخت ناپسندیدگی سے دیکھا گیا۔ نواب نوروز اور ان کے ساتھی کسی صورت ہتھیار ڈالنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

کتاب 'نواب نوروز خان اور ان کے ساتھی' میں لکھا ہے کہ بریگیڈیئر ریاض حسین نے، جو کہ اس وقت آپریشن کمانڈر تھا، مسائل کو مذاکرات کے ذریعے حل کرنے پر زور دیتے ہوئے وعدہ کیا کہ حکومت پاکستان کے ساتھ کامیاب مذاکرات اور سمجھوتے کے نتیجے میں سوراب تا لسبیلہ ایک نئی ریاست تشکیل دے کر اسے نواب نوروز کے ماتحت کیا جائے گا اور ان کی حیثیت ایک با اختیار حاکم (یعنی نواب آف مکران) کے برابر ہو گی اور مقامی انتظامیہ اور دیگر ریاستی امور ان کے ماتحت ہوں گے۔

ایک جرگہ نواب نوروز کے پاس بھیج دیا گیا اور جرگے کی گود میں قرآن کو بطور ضامن رکھ کر بھیجا گیا کہ وہ اس کی ضمانت پر پہاڑوں سے اتر جائیں۔ سرکاری وفد ان کو مسلسل قرآن کا واسطہ دے کر یہ یقین دلا تا رہا کہ حکومت اپنے وعدے پر قائم ہے۔

ڈاکٹر شاہ محمد مری نے کہا کہ نواب نوروز اور بلوچوں نے کہا کہ جب قرآن کو ضامن بنا رہے ہیں تو اس سے بڑھ کر کیا ضمانت ہو گی اس لیے جب وہ نیچے آئے تو حکومت اپنے وعدوں سے پھر گئی اور ان کو گرفتار کر لیا گیا۔

ڈاکٹر شاہ محمد مری کے مطابق گرفتاری کے بعد نواب نوروز خان سمیت بڑی تعداد میں لوگوں کو کوئٹہ کے قلی کیمپ منتقل کر دیا گیا۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ چھوٹی سی جگہ تھی لیکن اس وقت جب نواب نوروز خان کو لایا گیا تو اس میں سات سو افراد کو رکھا گیا تھا۔ کوئٹہ کینٹ میں واقع یہ جیل آج بھی بلوچستان کے ایک بہت بڑے خفیہ عقوبت خانے کی صورت میں موجود ہے۔ یہ جیل ساؤنڈ پروف ہے، باہر کی کوئی آواز قیدی نہیں سن پاتے حتیٰ کہ دن رات اور وقت کا بھی اندازہ نہیں ہو پاتا[1]۔ فوجی عدالت نے بڑی عمر کے سبب نواب نوروز کو عمر قید کی سزا سنائی جبکہ ان کے بیٹے سمیت سات افراد کو پھانسی کی سزا سنائی گئی۔ اپنے بیٹے سمیت سات افراد کی پھانسی کے پانچ سال بعد نواب نوروز ۲۵ دسمبر ۱۹۶۵ء کو حیدر آباد جیل میں وفات پا گئے۔ حیدر آباد جیل کے اس وقت کے سپرنٹنڈنٹ راشد سعید کے بقول انہوں نے حکومت سے معافی مانگ کر رہائی کے ساتھ سرداری اور جاگیر کی آفر کو بھی مسترد کیا۔

نواب نوروز کے بعد مسلح مزاحمت شیر محمد مری نے شروع کی۔ شیر محمد مری کے والد کو ۱۹۱۸ء میں انگریزوں کے خلاف بغاوت کے جرم میں پورے خاندان سمیت جلاوطنی کی سزا دی گئی تھی۔ شیر محمد خان مری نے ۱۹۴۶ء میں بلوچستان میں 'مظلوم پارٹی' کی بنیاد رکھی، جس کے قیام کا ایک بڑا مقصد سرداروں کے جبری ٹیکسوں اور مبینہ لوٹ کھسوٹ کے رواج کا خاتمہ تھا۔ اس پارٹی کے پہلے ہی کنونشن کے بعد شیر محمد کو گرفتار کر لیا گیا۔ پھر ان کے حامیوں نے مشتعل ہو کر فوجی کیمپ پر حملہ کر دیا اور فوج کو کافی نقصان پہنچایا۔ شیر محمد مری کو سبی جیسے گرم ترین مقام کی جیل میں رکھا گیا جہاں ان سے آٹا پسوایا جاتا۔ شیر محمد مری ۱۹۴۸ء کی بغاوت میں بھی شریک رہے۔ اور جب ایوب خان نے ون یونٹ کا نفاذ کیا تو شیر محمد مری نے دوبارہ گوریلا جنگ کا آغاز کیا۔ جنرل ایوب نے ان کی گوریلا کاروائیوں کے جواب میں فضائی طاقت استعمال کی جس میں مری علاقے میں شیر محمد اور ان کے رشتے داروں کے ۱۳ ہزار ایکڑ پر مشتمل باغات تباہ ہو گئے۔ ۱۹۶۹ء میں جب یحییٰ خان نے اقتدار سنبھال کر ون یونٹ کے خاتمے اور جنگ بندی کا اعلان کیا تو شیر محمد بالآخر پہاڑوں سے اتر آئے۔ اس نرمی کی ایک وجہ مشرقی پاکستان کے حالات تھے جس سے نمٹنا حکومت اور فوجی قیادت کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔

بھٹو کے دور حکومت میں پاکستانی فوج نے کوہستان، مری اور جھالاوان سمیت بلوچستان کے دیگر علاقوں میں ظلم و بربریت کا آغاز کیا۔ ہزاروں بلوچوں کو قتل اور گرفتار کیا گیا۔ جنگی ہیلی کاپٹروں کے ذریعے سول آبادیوں کو نشانہ بنایا گیا اور بلوچ نوجوانوں کو کئی فٹ بلندی سے ہیلی کاپٹروں سے نیچے پھینکا گیا، اس طرح بلوچ قتلِ عام کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کیا گیا۔

موجودہ بغاوت کی تحریک کی ابتدا اکبر بگٹی کے قتل کے بعد سے ہوئی ہے۔ اکبر بگٹی کا ماضی ایسا نہیں تھا کہ اسے بلوچوں کی ہر دلعزیز شخصیت کہا جاتا۔ ایک امریکی صحافی سلویا میتھس جس نے اپنی کتاب کی تصنیف کے لیے بگٹی قبائل میں پانچ سال گزارے۔ اپنی کتاب میں وہ اکبر بگٹی کے حوالے سے لکھتی ہیں کہ اکبر بگٹی نے اسے خود بتایا:

> ''جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے میں نے اپنی زندگی کا پہلا قتل گیارہ سال کی عمر میں کیا تھا، لیکن ضروری نہیں کہ وہ میرا پہلا ہی قتل ہو۔''

بی بی سی کے لیے ایک مضمون میں صحافی حسن مجتبیٰ لکھتے ہیں:

> ''ان کے علاقے میں لوگ بتاتے ہیں کہ ان کے قبیلے کا ایک بگٹی ان کے پاس آیا اور ان سے اپنے بھائی کے قتل کا انتقام لینے کا کہا، نواب نے اپنے محافظ سے بندوق مانگی اور موقع پر ہی اس بگٹی کو ہلاک کرتے ہوئے کہا: 'اس شخص کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں جو اپنے بھائی کے قتل کا انتقام نہ لے سکتا ہو'۔''

۱۹۷۳ء میں ذوالفقار علی بھٹو نے بلوچستان میں نیپ کی حکومت ختم کرنے پر اکبر بگٹی بلوچستان کا گورنر مقرر کیا۔ نیپ کی حکومت ختم ہونے کے ردعمل میں بھٹو حکومت کے خلاف بلوچ بغاوت

[1] اس عقوبت خانے کی قید میں کچھ وقت گزارنے کا راقم کو بھی تجربہ ہوا۔

کرنے کے لیے پہاڑوں پر چلے گئے۔ بلوچستان میں ۱۹۷۳ء کے فوجی آپریشن کے دوران بلوچ قوم پرستوں نے اسے 'غدار بلوچستان' قرار دیا تھا۔ بہر حال وہ بلوچستان کی سیاست کا حصہ رہا۔

ڈاکٹر شازیہ خالد پاکستان پیٹرولیم لمیٹڈ کی ایک ملازم تھیں اور ۱۸ ماہ سے کمپنی کے سوئی ہسپتال میں کام کر رہی تھیں۔ انہیں کمپنی کی جانب سے رہائش دی گئی تھی۔ ۲۰۰۵ء میں ۲ اور ۳ جنوری کی درمیانی رات انہیں تشدد اور ریپ کا نشانہ بنایا گیا۔ واقعہ کے بعد ڈاکٹر شازیہ کو ۳ دن تک بے ہوشی کی حالت میں رکھا گیا اور پھر اسے اور اس کے شوہر کو زبان بند رکھنے کے لیے دھمکیاں دی جاتی رہیں۔ اس واقعہ میں الزام فوج کے کیپٹن حماد پر لگایا گیا مگر مشرف نے کسی تفتیش یا تحقیقاتی کمیشن کی بجائے خود ہی منصف بن کر فیصلہ کر دیا کہ ایسا کچھ نہیں ہوا۔ مارچ کے وسط میں بگٹی قبائل اور ایف سی اہلکاروں میں جھڑپیں شروع ہو گئیں جو بالآخر اکبر بگٹی کے قتل تک جا پہنچیں۔

اکبر بگٹی کے قتل کے بعد جو مزاحمتی قوم پرست تحریک اٹھی وہ آج سب کے سامنے ہے۔ قوم پرست اور سیکولر تحریک جہاں بھی اٹھے گی یہ یقینی بات ہے کہ اس میں ظلم کا عنصر شامل رہے گا۔ کیونکہ فقط اسلام ہی وہ مذہب ہے جو جنگ کے دوران بھی شرعی اصولوں کی پابندی اور ظلم سے باز رہنے کو لازمی قرار دیتا ہے۔

اس نئی مزاحمت کو کچلنے کے لیے فوج اور اس کے خفیہ اداروں نے جو کچھ بلوچستان میں کیا ہے ان سازشوں اور ظلم کو بیان کرنے کے لیے شاید کتابیں درکار ہوں۔ شاید ہی کوئی گھر ہو جس کے خاندان کا کوئی فرد خفیہ اداروں نے لاپتہ نہ کیا ہو۔ اور یہ اتنے بڑے پیمانے پر کیا جاتا رہا ہے کہ اب ایک کاروبار کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ ایک کیس میں ایک فوجی افسر اغوا کیے شخص کے اہل خانہ سے ساٹھ لاکھ روپے سے زائد رقم اینٹھ چکا ہوتا ہے۔ مغوی شخص جس کے پاس رکھوا تا ہے وہ اسے مغوی کے دشمنوں کو بیچ ڈالتا ہے جو اسے قتل کر ڈالتے ہیں۔ فوج اپنی حمایت کے لیے سرداروں کو منشیات اور اغوا سمیت جرائم کا لائسنس دیے رکھتی ہے۔ سردار عبدالرحمن کھیتران کی مثال کس سے پوشیدہ ہے۔ اس کا بیٹا گواہی دیتا ہے کہ میرا باپ فلاں غریب شخص کے اہل خانہ کو یرغمال بنائے ہوئے اس کی بیٹی کے ساتھ ریپ کر رہا تھا بیٹی کی ماں قرآن ہاتھ میں لے کر فریاد کرتی ہے کہ مجھے اس خبیث کی قید سے رہائی دلواؤ۔ وہ ویڈیو وائرل ہوتی ہے جسے دیکھ کر پورا ملک دہل کر رہ جاتا ہے۔ لیکن کچھ دن کے شور شرابے کے بعد سب کچھ نارمل ہو جاتا ہے۔ فوج کی ڈھٹائی دیکھیے کہ وہ اسی بدکردار ظالم شخص کو اسمبلی کا ممبر بنوا دیتی ہے۔

جیسا کہ میں نے اس مضمون کے شروع میں لکھا کہ بلوچستان کے منظر نامے میں اسلامی مزاحمت کا خلا پایا جاتا ہے اور اس کے تدارک کے لیے ضروری ہے کہ کم از کم دعوتی سطح پر بھر پور کوشش کی جائے۔ وہ افراد جو اس مسئلے کی نزاکت کو سمجھتے ہیں اور براہوی اور بلوچی زبان پر عبور رکھتے ہیں یہ ان کا فرض بنتا ہے کہ سیکولرزم کے مضمرات سے بلوچ قوم کو آگاہ کریں۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ بلوچ قوم پر ظلم کی بنیاد ڈالنے والے انگریز اور مغربی استعمار کے نظام کو ہی اپنا لیا جائے۔ اور انہی کے طور طریقوں، احتجاج حتی کہ عسکری مزاحمت کا راستہ بھی انہی کے اصولوں کے مطابق اپنایا جائے۔

☆☆☆☆☆

نظر کی حفاظت

"نظر کی حفاظت بہت عظیم عبادت ہے۔ آنکھ سے زنا کرنا، یعنی بد نگاہی، یہ بھی زنا ہے، اور اس کا گناہ بہت بڑا ہے۔ قرآن نے فرمایا:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ

"اے نبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ! مؤمنوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نگاہوں کو کنٹرول کرنا ایمان کا تقاضا ہے۔ جو بندہ نظر کی حفاظت نہیں کرتا، اس کے دل میں نورِ ایمان بجھ جاتا ہے۔ بد نگاہی سے دل میں بدبو پیدا ہوتی ہے، اور پھر عبادت کا ذوق ختم ہو جاتا ہے۔

بد نگاہی دراصل شیطان کا پہلا تیر ہے جو دل پر لگتا ہے۔ پھر یہی نظر بد فکری بناتی ہے، بد فکری بد خواہی بناتی ہے، اور بد خواہی گناہ میں مبتلا کر دیتی ہے۔

کامیاب وہی ہے جو اپنی نگاہ پر پہرہ دے، اور جب نظر بھٹکنے لگے تو فوراً دل میں کہے: 'یا اللہ! یہ آنکھ تیری امانت ہے، میں اس میں خیانت نہیں کروں گا۔' ایسی نیت سے دل میں نور آئے گا، اور دل کی چمک سے اللہ کا قرب نصیب ہو گا۔

جو جوان نظر کی حفاظت کرتا ہے، وہ اللہ کا محبوب بندہ بن جاتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے:

اَلْعَيْنَانِ تَزْنِيَانِ وَزِنَاهُمَا النَّظَرُ

"آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا دیکھنا ہے۔" (مسلم شریف)

اے عزیز دوست! جب نگاہ محفوظ ہو گی تو دل پاک ہو گا، اور جب دل پاک ہو گا تو اللہ کی معرفت کا راستہ کھل جائے گا۔ جو اپنے دل کو نگاہ کے ذریعے گندا کرتا ہے، وہ اللہ سے محروم ہو جاتا ہے۔

نگاہ کی حفاظت مجاہدہ ہے، مگر اسی میں ولایت کا راز پوشیدہ ہے۔"

حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر ؒ

(بحوالہ: دل کا علاج)

دخترانِ کشمیر کے نام: ایمان، حیا اور استقامت کا پیغام

محمد طارق ڈار شوپیانی

اے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی عصمت شعار بیٹیو!

اے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فکری و روحانی بیٹیو!

اے ان شہداء کی نورِ نظر بیٹیو جن کے خون نے تاریخ کے اوراق کو ہمیشہ کے لیے روشن کر دیا!

اے میدانِ حق کے ان غازیوں کی صابر و شاکر بہنو جن کی استقامت رہتی دنیا تک ایک بے مثال درس ہے!

آپ کی سمت، قلب کی عمیق گہرائیوں سے، آپ کے اس بھائی جانب سے، یہ ایک مکتوب ہے۔

یقیناً، آپ وہ بنیادی سرچشمہ ہیں جہاں سے ہر عظمت پھوٹتی ہے، آپ ان بے شمار شہداء اور قائدین کا ورثہ ہیں، جنہوں نے تاریخ کے اوراق کو روشن کر دیا۔ آپ ہر خاندان، ہر معاشرے اور ہر عظیم تحریک کا لازمی سنگِ بنیاد ہیں، وہ مرکزی محور ہیں جس کے گرد ایک متحرک معاشرہ گردش کرتا ہے، اور وہ غیر متزلزل ستون ہیں جو کسی بھی عظیم تحریک کو سہارا دیتا ہے۔

اگر آپ کا وجود راست بازی اور نیکوکاری کا پیکر رہے گا، تو ہماری آنے والی نسلیں بھی لازماً اسی پرہیز گاری اور رہنمائی کی عکاس ہوں گی۔

لیکن خدانخواستہ، اگر آپ لغزش کا شکار ہو گئیں یا صراطِ مستقیم سے بھٹک گئیں، تو یہ پوری عمارت بکھر کر زمیں بوس ہو جائے گی، اور ہماری آئندہ نسلیں گمراہی کی بھول بھلیوں میں بھٹکتی پھریں گی۔

خشتِ اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

فارسی شاعر نے کہا ہے کہ جب عمارت کی پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی رکھ دی جائے تو آخر تک عمارت ٹیڑھی ہوتی چلی جاتی ہے۔

آپ ہی وہ مستحکم فصیل، وہ ناقابلِ تسخیر حصار ہیں، جو ہر تحریک کے بلند عزائم کی پشت پناہی کرتا ہے۔ اگر یہ بنیادی قوت ڈگمگا گئی، تو دوبارہ سر اٹھانے کا صبر آزما سفر تقریباً ناقابلِ عبور ہو گا۔

اے "زونا بی بی مجاہدہ"، جو ڈوگرہ ظلم و ستم کے خلاف ڈٹ کر ایک مثال بنی! اے کمانڈر غازی بابا رحمۃ اللہ علیہ کی دلیر اور معزز بیوہ!

اے اسیرانِ قفس "آسیہ اندرابی"، "صوفی فہمیدہ"، "نسیمہ بانو"، اور بے شمار دیگر گمنام ہستیوں کی روحانی بہنو اور بیٹیو!

ان کی قربانیاں اس فانی دنیا میں شاید بے نام ہوں، لیکن ان کی عظمت کا اعلان آخرت میں جلوہ گر ہو گا۔

تو پھر، آپ کے دل کیسے ان کی قربانیاں، ان کے بے پایاں صبر، اور ان کی اذیتوں کو بھلا سکتے ہیں؟

کیا آپ شوپیاں کی اس ایک سالہ معصوم بچی کو بھول گئی ہیں جس نے ابھی دنیا دیکھی بھی نہ تھی، اور پیلٹ گن نے اس کی آنکھوں کی روشنی چھین لی؟

کیونکر آپ خود کو اس بات کی اجازت دے سکتی ہیں کہ اپنے شہید بھائیوں اور شہید باپوں کی اس مقدس یاد کو فراموش کر دیں، جن کے خونِ پاک نے اس سرزمین کو سیراب کیا ہے؟

آپ کی ہستی کیسی منفرد اور دلیر تھی، ایسی نہ تھی جو آج نظر آتی ہے! میری یادوں کے اوراق پر وہ شاندار ایام آج بھی نقش ہیں جب عزمِ صمیم کے ساتھ، آپ مجاہدین اور ہندو فوج کے مابین جھڑپ کی خبر سنتے ہی مجاہدین کی مدد کرنے بے خوف و خطر نکل آتی تھیں۔

آپ نے تو جرأت کی داستانیں رقم کی ہیں، اسلامیہ کالج سے لے کر ویمنز کالج سرینگر کی راہداریوں تک، آپ کے ہاتھ سے نکلے ہوئے سنگریزوں نے محض ضربیں نہیں لگائیں، بلکہ سرکش ظالموں کے غرور کو پاش پاش کر ڈالا تھا۔

آپ ہی تو شجاعت کا پیکر ہیں، اس عظیم اور پاکیزہ امت کی سچی، نجیب بیٹیاں، جو عظمت کے لیے ہی پیدا کی گئی ہیں!

لیکن آہ! یہ کیسی آفت آ پڑی ہے؟ کیا وقت کی کج رفتار موجیں، اپنے فریبانہ جال میں لپیٹ کر، آپ کے فطری عزم و استقلال کو بہا لے گئی ہیں؟ کیا آپ نے اپنے اسلاف کی قربانیوں اور ہمارے دکھوں کی داستانوں کو فراموشی کے گڑھے میں دھکیل دیا ہے؟ کیا غاصبانہ قبضے کی رنگین، پرفریب زنجیروں نے آپ کی پاکیزہ روحوں کو گرویدہ بنالیا ہے اور آپ کے دلوں کو جکڑ لیا ہے؟

میری روح تڑپ اٹھتی ہے، اس حالت پر نوحہ کناں ہے جس حال میں استعماری طاقتوں کی مکروہ چالوں نے آپ کو دھکیل دیا ہے۔

اے ارضِ کشمیر کی بیٹیو! اپنی رگوں میں سلگتے اس شعلے کو یاد کرو، اپنی ماضی کی عظمت کے بجھتے ہوئے انگاروں پر مایوسی کی گرد ہر گز مت جمنے دو! کیونکہ تمہاری یہ غفلت دشمنوں کو مزید جری کر رہی ہے۔ بیدار ہو جاؤ! اور اپنی میراث کو دوبارہ حاصل کرو، کیونکہ آزادی کی سحر تمہاری بیدار روحوں کی منتظر ہے۔

یہ کیسی تبدیلی آگئی ہے آپ میں، اور یہ کیسے شیطانی حربے کھیلے جا رہے ہیں؟ اے میری عزیز بہنو! خوب جان لو کہ غاصب استعماری طاقتیں، اپنے زہر آلود عزائم کے ساتھ، اپنی تمام تر خبیث قوت صرف کر رہی ہیں کہ آپ کو اپنے مقدس دین سے بھٹکا دیں، وہ اس حقیقت کو سمجھتے ہیں کہ اگر آپ، جو ہمارے مستقبل کا اصل سرچشمہ ہیں، ثابت قدم رہیں، اگر آپ حق پر ثابت قدم رہیں، تو شاید آج نہیں تو کل، آنے والی نسلیں ان کے ظلم کے خلاف ایک پر عزم سیلاب کی مانند اٹھ کھڑی ہوں گی۔

وہ بے شمار پیچیدہ اور بدنیتی پر مبنی استعماری ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں، جنہیں آپ کے ایمان اور شناخت کے تار و پود کو بکھیرنے کے لیے بڑی باریک بینی سے تیار کیا گیا ہے۔

میری بہنو! ان کے مکروہ ہتھکنڈوں کا بغور مشاہدہ کرو، جو آپ کو روحانی غفلت کی نیند سلانے کے لیے بنائے گئے ہیں:

۱. **منصوبہ بند سماجی اجتماعات اور محفلیں:** وہ نہایت چابکدستی سے پر تعیش محفلیں، رقص و سرود کی مجلسیں، اور شاندار پارٹیاں منعقد کرتے ہیں، صرف سماجی میل جول کے لیے نہیں بلکہ مکارانہ جال بچھانے کے لیے۔ یہ شاہانہ تقریبات مقامی اشرافیہ کو، بالخصوص ہماری بہنوں کو خفیہ سیاسی گٹھ جوڑ بنانے کے لیے، آزمائش میں ڈالنے کے لیے ڈیزائن کی گئی ہیں۔ جس سے آپ میں وہ غیرتِ ایمانی، مزاحمت پسندی آہستہ آہستہ مٹ جائے اور بے فکری کی سطحیت کا کلچر فروغ پائے۔

۲. **فریب پر مبنی ثقافتی نمائشیں اور میلے:** وہ پر شکوہ میلے منعقد کرتے ہیں، بظاہر استعماری اشیاء، غیر ملکی دستکاریوں اور دلکش تفریح دکھانے کے لیے، لیکن اس ظاہری پردے کے پیچھے، وہ ہماری بہنوں کو نہایت ہوشیاری سے نئے، بظاہر بے ضرر تجربات کی طرف راغب کرتے ہیں اور مادی فریب کاریوں کا جال بچھاتے ہیں۔ جس کا مقصد ہماری اپنی کامل میراث کے بارے میں احساسِ کمتری پیدا کرنا ہے، جبکہ خاموشی سے اجنبی ثقافتی روایات کو مسلط کرنا ہے، جو ہماری شناخت کے لیے زہر ہیں۔

۳. **سوچے سمجھے انداز میں ترتیب دیے گئے کھیل اور مقابلے:** کھیل اور مقابلے نہایت سوچے سمجھے انداز میں متعارف کروائے جاتے ہیں، اور ہماری بہنوں کو شرکت کرنے یا محض دیکھنے کے لیے مدعو کیا جاتا ہے۔ یہ بے ضرر مشاغل نہیں ہیں، بلکہ تیار کردہ حربے ہیں، جن کا مقصد روایتی رکاوٹوں کو ختم کرنا، بے تکلف میل جول کو فروغ دینا، اور حیا و دینی وقار کے اس تقدس کو آہستہ آہستہ ختم کرنا ہے جو ہماری پہچان ہے۔

۴. **پروپیگنڈا سے بھرپور سیر و سیاحت:** ان کے شہروں، جدید انفراسٹرکچر، اور تہذیب یافتہ علاقوں کی باقاعدہ سیر و سیاحت کا انتظام کیا جاتا ہے، ان سیروں کا مقصد دلوں کو مسخر کرنا اور متاثر کرنا ہے۔ ان کو بظاہر ایجوکیشنل ٹور کا نام دیا جاتا ہے لیکن درحقیقت یہ محض سیاحت یا ایجوکیشنل ٹور نہیں بلکہ آپ کو احساسِ کمتری میں مبتلا کرنے کی سازش ہوتی ہے، تاکہ بالآخر آپ حیا کا دامن چھوڑ دیں اور ان کے طور طریقے اپنا لیں۔

۵. **تخریبی تعلیمی اور مذہبی تہوار:** اسکولوں اور مشنوں میں ان کے تہوار بڑے پیمانے پر منعقد کیے جاتے ہیں، یہ تقریبات جذب کرنے کے طاقتور ذرائع کے طور پر کام کرتی ہیں، ذہنوں کو خاموشی سے استعماری فکری نمونوں میں ڈھالتی ہیں اور ہمارے عقائد کی پاکیزگی کو گھٹاتی ہیں، جس کا مقصد آپ کو آپ کے دین سے کاٹنا ہے۔

۶. **مکروہ بھگوا لو ٹریپ اور ارتداد:** سب سے زیادہ سنگین، وہ بھگوا لو ٹریپ کو پھیلا رہے ہیں، یہ ایک بے مثال خبث پر مبنی گھناؤنی اور درندہ صفت سازش ہے، وہ اپنے ایجنٹوں کو آپ تک رسائی اور مالی مدد فراہم کرتے ہیں تاکہ وہ آپ کو حرام تعلقات میں مکاری سے پھنسا سکیں، جس کا مقصد آپ کو ارتداد اور ہندومت میں تبدیلی پر مجبور کرنا ہے، اس مکروہ کوشش میں کالے جادو کے تاریک ہتھکنڈے بھی استعمال کیے جاتے ہیں۔ یہ ان کی شیطانیت کی گہرائی اور ہمارے ایمان اور خاندانوں کی حرمت پر ان کے بے رحمانہ حملے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

یہ محض (social engineering) نہیں، یہ ایک روحانی جنگ ہے، ہمارے دین پر، ہماری شناخت اور ہماری نسلوں کے مستقبل پر ایک سوچا سمجھا حملہ ہے۔

ہوشیار رہو، میری بہنو! کیونکہ سب سے بڑی جنگ آپ کے دلوں اور دماغوں میں لڑی جا رہی ہے۔ آپ کی ثابت قدمی ان کے مکروہ عزائم کے خلاف آخری ڈھال ہے، اور آپ کی بیداری ہماری حتمی فتح کا وعدہ۔

میرے قلب پر کرب کی ایک گہری گھٹا چھا جاتی ہے، ایک روح فرسا اذیت میری روح کو نچوڑ دیتی ہے، جب میں آپ کو ان ظالمانہ استعماری ہتھکنڈوں کے مکارانہ فریب میں رفتہ رفتہ گرفتار ہوتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ میری آنکھیں آنسوؤں سے دھندلا جاتی ہے جب میں اپنی ہی بہنوں کو دیکھتا ہوں، جو کبھی حیا اور استقامت کی مشعل بردار تھیں، اب ان کی لغو محفلوں میں ذوق و شوق سے شرکت کرتی ہیں۔ میں انہیں دیکھتا ہوں کہ وہ ان ہی ظالموں کے منظم کردہ دوروں پر روانہ ہوتی ہیں، شاید ان کے ذہنوں کو ہر منظر میں پنہاں خفیہ تخریب کاری سے بے حس کر دیا گیا ہے۔ میں انہیں دیکھتا ہوں کہ وہ ان کھیلوں میں مشغول ہوتی ہیں جو ظالموں نے بڑی منصوبہ

بندی سے ترتیب دیے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کے بیگانے تہواروں میں شامل ہوتی ہیں، یوں اپنے ایمان اور اپنی شناخت کی حدوں کو دھندلا رہی ہیں۔

لیکن سب سے زیادہ کربناک زخم، وہ منظر جو میری روح کو دکھ سے چھلنی کر دیتا ہے، وہ بھگوا لو ٹریپ کو بے نقاب کرنے والے پلیٹ فارمز پر دل دہلا دینے والے انکشافات ہیں۔ جہاں ہندو افراد کے ساتھ ناجائز (حرام) تعلقات میں پھنسی ہماری کشمیری بیٹیاں، المناک انداز میں ایکسپوز ہو رہی ہیں۔ صرف ایک سال میں ارتداد کی چھ یا سات خبریں سامنے آئی ہیں، لیکن میرا دل اس حقیقت سے لرز اٹھتا ہے کہ اعداد و شمار کہیں زیادہ ہیں، جو خاموشی کے پردے تلے پوشیدہ ہیں۔

تو کیونکر آپ نہیں سمجھ پا رہیں کہ یہ محض تقریبات، تفریح یا کھیل مقابلے نہیں، بلکہ آپ کی عزت کو تاراج کرنے، آپ کو اپنے ماضی سے کاٹنے، اور آپ کے اندر سے اس دین کی شمع کو بجھانے کی ایک باریک بینی سے تیار کردہ سازش ہے۔ یہ مکار دشمن آپ کو اپنے رنگ میں رنگنا چاہتے ہیں، آپ کے جوہر کو اس حد تک گھٹا دینا چاہتے ہیں کہ آپ کی پہچان مٹ جائے۔

یاد کرو کہ آپ حقیقتاً کون ہو، یاد کرو اپنی ماؤں، اپنی دادیوں کو، جنہوں نے اپنی جانیں دے کر اپنے ایمان کی حفاظت کی، بیدار ہو جاؤ، اس سے پہلے کہ ہماری شناخت کی آخری رمق بھی اس مکروہ ظالمانہ یلغار میں گم ہو جائے۔

میری بہنو! آپ ہمارے مستقبل کی نبض ہیں، اس تڑپتے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی اس التجا کو سنو!

کیا ابھی تک آپ نے اس لمحے کی گہرائی اور سنگینی کو محسوس نہیں کیا؟ غاصبوں کی مکارانہ آوازیں، جو کبھی دور کی سرسراہٹ تھیں، اب ایک بہرا کر دینے والی چیخ بن چکی ہیں، آپ کے دین سے آپ کے روحانی رشتے کو توڑنے، اور حق کی تابناک راہ کو دھندلا دینے کے لیے فریب کا تانا بانا بن رہی ہیں۔ وہ آپ کی رگوں میں بھڑکنے والی غیرت کی آگ کو بجھانا چاہتے ہیں، اور اس کی جگہ بے حسی اور غلامی کی سرد راکھ بچھانا چاہتے ہیں۔

اے شجاع بہنوں اور بیٹیو!

خوب جان لو!، آپ محض حالات کی ماری نہیں، بلکہ ایک بے مثال وراثت کی امین ہو، اپنے شہید آباء و اجداد اور بھائیوں کے پاکیزہ لہو سے مہکی ہوئی، دخترانِ حق ہو۔

آسیہ اندرابی، صوفی فہمیدہ اور وہ تمام مائیں بہنیں جو آج بھی تہاڑ جیل کی آہنی دیواروں کے پیچھے قیدِ صعوبت میں ہیں، انہیں اپنا چراغِ راہ بناؤ، انہوں نے خود کو قربان کر دیا، مگر اپنے ایمان کا سودا نہ کیا، جانتی ہو کس لیے؟ دینِ مبین کے خاطر، اس حقیقی آزادی کی خاطر، وہ آزادی جو صرف اللہ کی بندگی میں مضمر ہو، انسانی محکومی میں نہیں۔

آج آپ کی دین پر ثابت قدمی محض ایک ذاتی انتخاب نہیں، یہ کفر سے بغاوت کا عمل ہے، ارتداد اور استعماریت کی یلغار کے خلاف ایک مضبوط حصار ہے۔ آپ کا حیا کو برقرار رکھنے کی جانب اٹھایا گیا ہر قدم، ان کے فریبانہ پیشکشوں کو رد کرنا، آپ کی اسلامی شناخت کو اپنانا، یہ سب اس عہد کی ایک نئی تصدیق ہے جو ہم نے ان شہداء سے کیا تھا کہ یا تو شریعت ہو گی یا پھر شہادت! اگر آپ حق پر ثابت قدم رہیں، اگر آپ اپنے دلوں میں ایمان کے بیجوں کی آبیاری کریں گی، تو آنے والی نسلیں کسی جابر نظام کی کٹھ پتلی بن کر نہیں اٹھیں گی، بلکہ حق کے مضبوط مجاہدین بن کر ابھریں گی۔

آنسوؤں کو نئے عزم کی چنگاریوں میں بدل دیجیے! آپ کی ماضی کی یادیں آپ کی روحوں میں جہاد کی آگ بھڑکانے کے لئے کافی ہیں۔ بیدار ہو جاؤ، میری عزیز بہنو! اپنی حقیقی حیثیت کو پہچانو! اس امت بالخصوص اس وادی کے مستقبل کی نگہبان کے طور پر اپنا مقام دوبارہ حاصل کرو! وہی آپ کا اصل مقام ہے، کیونکہ حقیقی آزادی کی سحر، ہمارے احیاء کی سحر، آپ کے دین کی راہ پر واپسی پر منحصر ہے۔

ان پر آشوب اور گمراہ کن دھاروں میں، اپنے ایمان کی اٹوٹ رسی کو اور بھی مضبوطی سے تھامے رکھو۔ یقیناً رب العالمین نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ثابت قدم رہیں، اور جو اس کے راستے پر ڈٹ جائیں، ان غاصبوں کے زریں فریب اور عارضی چمک سے اپنی نگاہیں ہٹا لو، جو آپ کو راہِ حق سے بھٹکانا چاہتے ہیں۔ ان کی پرکشش سرگوشیاں محض فریب ہیں، ایک پردہ جو حق کے تابناک راستے کو ڈھانپ رہا ہے۔

اپنے ایمان، اپنی حیا اور اپنی غیرت کی کڑی حفاظت کرو، خود کو بے حیائی کی ریشہ دوانیوں اور فحاشی کے زہر آلود اثرات سے بچاؤ، ان کے تاریک سائے آپ کی روح میں روشن نور کو ہرگز مدھم نہ کر دیں۔

نماز کی پابندی کو اپنا شعار بنا لو، کیونکہ یہی بے حیائی اور گناہوں سے بچنے کا سب سے بڑا اور مضبوط قلعہ ہے۔ پردے کو اپنی زینت بناؤ، جو اللہ رب العزت کا فرض کردہ حکم ہے اور جو آپ کی عصمت و آبرو کا محافظ ہے۔ قرآنِ پاک کو اپنی رہنمائی کا دائمی سرچشمہ بناؤ، اس سے اپنا تعلق مضبوط کرو، کہ یہی آپ کی روح کی غذا اور ہر اندھیرے میں راہِ نجات ہے۔

سیرت امہات المومنین، صحابیات رضی اللہ عنہن کی زندگیوں کا گہرا مطالعہ کرو، جو ہر دور کی مسلم خواتین کے لیے مینارۂ نور ہیں۔ ان کی استقامت، ان کا صبر، اور ان کا اللہ سے تعلق آپ کو ہر آزمائش میں حوصلہ دے گا اور آپ کے قدموں میں ثبات بھر دے گا۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۹۲ پر)

ثكلتنا أمهاتنا إن لم ننصر رسول الله...

ہماری مائیں ہم پر روئیں اگر ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت نہ کی

مولانا ابنِ عمر عمرانی گجراتی

ایک طرف سرزمین ہند پر دنیا کی عظیم الشان درسگاہ دار العلوم دیوبند وقوع پذیر ہے جہاں اعلیٰ اسنادِ حدیث کی نسبت حاصل کرنے شرق و غرب سے عاشقان رسول، شائقین علم حدیث اپنی پیاس بجھانے آتے ہیں تو دوسری جانب اسی سرزمین ہند پر ایسے لعنت زدہ خطے بھی موجود ہیں جہاں محبوب از دل و جان، عزیز از ہر شئے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بدترین درجے کی توہین آمیز وارداتیں متواتر پیش آرہی ہیں، ایک جانب اسی کرۂ ارض پر تحفظ سنت، ختم نبوت جیسی گراں قدر مہمات کو انجام دیا جارہا ہے تو دوسری طرف یکے بعد دیگرے ناموس رسالت پر کیچڑ اچھالے جانے کی داستانیں ایک غیر معمولی جرم سے ہٹ کر معمولی اور عادی سلسلہ بنتی جارہی ہیں۔

فکر طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ اس طرح اپنے اپنے کار خیر پر مطمئن و مگن ہو کر بیٹھ جانا اور ان گستاخوں و گستاخیوں کو ٹھنڈے پیٹ برداشت کر لینا کہیں قرآن کریم کے فرمان ﴿الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا﴾[1] کا مصداق تو نہیں بنا دے گا ہمیں؟

آخر کس بنا پر اس قدر خاموشی و بے خیالی کا مظاہرہ ہے اُس مسئلے پر جو اس قدر سنگین ہے کہ اس پر سمجھوتہ یا چشم پوشی کرنا ایمان کو مشکوک کر سکتا ہے، وقف ترمیمی کا مسئلہ ہو یا شہریت ترمیمی کا، حقوق اقلیت میں زیادتی ہو یا نت نئی ظالمانہ پابندی میں بڑھوتری، سب ناموس رسالت کے قضیے کے مقابلے میں معمولی ہیں......

بھگوا ہندتوا غنڈے ایک ماب لنچنگ کے لیے سیکڑوں کو جمع کر لیتے ہیں جیسا کہ حال ہی میں مئی کے مہینے میں صوبہ اتر پردیش کے علاقے علی گڑھ کا واقعہ پیش آیا کہ ۳ بے قصور مسلمانوں پر الزام تراشی کر کے ۳۰۰ لوگوں کی بھیڑ نے شدید بے رحمی سے مار مار کر ان کی حالت کو تشویشناک بنا دیا، بے بنیاد اور معمولی معاملوں میں عبدۃ الشیاطین متحد و مجتمع ہو کر اپنا خونخوار جم گھٹا تیار کر لیتے ہیں لیکن مسلمان ناموس رسالت جیسی سرخ لکیر کو کراس کرنے پر اپنے جسم کیا زبان کو بھی جلدی حرکت دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

ان چند دنوں کے دوران ہندوستان میں ناموسِ رسالت سے تعرض کے ایک دو نہیں بلکہ پانچ سے چھ واقعات پیش آچکے ہیں، جس قدر گستاخیاں ان پانچ سالوں میں ہوئی ہیں اتنی گستاخیاں بھارت میں پچاس سالوں میں نہیں ہوئیں (بلا مبالغہ) اور تعجب یہ کہ جیسے جیسے اس خطرناک و خبیث حرکت میں اضافہ ہوتا جارہا ہے اتنا ہی مسلمانانِ ہند کی حس و غیرت میں تنزلی آتی جارہی ہے اور اسی بڑھتی ہوئی بے غیرتی کا ثمرہ ہے کہ یہ واقعات ایک عادی رنگ اختیار کیے جارہے ہیں، اندیشہ ہے کہ اس طرح یہ پر خطیر جرم کو Normalize نہ کر دیا جائے۔ اگر واقعی ایسا ہو گیا تو اے مسلمانو! ہمارا اور تمہارا جینا کس کام کا؟ جس نبیؐ کی محبت کا لوگوں میں پیدا کرنا ہمارا فریضہ تھا اس نبی کے خلاف نفرت کو بڑھتا دیکھ کر ہم چین سے رہ لیں تو یہ چین کس کام کا؟ اگر عظمتِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر کچھ قدم اٹھانے سے کسی مسلمان کا سکون مجروح ہوتا ہے تو پھر وہ بتائے کہ اس کو سکون آتا کیسے ہے اتنے بڑے منکر کو دیکھ کر؟ نہ ہاتھ سے اس منکر کو تبدیل کیا جارہا ہے نہ زبان سے، باقی اب اللہ جانے دل میں بھی کس حد تک اس پر رنج ہے، دنیائے باطل کی تو یہی چاہت ہے کہ وہ آزادی رائے کے نام پر دلوں سے اس منکر کے منکر ہونے کا تاثر ہی ماند کر دے جس کے نتیجے میں انکار کی ہلکی پھلکی رمق بھی چلی جائے (لا قدر اللہ)۔

پانچ سال قبل یتی نرسنگھ آنند نامی بدبودار پنڈت نے خبیث و غلیظ ترین جملے کہے تھے شان رسالت میں جس کے رد میں کافی حد تک مسلمانوں کا عملہ حرکت میں آیا تھا، پھر اس کے کچھ عرصے بعد نپور شرما نامی عورت نے اپنی نجس زبان چلائی تو جواباً عرب و عجم میں ہر طرف طوفان مچ گیا اور ہندوستان کا معاشی بائیکاٹ کیا جانے لگا جس کے نتیجے میں بھاجپا (بی جے پی) حکومت نے اس عورت کو معزول کر کے دست برداری ظاہر کر دی، لیکن اب وہ طوفانی رنگ کہاں غائب ہو گیا؟ دنیا بھر کے مسلمانوں کو چاہیے کہ اس ناقابل تجاوز جرم پر بھارت کے خلاف سخت رد عمل کا مظاہرہ کرے، سوشل اور ایکونامکل بائیکاٹ کریں، خارجہ پالیسی میں سخت اظہار سنجیدگی و بے باکی کریں جس سے کفری سرغنوں کو مسلمانوں کی زندہ دلی، باخبری اور حس و شعور کا اندازہ ہو اور یہ یاد رکھا جائے کہ یہ سب اقدامات رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے دفاع کے ادنیٰ ترین اقدامات ہیں۔

لہٰذا اے مسلمانو بالخصوص ہندی مسلمانو! ذرا بتاؤ تو سہی کب تک یہ بے ہوشی و بے غیرتی کا اظہار کرو گے؟

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۴ پر)

[1] ”وہ لوگ جن کی کوششیں اکارت ہو گئیں اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ بڑے خوبی کے کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔“ فالعیاذ باللہ من ذلک!

امتِ واحد بن جایئے!

راشد دہلوی

آپریشن سندور کو لے کر بہت ساری باتیں گردش میں رہیں، لیکن ایک تصویر جو خاصی سرخیوں میں رہی، وہ کرنل صوفیہ قریشی کی تھی، ان پڑھ، غریب اور پسماندہ (کہے جانے والے) مسلمانوں کے درمیان سے آئی صوفیہ قریشی کو سوشل میڈیا پر کافی لائکس ملے اور بہت سے بھارتیہ مسلمان صوفیہ قریشی کی ہندو غلامی دیکھ کر اپنی پیٹھ تھپتھپاتے نظر آئے، کرنل صوفیہ قریشی آپریشن سندور کی ایک ترجمان تھی، جس کا خاندان ۱۶۵ سالوں سے رائل انڈین آرمی کی خدمت سرانجام دے رہا ہے، صوفیہ قریشی آپریشن سندور کی کارروائیوں کے بارے میں بڑے اعتماد کے ساتھ بریفنگ دیتی نظر آئی۔

لیکن یہ بات بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ہنود اپنے مفاد کے لیے چند وفادار، اندھ بھکت مسلمانوں کو شہرت و عہدوں سے نوازتے ہیں اور باقی کروڑوں مسلمانوں کے ساتھ دلتوں اور جانوروں سے بھی بدتر سلوک کرتے ہیں، یہی بات جب پروفیسر علی خان نے اپنے ایک فیس بک پوسٹ میں یوں کہی:

> ”صوفیہ قریشی کی تعریف دیکھ کر میں خوش ہوں، لیکن یہ لوگ اسی طرح ماب لنچنگ میں قتل کیے گئے مسلمانوں، من مانے ڈھنگ سے بلڈوزر چلانے اور بی جے پی کی نفرت پھیلانے کے شکار لوگوں کو لے کر بھی آواز اٹھا سکتے ہیں کہ ان لوگوں کو بھارتیہ شہری ہونے کے ناتے تحفظ فراہم کیا جائے، دو فوجی عورتوں کا معلومات دینا اہم ہے، لیکن اس نظریہ کو حقیقت میں بدلنا چاہیے، ورنہ یہ صرف ’پاکھنڈ‘ ہوگا۔ سرکار جو دکھانے کی کوشش کر رہی ہے، اس کے مقابلے میں عام مسلمانوں کے سامنے زمینی حقیقت الگ ہے۔“

سچائی کڑوی ہے اور ظالم کے خلاف خاموش رہنا بھی حماقت ہے، ظالم کے منہ پر اس کے جرائم گنوانا اپنے آپ میں ایک بہادری ہے، لیکن ہر چیز کی ایک قیمت ہوتی ہے۔

۱۲ مئی کو ہریانہ ریاستی خواتین کمیشن نے پروفیسر کے خلاف شکایت درج کروائی۔

۱۸ مئی کو شکایت کی بنیاد پر ہریانہ پولیس نے پروفیسر کو سلاخوں کے پیچھے اندھیری کال کوٹھڑی میں دھکیل دیا۔

> یہ کیسا نظام ہے، یہ کیسا قیام ہے؟
> جہاں قاتل آزاد، مظلوم بے کلام ہے!

پولیس انتظامیہ نے پروفیسر کے خلاف دو ایف آئی آر درج کیں۔ دونوں شکایتوں میں ”بھارت کی یکجہتی، سالمیت اور خود مختاری کو خطرے میں ڈالنے اور دو فرقوں کے بیچ دشمنی بڑھانے“ سے جڑی دھارائیں لگائی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ پروفیسر علی پر ”عورتوں کی شرم و حیا خراب کرنے اور مذہب کی بے حرمتی کرنے“ کا الزام بھی عائد کیا گیا ہے۔

بھارت میں کروڑوں لوگ سوشل میڈیا سے جڑے ہیں اور لاکھوں لوگ آئے روز سوشل میڈیا پر قابل اعتراض زبان استعمال کرتے ہیں، عدلیہ پر بات کرتے ہیں، اسلام و مسلمانوں کے خلاف زہر اگلتے ہیں، خواتین کے خلاف نازیبا باتیں بناتے ہیں، تو کیا ان سب کو قانون کے کٹہرے میں کھڑا کیا جائے گا؟ یا پھر آزادیٔ اظہارِ رائے کا عذر دے کر انہیں نظر انداز کیا جائے گا؟

ہند میں آپ کا مسلمان ہونا ہی کافی ہے کہ قانون کی دھاراؤں (دفعہ) کے ساتھ آپ کا منورنجن (انٹرٹین) کیا جائے، آپ کا استحصال کیا جائے، پھر سوال یہ پیدا نہیں ہوتا کہ آپ نے کسی کی بے عزتی کی ہے یا نہیں، یا آپ نے کسی کے خلاف بات کی ہے نہیں، آپ کا خود اپنے حق کے لیے، مظلوموں کے لیے آواز اٹھانا ہی وبالِ جان بن جاتا ہے۔

سپریم کورٹ نے اشوکا یونیورسٹی کے پروفیسر علی کو ’عبوری ضمانت‘ تو دے دی لیکن ان پر سخت شرائط بھی لگا دیں، پروفیسر علی کا پاسپورٹ ضبط کر لیا گیا، متعصب عدلیہ نے حکم دیا کہ اس معاملے کی جانچ جاری رکھی جائے گی، کورٹ نے اسپیشل ٹیم بھی بنائی، جو اس معاملے کو دیکھے گی اور ساتھ ہی پروفیسر کو یہ حکم بھی دیا کہ وہ آئندہ بھارت پاکستان معاملے پر کچھ نہیں کہیں گے۔

عجیب بات یہ ہے کہ لوگ یہ سمجھ نہیں پا رہے ہیں کہ آخر سپریم کورٹ کو اس پوسٹ میں کیا سمجھ نہیں آرہا یا سپریم کورٹ کیوں کچھ سمجھنا نہیں چاہتی جو وہ اس معاملے کو طول دے رہی ہے؟

عدلیہ نے کہا کہ پروفیسر علی خان کی پوسٹ کا پورا مطلب سمجھنے کے لیے سینئر پولیس افسروں کی ’ایس آئی ٹی‘ کی ضرورت ہے۔ جبکہ نیوٹرل لوگ یہ سمجھ نہیں پا رہے ہیں کہ جو بات پولیس آفیسر سمجھیں گے، وہ سپریم کورٹ کے ججوں کو کیوں سمجھ نہیں آرہی؟ یا جج سمجھنا ہی نہیں چاہتے؟

دہلی یونیورسٹی کے سابق ڈین پروفیسر انیتا رام پال نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

”نہ طلباء کو اور نہ ہی اساتذہ کو پروفیسر علی کی پوسٹ میں کوئی بات قابل اعتراض لگی، ایک پوسٹ کی بنیاد پر ملک اور خواتین کمیشن کا اس طرح سے کاروائی کرنا اور فوراً ہی گرفتاری ہو جانا، یہ ایک پورا منصوبہ دکھ رہا ہے۔“

ایک سینئر ایڈوکیٹ وراگ گپتا نے لکھا:

”پولیس نے غلط ایف آئی آر درج کی، سپریم کورٹ کو یہ معاملہ فوراً ختم کر دینا چاہیے تھا، لیکن ایسا نہیں ہوا اور انٹیرم ضمانت دے کر اس معاملے کو لمبا کیا گیا ہے۔“

دوسری طرف اگر ہم دیکھیں تو بھارت ماتا کی سیوہ (خدمت) میں جُتی، دھرتی ماتا کی سپوت (اولاد) صوفیہ قریشی کو بھی نہیں بخشا گیا، مدھیہ پردیش کے بی جے پی وزیر ’وجے شاہ‘ نے صوفیہ قریشی کو پہلگام حملہ کرنے والوں کی بہن کہہ کر یہ بات ایک بار پھر ثابت کر دی کہ ہنود آپ سے کبھی راضی نہیں ہوں گے، جس کے بعد سوشل میڈیا پر کافی واویلا تو مچا، لیکن فوری طور پر نہ کوئی گرفتاری عمل میں آئی اور نہ ہی کوئی ٹھوس قدم اٹھایا گیا۔

اسی طرح اگر دیکھا جائے تو بی جے پی کا ’کپل مشرا‘ نے، جو اس وقت دہلی کا قانون وزیر ہے، ۲۰۲۰ء میں دہلی دنگوں سے ٹھیک ایک دن پہلے مسلمانوں کے خلاف، ہندوؤں کو بھڑکانے کے لیے اشتعال انگیز تقریر کی، جس کے بعد دہلی میں مسلمانوں کے خلاف دنگے پھوٹ پڑے اور تقریباً ۵۰ مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا، نہ پولیس نے صحیح طریقے سے تحقیق کی اور نہ مشرا کے خلاف کوئی کاروائی کی گئی۔

۲۰۲۰ء میں شہریت بل کے خلاف احتجاج کر رہے مسلمانوں کے خلاف بی جے پی کے وزیر انوراگ ٹھاکر اور پرویش ورما نے کھلم کھلا صاف لفظوں میں دھمکیاں دیں، لیکن آج تک ان کے خلاف ایف آئی آر تک درج نہیں ہو پائی ہے

ہندوستان میں مسلمانوں کے لیے الگ اور باقیوں کے لیے الگ قوانین ہیں۔ مسلمانوں کو بدترین صورتِ حال کا سامنا ہے، دیش دروہی (ملک مخالف)، ملک کی سالمیت و اتحاد و یکجہتی کو خطرہ جیسی دسیوں دفعائیں مسلمانوں کے لیے تیار کی گئیں ہیں۔ جس میں آئے دن مسلمانوں کو پھنسایا جاتا ہے، ملک کے حفاظتی ادارے، امن قائم کرنے والے ادارے، عدالتیں، سیاست دان، میڈیا سب مسلمانوں کے خلاف کمربستہ ہیں۔ اکھنڈ بھارت کے فریم میں مسلمان انفٹ ہیں، جنہیں فٹ کرنے کے لیے ہر لحاظ سے تراشہ جا رہا ہے۔

ہندوستان میں بسنے والے غیور مسلمانوں کو اب یہ ثابت کر کے دکھانا ہو گا کہ ہم امت واحد ہیں۔

اگر گجرات، ممبئی و مہاراشٹر میں مسلمانوں کے خلاف دنگا ہو گا تو ملک کا ہر مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے جو کر سکتا ہے وہ کرے گا۔

اگر بہار، بنگال، آسام و اڑیسہ سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کو بے گھر کیا جائے گا تو ملک کے کونے کونے سے مسلمان اپنے بھائیوں کی مدد کے لیے تیار ہوں گے۔

اگر دہلی، اتر پردیش، اتراکھنڈ و کشمیر میں مسلمان ستائے جائیں گے تو ہم ایک آواز بن کر ظلم کے پہاڑوں سے ٹکرائیں گے۔

اگر کیرالا، مدھیہ پردیش و کرناٹک میں مسلمانوں کو جھوٹے کیس میں پھنسایا جائے گا، تو حتی الامکان مسلمان ان کی مدد کے لیے پہنچیں گے۔

ہر متاثر مسلمان کا درد محسوس کیجیے، اپنی قوم کا درد اپنا درد بنا لیجیے، سوشل میڈیا پر، سڑکوں پر، میدانوں میں اپنے بھائیوں کا دفاع کیجیے۔ جب ہم ایک ہوں گے، تب ہی ہم اپنا اور اپنوں کا دفاع کر سکتے ہیں۔

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ○ (سورۃ الانبیاء: ۹۲)

”بیشک یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں تو میری ہی عبادت کرو۔“

☆☆☆☆☆

اسلام میں توحید کی بے حد حفاظت

”ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ قبر پر مردہ کو دفن کرنے کے بعد سرہانے پائنتی (پاؤں کی طرف) کھڑے ہو کر اور قبر پر انگلی رکھ کر سورۃ البقرۃ کا اول اور آخر پڑھتے ہیں اس کے متعلق کیا حکم ہے فرمایا کہ یہ پڑھنا تو ثابت ہے مگر انگلی رکھ کر پڑھنا ثابت نہیں پھر عرض کیا کہ اس کے پڑھنے کے بعد قبر پر کل حاضرین ہاتھ اٹھا کر مردہ کے لئے ایصال ثواب اور مغفرت کرتے ہیں فرمایا ویسے ہی دعا کر دینا اور ثواب پہنچا دینا چاہئے ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے۔ قبر کی طرف منہ کر کے اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کو فقہاء نے منع کیا ہے اس میں صاحب قبر سے استفادہ کا شبہ ہوتا ہے ہاں قبر کی طرف پشت کر کے دعا مانگنا جائز ہے اسلام میں توحید کی بے حد حفاظت کی گئی ہے مگر لوگ خیال نہیں کرتے گڑبڑ کرتے ہیں ان ہی باتوں سے بدعات پیدا ہو گئی ہیں۔“

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

(ملفوظاتِ حکیم الامت)

شام میں جہاد کا مستقبل

استاد ابو اسامہ عبد العزیز الحلاق | مترجم: ڈاکٹر نیک محمد

مدیر انٹرویو: اب مجھے اس حوالے سے اپنی رائے سے آگاہ فرمائیں کہ یہاں ان قریب الواقع خطرات سے چھٹکارا حاصل کرنے اور ان کا مقابلہ کرنے کے لیے نئی شامی انتظامیہ کی موجودہ صلاحیت کتنی ہے؟

استاذ عبد العزیز الحلاق: میرے پیارے بھائی! واللہ میری نظر میں یہ سوال ان سوالوں میں سے ایک ہے جن کا جواب دینا بہت مشکل ہے، کیونکہ یہ ان مسائل میں سے ایک ہے جو ذہن کو بے چین کر دیتے ہیں اور جہاں منظر نامے بہت مختلف ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ نئی شامی انتظامیہ کے ذمہ داران، بہت سے قائدین جو انقلاب کی علامت تھے، جہادی دستوں کے سابق کارکنان اور انقلابی تنازعات کے منتظمین نے بہت سی رکاوٹوں کو مزید گہرا کر دیا تھا اور بہت سے ایسے گڑھے کھود دیے جن سے باہم منسلک ان خطرات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔ اللہ انہیں معاف کرے، انہوں نے سبیل اللہ سے ہٹ کر انقلابی، فکری اور عملی طریقوں کی تبدیلی میں حصہ ڈالا، حالانکہ وہ سب آزادی، انصاف اور ظلم سے نجات کی خواہش رکھتے تھے اور اب بھی رکھتے ہیں۔ لیکن ان میں سے اکثر، انقلاب کے اہم موڑ پر، بھول گئے کہ آزادی کا جوہر، اس کا مرکز اور اس کے تاج کا موتی یہ ہے کہ ہم سب خدا کے بندے بنیں۔

ہمارے بہت سے انقلابی مجاہدین بھائی یہ بھول چکے ہیں کہ انقلاب اور جہاد کا سب سے بڑا مقصد، بقدر استطاعت شریعتِ اسلامیہ پر عمل کر کے، اللہ کو راضی کرنا ہے اور اسی لیے ہم نے انقلاب کے سالوں میں انہیں دین کے قیام کے لیے گمراہ کن طریقے اختیار کرتے ہوئے دیکھا۔ واللہ آپ کب سے مسلمانوں سے لڑنے، ان کا خون بہانے اور انہیں قتل کر کے ان پر قابو پانے کو اللہ کو راضی کرنے اور اس کا دین قائم کرنے کا شرعی وسیلہ بنا رہے تھے۔

ہمارے انقلابی بھائیوں نے فتح یا شکست کے دوراستوں کے درمیان خود کو کیوں محدود رکھا؟

یہ انقلابیوں کے درمیان پچھلی خانہ جنگیاں تھیں جو آئندہ بھی رہیں گی، جس کے نتیجے میں ہزاروں مجاہدین شہید ہوئے، یہ خانہ جنگیاں ان کے ایک کلمہ کے گرد اکٹھے ہونے میں سب سے بڑی رکاوٹ بن گئیں اور صحیح، ٹھوس اور پائیدار انداز میں ان کے درمیان اصلاح نہیں کی جا سکی۔ تاریخ میں ہمیں ایسا کوئی انقلاب نہیں ملتا جس میں خونریزی کو ہلکا سمجھا گیا ہو اور ضرورت سے زیادہ جنگ کی گئی ہو اور پھر اس کے نتیجے میں پائیدار خوشحالی اور مستحکم فتح آئی ہو۔

حالیہ دور میں نوّے کی دہائی کے اوائل میں کابل کی فتح اور سوویت یونین کی شکست پر لوگوں نے بہت خوشی منائی تھی، امت بے حد پُرجوش تھی، شاعروں نے ان کے لیے شاعری لکھی، منشدین نے ان کے لیے ترانے پڑھے، تمام جہادی گروہ ایک کلمہ کے گرد اکٹھے ہوئے اور مجاہدین کی حکومت قائم ہوگئی اور آپس میں عداوت رکھنے والے بھائیوں نے خانہ کعبہ کے دروازے پر پختہ قسمیں کھائیں کہ وہ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کریں گے، اور پھر آپس میں جو کشت و خون ہوا وہ سب نے دیکھا۔

میرے پیارے بھائی! ہر ناحق بہائے گئے خون کی ایک لعنت ہوتی ہے جو نہ تو کسی انقلابی کو اللہ کی رحمت کی وسعت میں جگہ پانے دیتی ہے اور نہ ہی کسی مجاہد کو، اس کا وبال نہ دنیا میں ہی پیچھا چھوڑتا ہے اور نہ آخرت میں، بلکہ وہ شخص جہاں بھی رہے یا جہاں بھی جائے یہ لعنت اس پر ضرور اثر انداز ہوتی ہے۔ اس معاملے میں ہمارے لیے وہی کافی ہے جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

لَنْ يَزَالَ الْمُؤْمِنُ فِي فُسْحَةٍ مِنْ دِينِهِ، مَا لَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا۔[1]

”مومن اس وقت تک اپنے دین کے بارے میں کشادہ (یعنی مغفرت کا امیدوار) رہتا ہے جب تک ناحق خون نہ بہائے۔“

چنانچہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کے نتائج کا ادراک کرتے ہوئے، جسے انہوں نے خود روایت کیا ہے، اپنا مشہور قول ارشاد فرمایا:

إِنَّ مِنْ وَرَطَاتِ الأُمُورِ، الَّتِي لاَ مَخْرَجَ لِمَنْ أَوْقَعَ نَفْسَهُ فِيهَا، سَفْكَ الدَّمِ الحَرَامِ بِغَيْرِ حِلِّهِ۔[2]

”ہلاک کرنے والے امور کہ جن میں پھنسنے کے بعد نکلنے کا کوئی راستہ نہیں، ان میں سے ایک ناحق خون بہانا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔“

مجھے ایسا لگتا ہے، اور اصل علم تو اللہ ہی کو ہے، کہ شام کی نئی انتظامیہ ان خطرات کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں اور نہ ہی وہ زیادہ تر معاملات میں کامیاب ہو سکتی ہے۔ یہ کوئی پیش گوئی یا قیاس آرائی یا غیب کا علم نہیں ہے بلکہ یہ ایک تاریخی مشاہدہ ہے جو ہماری اسلامی، انقلابی اور جہادی تاریخ کے مماثل اور ملتے جلتے واقعات کے مطالعے کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے، سوائے اس کے

[1] صحیح بخاری

[2] صحیح بخاری

کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے نوازے اور ان کو خالص توبہ کرنے کی ہمت عطا فرمائے، تاکہ وہ اپنے لوگوں کے حقوق بحال کریں، تب مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں معاف کر دے گا اور انہیں ہدایت اور توفیق عطا فرمائے گا۔ ورنہ ایسے شخص کے لیے افق پر روشنی کی چمک دیکھنا یا ان باہم مربوط مشکلات اور نقصانات سے نکلنے کے لیے الٰہی توفیق حاصل کرنا بہت مشکل ہے، کیونکہ جو کوئی اللہ کی شریعت کی خلاف ورزی کرتا ہے، اللہ کی طرف سے اسی کے مثل، اس کی تادیب کی جاتی ہے اور جو کوئی خدا کی تقدیر پر غالب آنے کی کوشش کرتا ہے وہ مغلوب ہو جاتا ہے۔

مدیر انٹرویو: تو پھر اس حل کیا ہے؟ کیا وہ سفید پرچم لہراتے رہیں اور صہیونی۔صلیبی دشمن کے سامنے ہتھیار ڈال دیں؟

استاذ عبد العزیز الحلاق: ہرگز نہیں، اور یقین کریں کہ سفید پرچم لہرانے اور دشمن کے سامنے ہتھیار ڈالنے سے وہ زندہ نہیں رہ سکیں گے۔ ان کے پاس صرف ایک ہی آفاقی راستہ ہے، وہ یہ ہے کہ وہ شریعت کے مطابق جہاد کرتے ہوئے اپنی منزل تک پہنچیں۔ ان کے پاس خود پر کیے گئے ظلم اور رب کے بندوں کے ساتھ کیے گئے مظالم پر توبہ اور رجوع کرنے اور پھر اللہ کے ساتھ اپنے تجدید عہد کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ پھر انہیں جہاد کی تجارت دوبارہ شروع کرنے کے لیے اللہ سے بیعت کی تجدید کرنا ہو گی، جس کے ذریعے وہ دردناک عذاب سے نجات پا سکیں گے۔ جہاد کی ذمہ داریوں اور تقاضوں میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے، چاہے ہم پسند کریں یا نہ کریں، ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ نے ان کا امتحان لیا ہے اور جہاد کے تقاضوں کے ساتھ ان کا مزید امتحان لیں گے، کیونکہ ارضِ شام عظیم جنگوں کی سرزمین ہے اور اس سرزمین پر نازل شدہ مصائب اور اس کی تقدیر میں اللہ کی بڑی حکمت ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ مقامی قطری جہاد اور بین الاقوامی عالمی جہاد کے درمیان کوئی تعلق یا ہم آہنگی نہیں ہے، لیکن جب انہوں نے مقامی قطری جہاد کو ترجیح دی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں مقامی بشاری حکومت کو تباہ کرنے اور اسے شکست دینے کی توفیق دی، تو آج وہ واضح طور پر دیکھتے ہیں کہ عالمی دیوار ہر معاملے میں مقامی قطری دیوار کے ساتھ اتنی مضبوطی سے جڑی ہوئی ہے کہ جس کی انہیں توقع یا خیال بھی نہیں تھا۔ اور یہ نئی حقیقت، اب یا مستقبل میں، شامی مجاہدین کو، ان کی مرضی کے خلاف، دباؤ کے تحت عالمی جہاد کرنے پر مجبور کر دے گی نہ کہ انتخاب کے تحت۔

جبکہ آج وہ عالمی جہاد یا عالمی مزدوری کے دوراہے پر کھڑے ہیں یا تو وہ اپنے جہادی اصولوں اور بنیادوں پر ثابت قدم رہیں یا پھر عالمی صہیونی۔صلیبی مہم کے ایجنٹوں کی حیثیت سے اور نصیری حکومت کی طرح صہیونی وجود کے سرحدی محافظ کی حیثیت سے محل میں اپنے قیام کو یقینی بنائیں۔ اور میں نئی شامی انتظامیہ میں اپنے بھائیوں کو محبت اور ہمدردی سے نصیحت کرتا ہوں کہ چاہے وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے بھاگنے کی کتنی ہی کوشش کیوں نہ کریں، اور چاہے وہ بین الاقوامی برادری اور عالمی نظام کے سامنے کتنا ہی تنازل اختیار کریں اور ان کے تابع ہو جائیں، وہ انہیں اس وقت تک قبول نہیں کریں گے جب تک کہ وہ ان کی ملت کی پیروی نہ کریں۔ حق تعالیٰ شانہ کے قول کے مطابق:

وَلَنۡ تَرۡضٰی عَنۡكَ الۡيَهُوۡدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمۡ‌ؕ قُلۡ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الۡهُدٰىؕ وَلَـئِنِ اتَّبَعۡتَ اَهۡوَآءَهُمۡ بَعۡدَ الَّذِىۡ جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ‌ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ○ (سورۃ البقرۃ: ۱۲۰)

”اور یہود و نصاریٰ تم سے اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ تم ان کے مذہب کی پیروی نہیں کرو گے، کہہ دو کہ حقیقی ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے اور اگر تم علم آجانے کے بعد بھی ان کی خواہشات کی پیروی کرو گے تو تمہیں اللہ کی پکڑ سے بچانے والا نہ کوئی دوست ہو گا اور نہ کوئی مددگار۔“

یہاں ہم اپنی آنکھوں سے عظیم تر شام کی سرزمین کے دوسرے حصے (یعنی فلسطین وغزہ) میں کتائب القسام کے اپنے بھائیوں کا جہاد دیکھ رہے ہیں، جنہوں نے اس حقیقت کا ادراک کر لیا کہ ان کے جہاد کا مقامی قطری ماڈل آہستہ آہستہ اس دیوار کی طرف بڑھ رہا ہے جو اسے عالمی جہاد سے الگ کرتی ہے۔ درحقیقت آج وہ فلسطین سے باہر کے مسلمان نوجوانوں کو اندرون و بیرون ملک صہیونیوں اور ان کے اتحادیوں کو نشانہ بنانے کی ترغیب دے کر عالمی جہاد پر اکسا رہے ہیں، جیسا کہ مصری سپاہی محمد صلاح، اردن کے ماہر الجازی اور امریکی مراکشی قاضی عبد العزیز کی کارروائیوں میں دیکھنے میں آیا ہے۔ پس ضروری ہے کہ شام کے اہلِ جہاد کو بھی اپنا محاسبہ کرنا چاہیے اور ہر سطح پر اپنی حکمت عملی کا جائزہ لینا چاہیے۔

مدیر انٹرویو: آپ نے عالمی جہاد اور مقامی قطری جہاد کے دوراستوں کے بارے میں بات کی، یہ دوراستے شامی انقلاب میں بڑے بڑے فکری اور تحریکی تنازعات اور جھگڑوں کا باعث بنے، سچ یہ ہے کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ اس بحث کو ہماری گفتگو میں گھسیٹا جائے، لیکن آپ نے جو حقیقت بیان کی ہے وہ بحث و تحقیق اور غور و فکر میں بہت اہم مقام رکھتی ہے۔ حق، علم اور انصاف کے پیمانوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے، آپ کیا دیکھتے ہیں کہ اہلِ شام اس وقت دنیا سے لڑنے اور عالمی جہاد کے میدان میں داخل ہونے کے قابل ہیں جیسا کہ القاعدہ کے نظریات کے پیروکار دیکھتے ہیں؟

استاذ عبد العزیز الحلاق: میرے پیارے بھائی، یقین کریں کہ شام کے دشمن وہ ہیں جو اپنی روز مرہ کی اشتعال انگیزی، ایذا رسانی، شامی سرزمین پر قبضے، اس کے وسائل کی چوری اور اس کی عسکری و تزویراتی صلاحیتوں کے خلاف جارحیت کے ذریعے اس پر دباؤ ڈالتے ہیں۔ بصورت دیگر کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ معزز شامی عوام کو نیچا دکھانے اور ان کی نئی حکومت و انتظامیہ کی تذلیل روکنے کا حل کیا ہے جو روز مرہ کا معمول بن چکا ہے؟

مدیر انٹرویو: شاید شام کی موجودہ صورتِ حال کا مناسب حل یہ ہے کہ معروف سیاسی چینلز کے ذریعے بات چیت اور سفارتی مذاکرات کی میز پر جایا جائے؟

استاذ عبد العزیز الحلاق: شامی عوام ایک دہائی سے زیادہ عرصے سے بغاوت کر رہے ہیں اور آستانہ اور دیگر جگہوں پر بات چیت اور مذاکرات کی میز پر ہیں، لیکن کیا وہ اس عالمی صہیونی-صلیبی مہم کے ایجنٹ (بشار) کے خلاف اپنی امنگوں اور انسانی حقوق کے مطالبات کے حصول میں ایک قدم بھی آگے بڑھنے میں کامیاب رہے ہیں؟

یقیناً شامیوں نے ان بے کار ذرائع سے کچھ حاصل نہیں کیا اور اگر انہیں ان ذرائع سے کچھ حاصل ہونے کا یقین ہوتا تو وہ نصیری حکومت اور اس کے اتحادیوں کے خلاف ہتھیار نہ اٹھاتے۔ میرے خیال میں ہم اس نکتے پر متفق ہو چکے ہیں اور ہمیں اس پر بحث ختم کر دینی چاہیے، لیکن ایسا لگتا ہے کہ ہمارے درمیان نظریاتی فاصلہ وسیع ہے۔

مدیر انٹرویو: نہیں، یہ وسیع نہیں ہے، ہاں ہم اتنی بات پر متفق ہیں کہ سابقہ مقامی نصیری حکومت، خدا کا شکر ہے جس کا تختہ الٹ دیا گیا ہے، کے بارے میں یہ بات درست تھی، لیکن میرا سوال یہ ہے کہ اہلِ شام، اپنی کمزوری اور تقسیم کے ساتھ، بین الاقوامی برادری اور عالمی نظام کا مقابلہ کیسے کریں گے جو اب بھی شام کی سرزمین کے کچھ حصوں پر قابض ہے؟

یہ جانتے ہوئے کہ فی الحال ہم انہیں اور خطے اور دنیا کے باقی ممالک کو مقامی قطری جہاد کو اپنانے اور القاعدہ سے اس کی جڑیں کاٹنے پر نئی شامی قیادت کا زبردست خیر مقدم کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔

استاذ عبد العزیز الحلاق: میرا آپ سے ان نکات پر شدید اختلاف ہے، خطے کے ممالک اور بین الاقوامی برادری نے تنظیم القاعدہ سے کنارہ کشی پر شام کی نئی قیادت کا خیر مقدم نہیں کیا اور نہ ہی کریں گے، بلکہ انہوں نے ان کا خیر مقدم اس لیے کیا کہ وہ سمجھتے ہیں کہ شام کی نئی قیادت اصولِ دین اور قواعدِ شرعیہ سے کنارہ کشی اور اپنے دینی، اخلاقی اور انقلابی اصولوں کو ترک کرنے کی راہ پر گامزن ہے۔ اس لیے آج دمشق آنے والے وفود محض ترغیبات، دھمکیوں اور ہدایات کے ساتھ وارد ہوتے ہیں۔ بعض اوقات وہ گاجر پیش کرتے ہیں اور پھر دوسرے وقت میں چھڑی سے ہانکتے ہیں۔ نئی قیادت کو اب خوفناک عالمی چوری کا سامنا ہے تاکہ انہیں رام کر کے جھکایا جا سکے اور انہیں دنیا کے بین الاقوامی کلب کی شرائط پر عمل کرنے اور بین الاقوامی دائرے میں داخل کرنے کے قابل بنایا جا سکے۔ اگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہوتے تو ہم ان کے خلاف ایک کھلی جنگ دیکھیں گے، جو شامی عوام پر اپنے دانت مسلسل ظاہر کرے گی۔ اگر میں نئی قیادت کے بھائیوں کو کوئی نصیحت کروں تو وہ یہ ہے کہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت پر مضبوطی سے قائم رہیں اور اپنے ایمانی اصولوں اور بنیادوں پر ثابت قدم رہیں۔

ہر وہ قدم جو نئی انتظامیہ کو لگتا ہے کہ اس سے وہ مغرب کو دھوکہ دے رہی ہے، درحقیقت اس سے وہ خود کو، اپنے عوام کو، اپنی امت کو اور اپنے نیک سپاہیوں کو دھوکہ دے رہی ہے۔ انہیں اس بات کا یقین ہونا چاہیے کہ انسان فطری طور پر اپنے اوہام اور خوابوں کو محفوظ رکھنے کا شوقین ہے اور واقعاتی حقائق سے دور بھاگتا ہے۔ اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ اپنے شرعی و انقلابی اصولوں کو ترک کر کے بین الاقوامی سطح پر پزیرائی حاصل کرنے کے کتنے خواہاں ہیں، انجام کار وہ بین الاقوامی برادری سے کچھ بھی بھلائی نہ پا سکیں گے۔ یہاں امارتِ اسلامیہ افغانستان کی قیادت میں ان کے بھائی ہیں، افغانستان کی فتح اور افغان سرزمین کی مکمل آزادی کے تین سال بعد بھی جن کا بین الاقوامی سطح پر کوئی خیر مقدم نہیں کیا گیا، لیکن اپنے ماحول میں ان کا وسیع پیمانے پر خیر مقدم کیا گیا اور انہیں قبولیتِ عام حاصل ہوئی، جی ہاں! اہلِ ایمان کے خیمے میں ہر جگہ ان کا خیر مقدم کیا گیا۔ اور اگر شام کی نئی قیادت جان لے تو یہی سنہری اور حقیقی اثاثہ ہے کیونکہ مسلم ریاست تو کمزور مسلمانوں اور ان کی دعاؤں سے کامیابی حاصل کرتی ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔

مدیر انٹرویو: محترم ابو اسامہ! آیئے حقیقت پسندی سے بات کرتے ہیں، جب تک ہم القاعدہ کے نظریات کے حامل رہیں گے، بین الاقوامی برادری ہمیں اقتدار اور اختیار سنبھالنے کی اجازت نہیں دے گی اور شاید آپ دیکھ رہے ہیں کہ اب شام میں کام کرنے والے القاعدہ کے ارکان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے، ایسے میں جبکہ ان کے مجاہدین مسلسل ہدف بنائے جا رہے ہیں، حتیٰ کہ ان کی تنظیم حراس الدین کی تحلیل کے اعلان کے بعد بھی، (ان حالات میں) آپ کیا سمجھتے ہیں کہ اہلِ شام القاعدہ کے منہج کے ذریعے بڑی طاقتوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟

استاذ عبد العزیز الحلاق: آپ کی یہ تجویز بہت عجیب ہے۔ اگر ہم اپنے قابض دشمنوں کا انتظار کر رہے تھے کہ وہ ہمیں اقتدار سنبھالنے، اختیار استعمال کرنے اور ملک کو کنٹرول کرنے کی اجازت دیں تو پھر ہم نے شروع ہی سے ہتھیار اٹھائے کیوں تھے اور اس بابرکت جہادی انقلاب میں دسیوں ہزار شہداء کو پیش کیا اور اگر ہمیں واقعی یہ انتظار تھا کہ صہیونی-صلیبی قابضین ہمیں اجازت دیں گے اور ہمیں اقتدار سنبھالنے کا پروانہ دیں گے تو ہمیں تیرہ سال پہلے اپنے دین اور اسلام کو ترک کر دینا چاہیے تھا!

اس معاملے کی حقیقت کا ادراک کرنے کے لیے توجہ فرمائیں کہ آج حراس الدین نامی تنظیم کے ارکان کو اس کی تحلیل کے اعلان کے بعد بھی نشانہ بنایا جا رہا ہے کیونکہ صہیونی-صلیبی مغرب کو ادراک ہے کہ وہ اب بھی اپنے دین کے اصولوں اور اسلام کی بنیادوں پر کاربند ہیں اور ان اصولوں میں سے کسی سے بھی انحراف نہیں کرتے۔ صہیونی-صلیبی دشمن اس کرۂ ارض پر، اپنے دین اور اس کے عظیم اصولوں پر کاربند، کسی بھی مجاہد کو نہیں چھوڑے گا چاہے وہ کسی بھی تنظیم سے تعلق رکھتا ہو، بلکہ وہ اس سے کھیلتا ہے، اس سے لاڈ پیار کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اسے سُدھا کر اپنے دامِ فریب میں لے آتا ہے۔ اگرچہ آپ کو لگتا ہے کہ القاعدہ سے

علیحدگی مجاہدین کو صہیونی-صلیبی عذاب سے بچالے گی، لیکن ہم سب نے دیکھا ہے کہ صہیونی-صلیبی مغرب نے علیحدگی کے فیصلے کی اجازت دینے والے یعنی شیخ ابوالخیر شہید رحمہ اللہ کو ہی نشانہ بناڈالا تھا، پس ہمیں ان فریب آمیز الجھنوں سے دور رہنے دیں۔

صہیونی-صلیبی مغرب اس وقت شام کے مجاہدین کو اسلامی دہشت گردی کا مقابلہ کرنے کے امتحان میں آزمارہا ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ شام کے مجاہدین اس امتحان میں ناکام ہوں گے۔ میرے پیارے بھائی آپ کو یہ جان لینا چاہیے کہ شام کے دشمن، مجاہدین کو شام کی سرزمین پر حقیقی معنوں میں کنٹرول حاصل کرنے کی اجازت نہیں دیں گے اور اس کے بغیر تو بس خون کے سمندر رہیں، اور شوقی نے اسے اس شعر میں کہا ہے:

وللحريـةِ الحَمْـرَاءِ بَابٌ آزادی کا دروازہ لہو میں تر ہے
بِكُلِّ يَدٍ مُضَرَّجَةٍ يُدَقُّ اس پہ دستک خون میں ڈوبا ہوا ہاتھ ہی دے سکتا ہے

اسلام کے دشمن اہلِ اسلام کو، نہ حقیقی اختیار دیں گے نہ حقیقی آزادی اور نہ ہی حقیقی وطنی و قومی آزادی کی اجازت دیں گے، بلکہ وہ مسلمانوں کے سامنے، اپنی مرضی کے خلاف، صرف اس وقت جھکیں گے جب شامی مجاہدین انہیں، سیاسی، عسکری اور معاشی طور پر مقدس جنگ کی دلدل میں دھکیلنے کے بعد، تھکا کر ان پر اپنی مرضی مسلط کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے، جیسا کہ افغانستان میں ہمارے بھائیوں نے ان کے ساتھ کیا، تب ہی دشمن مجاہدین کے کنٹرول میں آئے گا اور اپنی مرضی کے خلاف ان کے سامنے سر تسلیم خم کرے گا، کیونکہ اس کے علاقائی اور عالمی مفادات کے تحفظ کی خواہش اسے مجاہدین کے ساتھ، مساوات کی بنیاد پر، تعامل کرنے پر مجبور کرے گی۔ یہ تب ہوتا ہے جب وہ میدان میں دشمن کے سامنے اپنی صلاحیتوں، قوتوں، اپنے حقوق اور اسلام کی پاسداری کو ثابت کرتے ہیں، اپنے وقار کو برقرار رکھتے ہوئے اور اپنی آزادی اور خود مختاری سے چمٹے رہتے ہیں، اور شامی مجاہدین یہ مطلوبہ صلاحیت حاصل کرنے کی زبردست قدرت رکھتے ہیں۔ اور وہ اپنی جغرافیائی سیاسی صلاحیتوں سے اپنے مفادات حاصل کر سکتے ہیں جنہیں وہ اس سلسلے میں اپنے اصولوں کے بارے میں بے قابو رعایتیں دیے بغیر استعمال کر سکتے ہیں، یا پھر اپنی، اپنے ملک کی اور اپنے نظامِ حکومت کی اسلامی شناخت کو ترک کرنے کا اعلان کر دیں، بصورت دیگر، ہم اپنے متزلزل دلوں کو دھوکہ دیتے ہیں اور اپنے فرسودہ اوہام کو چاٹتے ہیں اور اپنے عوام اور ابطال کو تباہی کے مقام پر لے آتے ہیں۔

میرے پیارے بھائی، آپ کے کلام کے لہجے سے مجھے محسوس ہوتا ہے کہ آپ تنظیم القاعدہ اور امارتِ اسلامیہ کے نظریے اور دنیا پر صہیونی-صلیبی قبضے کا مقابلہ کرنے کی ان کی صلاحیتوں کو ہلکا سمجھ رہے ہیں، جبکہ فکری اور منہجی (یعنی طریقہ کار کے) لحاظ سے موجودہ شامی تجربے کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں۔ میں اس پر کچھ تبصرہ کرنا چاہتا ہوں:

١. ہم اقتدار تک پہنچنے اور دمشق کو کنٹرول کرنے میں کامیابی کے موجودہ شامی تجربے کی طرف کیوں دیکھتے ہیں، حالانکہ ہم نے اس کے انحراف، فساد، ظلم، لڑائی اور مرحلہ وار رنگ کا تجربہ کیا ہے اور اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، جبکہ ہم اپنے نوجوانوں کو امارتِ اسلامیہ افغانستان کے تجربے سے دور کر رہے ہیں؟

میرا مطلب افغان تجربے کو دوبارہ پیش کرنا نہیں ہے، کیونکہ یہ تجربات ہر محاذ، خطے اور ملک کے پیچیدہ عوامل میں فرق کی وجہ سے دوبارہ پیش نہیں کیے جاسکتے، بلکہ یہاں میرا مقصد یہ ہے کہ یہ تجربات، دشمن سے تعامل، اسلوب اور طریقوں سے استفادہ اور سیاست، انتظام اور حکمرانی میں اہلِ اسلام کے طریقۂ کار سے فائدہ اٹھانے کے لیے ہیں۔

ہاں، شام کا موجودہ تجربہ ایک کامیاب انقلابی نمونہ ہو سکتا ہے جس کی تقلید کی جاسکتی ہے، لیکن مجھے یقین ہے کہ اس تجربے کی تقلید صرف ان لوگوں کے لیے موزوں ہے جو حکمرانی، کرسی اور اختیار کے خواہش مند اور طالب ہیں، اور شاید اگر آپ 'مائلز کوپ لینڈ (Miles Copeland)' کی کتاب "دی گیم آف نیشنز (The Game of Nations)" پڑھیں (اس میں پائی جانے والی خامیوں کے باوجود اس کے فوائد سے انکار نہیں کیا جاسکتا) تو آپ میرے بیان کردہ مقصود تک پہنچ جائیں گے جس کا میں اظہار کرنا چاہتا ہوں۔

٢. ہم اپنے موجودہ بحرانوں کے بارے میں اپنی اصلاحی سوچ میں حقیقت پسندی سے کیوں بھاگتے ہیں؟ حقیقت پسندی پر قائم رہنا اور وہم، فریب اور خواہشات سے دور رہنا ہمارے اجتماعی مفاد میں ہے، جہاں تک خواب، وہم اور نعروں کا تعلق ہے تو وہ ہمیں بہت دھوکہ دیتے ہیں اور ہمارے موجودہ بحرانوں کے منطقی حل کے بارے میں ہمیں گمراہ کرتے ہیں، اس لیے ہمیں سیدھے راستے پر چلنا چاہیے اور شیطان کی راہوں اور اس کے مختلف راستوں، اور اس کے متعدد داخلی و خارجی دروازوں سے ہوشیار رہنا چاہیے جیسا کہ نسائی شریف میں بیان کیا گیا ہے:

خَطَّ رَسُولُ اللهِ خَطًّا، وَخَطَّ عَنْ يَمِينِ الْخَطِ وَعَنْ شِمَالِهِ خُطَطًا ثُمَّ قَالَ: «هَذَا صِرَاطُ اللَّهِ مُسْتَقِيمًا، وَهَذِهِ السُّبُلُ عَلَى كُلِّ سَبِيلٍ مِنْهَا شَيْطَانٌ يَدْعُو إِلَيْهِ، ثُمَّ قَرَأَ: ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۝۱۵۳﴾(الأنعام:۱۵۳)

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ایک لکیر کھینچی، پھر اس کے دائیں بائیں کچھ اور لکیریں کھینچیں، پھر فرمایا: "یہ اللہ کا سیدھا راستہ ہے اور یہ مختلف راستے ہیں جن میں سے ہر راستے پر شیطان بیٹھا ہے اور ان راستوں پر چلنے کی طرف بلاتا ہے۔ پھر آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: 'یہ میرا سیدھا راستہ ہے سو اس کی پیروی کرو، دوسرے راستوں پر نہ چلو، ورنہ وہ تمہیں اللہ

کے راستے سے الگ کر دیں گے، ان باتوں کا اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔‘‘

صہیونی۔صلیبی مغرب ہمارے زمانے میں شیطان کے مظاہر میں سے ایک ہے اور اسی وجہ سے وہ ابلیس لعین کی حکمت عملی پر عمل پیرا ہے جو اس نے ہمارے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کو بہکانے میں استعمال کی تھی۔ اس حکمت عملی کے تین ستون ہیں:

۱. وسوسہ: (فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ) پھر شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا۔
۲. قسمیں کھا کر یقین دلانا: (وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ) اور ان کے سامنے اس نے بار بار قسم کھا کر کہا کہ بے شک میں تمہارے خیر خواہوں میں سے ہوں۔
۳. دھوکہ دینا: (فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ) اس طرح اس نے دونوں کو دھوکے سے نیچے اتار ہی لیا۔

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ○وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ○فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ○

’’پھر شیطان نے ان دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا، تا کہ ان کی شرم گاہیں جو ان سے پوشیدہ تھیں، ایک دوسرے کے سامنے کھول دے اور کہنے لگا تمہارے پروردگار نے تم دونوں کو اس درخت سے صرف اس لیے منع کیا ہے کہ کہیں تم دونوں فرشتے نہ بن جاؤ، یا ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ اور ان کے سامنے اس نے بار بار قسم کھا کر کہا کہ بے شک میں تمہارے خیر خواہوں میں سے ہوں۔ اس طرح اس نے دونوں کو دھوکے سے نیچے اتار ہی لیا، سو جب ان دونوں نے اس درخت کا مزہ چکھا تو ان دونوں کی شرم گاہیں ایک دوسرے پر کھل گئیں اور وہ دونوں جنت کے پتے توڑ توڑ کر اپنے بدن پر چپکانے لگے اور ان کے پروردگار نے ان کو آواز دی کہ کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں کیا تھا اور تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے۔‘‘

عقل مند وہ ہے جو سیدھی راہ پر چلے اور رب العالمین کی شریعت کے مطابق حکومت کرے۔ ہم اللہ سے مدد، استقامت اور توفیق مانگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مدیر انٹرویو: استاذِ محترم! آپ کے ساتھ اپنے مکالمے کے پہلے حصے میں ہمارا وقت ختم ہو رہا ہے، اور صرف پانچ منٹ میرے پاس ہیں، لہٰذا یہ مناسب ہو گا کہ آپ شامی جہاد کے مستقبل کے بارے میں اپنے خدشات کا ذکر کرتے ہوئے اس کا اختتام کریں، ہم آپ کے ساتھ دوسری قسط میں موجودہ سوالات اور مسائل کے بارے میں مکالمہ مکمل کریں، ان شاءاللہ۔

شام کے منظر نامے پر آپ کے منطقی خدشات کیا ہیں؟

استاذ عبد العزیز الحلاق: حقیقت یہ ہے کہ میں اپنی شامی قیادت اور شامی عوام کے بارے میں اس چیز سے ڈرتا ہوں جس سے ہمارے نبی ﷺ اپنی امت کے بارے میں ڈرتے تھے، چنانچہ بزار، طبرانی، شہاب قضائی وغیرہ میں اسنادِ حسن کے ساتھ مروی ہے:

عن عمرو بن عوف المزني له قال: سَمِعْتُ رَسُولَ الله ﷺ يَقُولُ: «إِنِّي أَخَافُ عَلَى أُمَّتِي مِنْ ثَلَاثٍ: مِنْ زَلَّةِ عَالِمٍ، وَمِنْ هَوَى مُتَبَعٍ، وَمِنْ حُكْمِ جَائِرٍ»، وفي رواية: «إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَى أُمَّتِي مِن بَعْدِي أَعْمَالًا ثَلَاثَةً..»

حضرت عمرو بن عوف مزنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: ’’بے شک مجھے اپنے بعد اپنی امت پر تین کاموں کا خوف ہے: عالم کے پھسل جانے، خواہشات کی پیروی اور ظالم حکمران کا۔‘‘

اور صحیح مسلم میں ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَن النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ الدُّنْيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ، وَإِنَّ اللهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا، لِيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ، فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ، فَإِنَّ أَوَّلَ فِتْنَةِ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانَتْ فِي النِّسَاءِ»

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ’’بلاشبہ دنیا بہت میٹھی اور ہری بھری ہے اور اللہ تعالیٰ اس میں تمہیں جانشیں بنانے والا ہے، پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو، لہٰذا تم دنیا سے بچتے رہنا اور عورتوں (کے فتنے میں مبتلا ہونے) سے بچ کر رہنا، اس لیے کہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں (کے معاملے) میں تھا۔‘‘

اور صحیح مسلم میں ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «أَخْوَفُ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ مَا يُخْرِجُ اللَّهُ لَكُمْ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا قَالُوا: وَمَا زَهْرَةُ الدُّنْيَا يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: «بَرَكَاتُ الْأَرْضِ» (قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، وَهَلْ يَأْتِي الْخَيْرُ بِالشَّرِ؟ قَالَ: «لَا يَأْتِي الْخَيْرُ إِلَّا بالْخَيْرِ، لَا يَأْتِي الْخَيْرُ إِلَّا بِالْخَيْرِ، لَا يَأْتِي الْخَيْرُ إِلَّا بِالْخَيْرِ»

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خطرہ اور اندیشہ دنیا کی اس شادابی اور زینت سے ہے جو اللہ تعالیٰ تمہیں دے گا۔“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی ”دنیا کی شادابی اور زینت کیا ہے؟“ آپؐ نے فرمایا: ”زمین کی برکات۔“ انہوں نے کہا: ”اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا خیر شر کے لانے کا سبب بن جاتی ہے؟“ آپؐ نے فرمایا: ”خیر سوائے خیر کے کچھ نہیں لاتی، خیر سوائے خیر کے کچھ نہیں لاتی، خیر سوائے خیر کے کچھ نہیں لاتی۔“

اور صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَاللَّهِ مَا الْفَقْرَ أَخْشَى عَلَيْكُمْ وَلَكِنْ أَخْشَى عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا وَتُلْهِيَكُمْ كَمَا أَهْتَهُمْ

”اللہ کی قسم! فقر و محتاجی وہ چیز نہیں ہے جس سے میں تمہارے متعلق ڈرتا ہوں بلکہ میں تو اس سے ڈرتا ہوں کہ دنیا تم پر بھی اسی طرح کشادہ کر دی جائے گی، جس طرح ان لوگوں پر کر دی گئی تھی جو تم سے پہلے تھے اور تم بھی اس کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی اسی طرح کوشش کرو گے جس طرح وہ کرتے تھے اور تمہیں بھی اسی طرح غافل کر دے گی جس طرح ان کو غافل کیا تھا۔“

جلیل القدر شیخ اور عظیم عالم ابو قتادہ فلسطینی حفظہ اللہ نے چند صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ لکھا ہے جس کا عنوان ہے ”ورقة في البعث الحضاري وبيئته“ (تہذیبی احیا اور اس کے ماحول پر ایک مقالہ)۔ اس میں انہوں نے اس عظیم حدیث کی بہترین شرح کی ہے، یہ ایک قیمتی کتاب ہے جسے اس دور کے لوگوں کو اس غیر مستحکم مرحلے پر پڑھنا چاہیے۔

میرے پیارے بھائی! اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس چیز کا خدشہ تھا، شام میں بہت پہلے اور دو ماہ قبل (یعنی بوقتِ انٹرویو) دمشق کی آزادی کے دوران، ہم اس تک پہنچ گئے تھے اور آج ہم بہت سے نظریاتی، شرعی اور جہادی قائدین کو خوش ہوتے ہوئے، جشن مناتے ہوئے اور وہی گاتے ہوئے دیکھتے ہیں جو امیر احمد شوقی نے مصطفیٰ کمال اتاترک کی حمایت اور تعریف کرتے ہوئے گایا تھا:

الله أكبر كم في الفتح من عَجَبِ
يَا «أَحْمَدَ الشَّرْعِ» جَدِدْ أَحْمَدَ العَرَبِ
حَذَوْتَ حَذْوَ صَلَاحِ الدِّينِ فِي
فيه القِتَالُ بِلَا شَرْعٍ وَلَا أَدَبِ

اللہ اکبر، فتح میں کتنے عجائبات ہیں
اے ’احمد الشرع‘ جدید احمد العرب
تم نے صلاح الدین کی مثال کی پیروی کی
لڑائی میں نہ شریعت کا خیال کیا اور نہ ہی اخلاق و آداب کا

پھر دھوکہ کھا جانے کے بعد، امت نے مصطفیٰ کمال اتاترک میں ارتداد، کفر اور زندقہ کی نشانیاں دیکھیں۔ میرے پیارے بھائی! میں امید کرتا ہوں کہ ہم اسے بہت دور نہیں سمجھیں گے، کیونکہ آج ہم اس زمانے میں ہیں جس کی خبر ہمیں ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تَكُونُ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ فِتَنٌ كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ فِيهَا مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا، وَيُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا، يَبِيعُ أَقْوَامٌ دِينَهُمْ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا[3]

”قیامت سے پہلے سخت تاریک رات کی طرح فتنے (ظاہر) ہوں گے، جن میں آدمی صبح کو مومن ہو گا تو شام میں کافر ہو جائے گا، شام میں مومن ہو گا تو صبح کو کافر ہو جائے گا، دنیاوی ساز و سامان کے بدلے کچھ لوگ اپنا دین بیچ ڈالیں گے۔“

اندلس کی تاریخ نے ہمارے لیے یہ واقعہ محفوظ کر لیا ہے کہ مجاہدین کے بہت سے امراء اور قائدین نے پہلے تو قسطلیہ (ہسپانیہ) کے امراء کی چاپلوسی کی، پھر انہوں نے واضح ارتداد اختیار کیا اور اللہ کے دین سے صریحاً مرتد ہو گئے، نہ صرف یہ بلکہ انہوں نے عیسائیت اختیار کر لی اور صلیب پہن لی اور غرناطہ و قرطبہ کے گرجا گھروں میں بپتسمہ لیا، جبکہ اس سے قبل وہ لوگ توحید و جہاد کے اماموں اور شہادت کے طالبوں میں شمار ہوتے تھے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے اس کی صفاتِ احسان، لطف و کرم اور رحمت کے واسطے سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اہلِ شام پر رحم فرمائے، ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہم پر اور شام میں ہمارے لوگوں پر اپنا لطف و کرم عنایت فرمائے اور اقامتِ دین اور رب العالمین کی شریعت کے نفاذ کے ساتھ ہمارے خوابوں کو پورا فرمائے اور اسلامی امیدوں کو مایوس نہ فرمائے اور ہمیں اور ہماری امت کو، جس نے اس بابرکت جہاد کی مدد و نصرت کی، مایوس نہ کرے۔

میں اپنے علماء اور مشائخ کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرضِ عین کو احسن طریقے سے ادا کرتے رہیں، نصیحت و ارشاد، اور احتساب و رہنمائی جیسے فرائض ادا

[3] الترمذي

کرتے رہیں، اور یہ یاد رکھیں کہ ہم پر، حکمران پر، حکومت پر اور عوام پر غرض سب پر علم اور علماء کی شرعی ولایت و سرپرستی ہے، لہٰذا انہیں اس دینی آسمانی سرپرستی کو قائم رکھنا چاہیے تاکہ ہم انہیں کل شوقی کے رونے اور پیٹنے کی طرح روتے پیٹتے نہ دیکھیں۔

وہ روتے پیٹتے کہتا ہے جبکہ قوم بھی اس کے ساتھ روتی ہے:

بَكَتِ الصَّلاةُ وَتِلْكَ فِتْنَةُ عابث
بالشرع عربيد القضاء وقاح
أفتى خُزَعيلَةً وَقَالَ ضَلالَةً
وأتى بكفر في البِلادِ بَواحِ
إِنَّ الغُرور سقى الرئيس براحه
كيف احتيالك في صريع الراح
نَقَلَ الشرائع والعَقَائِدَ وَالقُرى
هُمْ أَطلقوا يَدَهُ كَقَيْصَرَ فِيهُمُ
والناس نقل كتائِب في الساح
حَتَّى تَناوَلَ كُلَّ غَيرِ مُباح
غرته طاعات الجموع وَدَولَةٌ
وَجَدَ السَوادُ لَها هوى المرتاح
فَلتَسمَعُنَّ بِكُلِّ أَرضِ دَاعِيا
يدعو إلى الكَذَّابِ أَو لِسَجاحِ
وَلتَشهَدُنَّ بِكُلِّ أَرضِ فِتَنَةً
فيها يُباع الدينُ بَيعَ سَماح
يفتى على ذَهَبِ الْمُعِزّ وَسَيفِهِ
وهوى النفوس وحقدها الملحاح

”نماز رونے پر مجبور ہوئی اور یہ ایک ایسا فتنہ ہے جو شریعت کے ساتھ کھلواڑ کرنے والا، عدل و انصاف کا مذاق اڑانے والا اور بے حیائی سے بھرپور ہے۔
درباری مولوی نے فتویٰ دیا، گمراہی کی باتیں کیں، اور ملک میں سرِ عام کفر کو رواج دیا۔
تکبر نے حاکم کو نشے میں چُور کر دیا، پس اب تم بتاؤ، تم نشے میں گرے ہوئے شخص کے ساتھ کیسا فریب کرو گے؟
اس نے شریعت، عقائد اور مملکتوں کے اصول بدل ڈالے، وہ ایسے آزاد ہو گیا جیسے قیصر کو مکمل اختیار حاصل ہو۔
لوگوں کو فوجی دستوں کی طرح ساحل کی طرف روانہ کیا، یہاں تک کہ ہر حرام چیز کو حلال سمجھ کر استعمال کیا جانے لگا۔
اسے لوگوں کی اطاعت اور ریاست کی طاقت نے دھوکے میں ڈال دیا، اور سادہ لوح عوام نے بھی اس کو اپنا محبوب بنالیا۔
تم ہر جگہ کسی نہ کسی منادی کو پاؤ گے جو کسی کذاب نبی یا سجاح (جھوٹی نبوت کی دعویدار عورت) کی طرف بلا تا ہو گا۔
اور تم ہر جگہ کوئی نہ کوئی فتنہ دیکھو گے، جہاں دین کو کھلے عام بیچا جا رہا ہو گا۔
آج فتویٰ زر، تلواروں، خواہشاتِ نفس اور دل میں چھپے انتقامی جذبات کی بنیاد پر دیا جاتا ہے۔“

مدیر انٹرویو: استاذِ محترم عبد العزیز الحلاق اللہ آپ کی زندگی میں برکت عطا فرمائے اور اسلام اور مسلمانوں کو آپ سے فائدہ پہنچائے، حقیقت یہ ہے کہ آپ کے ساتھ مکالمہ بہت خوشگوار اور مفید رہا اور میری خواہش ہے کہ ہم جہادِ شام کے مستقبل کے بارے میں بات کرنے کے لیے مزید وقت نکالیں۔ لیکن ان شاء اللہ ہم اپنی ملاقات کی اگلی قسط میں آپ کے ساتھ مکالمے اور گفتگو کا انتظار کریں گے اور آنے والی ملاقات اور مکالمے تک ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں، آپ کو اور تمام مسلمانوں کو ہدایت و رہنمائی عطا فرمائے اور ہماری امت اور ہمارے شامی عوام کے لیے خیر کا معاملہ فرمائے، جس میں اطاعت کرنے والوں کو عزت نصیب ہو اور اہلِ کفر و شرک کو ذلت ملے اور نافرمانی کرنے والوں کو ہدایت عطا ہو اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

☆☆☆☆☆

مغربی مصنوعات کا بائیکاٹ

”تمام مسلم اقوام کو مغربی مصنوعات کا مکمل بائیکاٹ کرنا چاہیے۔ اگر مغربی مصنوعات کا کوئی متبادل مسلم ممالک میں دستیاب ہو، چاہے وہ کم معیار کا ہی کیوں نہ ہو، تو اسی کو ترجیح دینی چاہیے۔ کیونکہ جو شخص مغربی گاڑی خریدتا ہے، وہ دراصل فلسطین میں مسلمانوں کے قتل میں مدد دے رہا ہے۔ ایسی تمام مصنوعات، جن کا کوئی متبادل اسلامی ممالک میں موجود ہو، خواہ وہ مہنگی ہوں یا سستی، انہیں یورپ، امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، جاپان، جنوبی کوریا، بھارت، چین اور ان تمام ممالک سے خریدنا ناجائز ہے جو سیاسی، عسکری یا معاشی طور پر اسرائیل کی حمایت کرتے ہیں۔“

شیخ سیف العدل

(یہ غزہ ہے، یہاں زندگی اور موت کی جنگ جاری ہے!)

علیکم بالشام!

نئے حکمرانوں کے نام پیغام

شام دوراہے پر ہے، جہاں اس کا انجام لیبیا جیسا ہو سکتا ہے

فضیلۃ الشیخ عطیۃ اللہ اللیبی شہید رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور درود و سلام ہو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر، ان کے اہلِ بیت، صحابہ کرام، اور ان کی پیروی کرنے والوں پر، امابعد!

قرآن و سنت کی نصوص اس بات کی واضح دلیل فراہم کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان قوموں اور مملکتوں کو ہلاک کر دیتا ہے جو ظلم کرتی ہیں۔ یعنی ان کی ہلاکت کا سبب ان کا ظلم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اس حالت میں ہلاک نہیں کرتا جب وہ نیک ہوں اور اصلاح کرنے والے ہوں۔

یہ مفہوم قرآن میں کئی مقامات پر موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ۝ (سورۃ القصص: ۵۹)

”اور آپ کا رب بستیوں کو اس وقت تک ہلاک نہیں کرتا جب تک ان کے مرکز میں کوئی رسول نہ بھیج دے جو انہیں ہماری آیات سنائے اور ہم بستیوں کو اسی وقت ہلاک کرتے ہیں جب ان کے رہنے والے ظالم ہوں۔“

اور فرمایا:

وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ۝ (سورۃ الکھف: ۵۹)

”اور یہ بستیاں ہم نے اس وقت ہلاک کیں جب انہوں نے ظلم کیا۔“

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ کسی قوم کو اس وقت تک ہلاک نہیں کرتا جب تک وہ ظلم نہ کریں۔ اور ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر کوئی قوم اللہ کی اطاعت کرتی ہے اور تقویٰ اختیار کرتی ہے تو وہ آسمان و زمین سے ان پر برکتیں نازل فرماتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الاعراف میں ہے:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ (سورۃ الاعراف: ۹۶)

”اور اگر ان بستیوں والے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے، تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے، مگر انہوں نے جھٹلایا، پس ہم نے انہیں ان کے اعمال کی سزا میں پکڑ لیا۔“

یہاں ”القری“ کا مطلب قرآن کی اصطلاح میں ”قومیں“ یا ”مملکتیں“ ہیں جیسا کہ امام شیخ عبد الحمید بن بادیس رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں بیان فرمایا ہے۔

قرآن کی اصطلاح میں ”القری“ (بستیوں) کا مطلب وہی ہوتا ہے جسے ہم آج کل ”قومیں“ یا ”مملکتیں“ کہتے ہیں۔ بلکہ ممکن ہے کہ ”دولت“ یعنی ملک یا اس کی جمع ”دول“ ممالک، قرآن کی ”قری“ لفظ کے سب سے زیادہ قریب الفاظ ہوں، چاہے لغت کے لحاظ سے ہوں یا قرآن کے سیاق و سباق کے اعتبار سے۔

قرآن کریم میں اس بات کی بہت سی واضح مثالیں موجود ہیں اور یہ مفہوم قرآن میں بار بار دہرایا گیا ہے کہ جب کوئی ”بستی“ یعنی مملکت یا کوئی انسانی معاشرہ جس کے پاس زمین میں اقتدار، اختیار اور طاقت ہو، اللہ کی اطاعت پر قائم ہو، نیک ہو اور اصلاح کرنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو قائم رکھتا ہے، اس کے وجود کو دوام دیتا ہے، اس کی حفاظت فرماتا ہے، اس میں برکت عطا کرتا ہے اور اس پر آسمان و زمین سے اپنی برکتیں نازل فرماتا ہے۔

اور اگر کوئی قوم ظالم ہو یا اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرے، جیسا کہ سورۃ النحل میں فرمایا:

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَىِٕنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ (سورۃ النحل: ۱۱۲)

”اور اللہ نے ایک بستی کی مثال بیان کی جو امن و امان میں تھی، اس کے پاس ہر طرف سے کشادگی کے ساتھ رزق آتا تھا، مگر اس نے اللہ کی نعمتوں کا انکار کیا، تو اللہ نے انہیں ان کے اعمال کے سبب بھوک اور خوف کا لباس (مزہ) چکھایا۔“

تو جب کوئی قوم اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرے، غرور اور تکبر میں مبتلا ہو جائے، زمین میں فساد مچائے اور اللہ کی اطاعت سے نکل کر نافرمانی اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کر دیتا ہے۔

جیسا کہ فرمایا:

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا○(سورۃ الإسراء: ۱۶)

"اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو وہاں کے خوشحال لوگوں کو حکم دیتے ہیں، تو وہ نافرمانی کرتے ہیں، پس ان پر عذاب کا فیصلہ واجب ہو جاتا ہے، پھر ہم اس کو پوری طرح تباہ کر دیتے ہیں۔"

چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کو تباہ کر دیتا ہے، چاہے وہ قوم کتنی ہی طاقتور کیوں نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا (سورۃ یونس: ۱۳)

"اور ہم نے تم سے قبل کی قوموں کو ہلاک کیا جب انہوں نے ظلم کیا۔"

اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی ہلاک کیا، اور اگر آج ہم یا موجودہ انسان، یا یہ جدید مملکتیں، جتنی بھی طاقتور ہو جائیں، اگر وہ اللہ کے حکم سے روگردانی کریں، تو اللہ تعالیٰ انہیں بھی انہی پچھلی عظیم قوموں کی مثالوں سے تنبیہ فرماتا ہے جنہیں اس نے ماضی میں ہلاک کیا۔

اللہ تعالیٰ ہر چیز کو ہلاک کرنے پر قادر ہے، اللہ کا حکم جب آ جائے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا۔

نہ کوئی چیز اللہ کو عاجز کر سکتی ہے، وہ غالب ہے، کوئی اسے مغلوب نہیں کر سکتا اور اس کی قدرت اور علم سے کوئی چیز باہر نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ حقیقت قرآن مجید میں نہایت ہی خوبصورتی، وضاحت اور حکمت کے ساتھ بیان فرمائی ہے۔

بستیوں اور ریاستوں یعنی اقوام و ممالک کی بقا، حفاظت، دوام اور استحکام صرف اس وقت ممکن ہے جب وہ نیکی پر قائم ہوں، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں اور اس کے رسولوں کی پیروی کریں، لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں، اس کے رسولوں کی مخالفت کریں، اس کے دین اور احکام کا انکار کریں، ظلم میں مبتلا ہوں، تو اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کر دیتا ہے، ان کا وجود مٹا دیتا ہے اور ان کی جگہ کسی دوسری قوم کو زمین میں خلیفہ بنا دیتا ہے۔

اسی لیے ہمارے علماء نے اور خاص طور پر ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے "مقدمہ" میں ایک باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے: "ظلم بربادی کا پیش خیمہ ہے۔"

یعنی ظلم انسانی معاشروں کی تباہی اور بربادی کا سبب بنتا ہے۔ "عُمران" سے مراد انسانی معاشرہ اور اس کا استحکام ہے اور اس انسانی معاشرے کی مکمل اور طاقتور شکل "ریاست" ہوتی ہے۔ چنانچہ جب ظلم عام ہو جائے تو وہ مملکت تباہی کی طرف بڑھتی ہے۔

تو اس کا مطلب بالکل واضح ہے، لیکن بعض لوگ سوال کرتے ہیں، مثلاً: ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سی مملکتیں مثلاً امریکہ جیسی، وہاں ظلم بھی ہے، غرور و تکبر بھی، فسق و فجور بھی، اللہ کی نافرمانی بھی اور رسولوں کی مخالفت اور انکار بھی انتہا درجے تک موجود ہے۔ اس کے باوجود وہ زمین میں غالب ہیں، دوسری قوموں اور ملتوں پر مسلط ہیں، انہیں ذلت میں ڈال رکھا ہے، اور دنیا میں ان کا غلبہ باقی ہے؟

یہ ایک اہم اشکال ہے اور ان شاء اللہ اس کا جواب دیا جا سکتا ہے، بلکہ یہ جواب سادہ اور آسان ہے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو فوراً ہلاک نہیں کرتا، یعنی ضروری نہیں کہ ظلم، کفر یا نافرمانی کے فوراً بعد ہی اللہ کا عذاب آ جائے۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ انہیں ایک مدت تک مہلت دیتا ہے، انہیں ڈھیل دیتا ہے، ان کو وقت دیتا ہے اور اس مہلت میں بڑی بڑی حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کامل حکمت والا ہے، اس کی حجت بھی مکمل ہے۔ وہ ان قوموں کو لوگوں کے لیے آزمائش بنا دیتا ہے اور ان پر اپنی حجت پوری کرتا ہے، انہیں بار بار خبردار کرتا ہے، انہیں نصیحت کا موقع دیتا ہے، عمر دراز کرتا ہے، موقع فراہم کرتا ہے، شاید وہ باز آ جائیں، شاید وہ توبہ کر لیں، شاید حق کی طرف لوٹ آئیں۔

پھر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انہی ظالم قوموں کی نسل سے کچھ لوگ ایسے پیدا ہوتے ہیں جو اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کرتے ہیں، اور اس کے رسولوں کی پیروی کرتے ہیں۔ اسی طرح جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، اللہ تعالیٰ ان کفار و ظالمین کو کبھی مسلمانوں کے لیے آزمائش بنا دیتا ہے، جیسا کہ آج کل امریکہ کو مسلمانوں پر مسلط کیا گیا ہے۔ یہ ہمارے لیے آزمائش ہے، امت مسلمہ کے لیے امتحان ہے۔

یہ ان کے لیے بھی آزمائش ہے، اور ہمارے لیے بھی اور ان کے لیے مہلت بھی اور مزید عذر و حجت کا موقع بھی۔

اسی طرح ان کے باقی رہنے میں، ان کی وقتی طاقت میں اللہ تعالیٰ نشانیاں، عبرتیں اور سبق رکھتا ہے تاکہ لوگ اس سے کچھ سیکھیں اور عبرت حاصل کریں۔ چنانچہ ان کی مہلت میں بھی بہت سی حکمتیں ہیں۔

لہٰذا اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں فوراً ہلاک کرے گا، بلکہ ممکن ہے کچھ وقت انہیں مہلت دی جائے۔ مگر ان کا انجام بہر حال ہلاکت ہی ہے، چاہے جتنا وقت لگے۔

آج جب ہم امریکہ کی بات کرتے ہیں تو واقعی، امریکہ نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی ہے، غرور و تکبر میں مبتلا ہے، ظلم کا پیکر ہے، اور وہ تمام اسباب جو قرآن میں اقوام کی ہلاکت کے لیے بیان کیے گئے ہیں، وہ سب امریکہ میں موجود ہیں۔ اس لیے ہمیں یقین رکھنا چاہیے کہ امریکہ کا انجام بھی زوال اور ہلاکت ہے۔

اب جو تھوڑا بہت وقت اسے ملا ہے، وہ صرف مہلت ہے، وہ مہلت جس میں اللہ تعالیٰ اپنی حکمتیں پوری کرتا ہے جیسا کہ ہماری آزمائش، ہمارے صبر، جہاد، اور ہمارے مؤقف کو آزمانا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ امریکی مملکت ہلاک و تباہ ہونے والی ہے، یہ اٹل حقیقت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کے ذریعے آزمائش میں ڈالا ہے اور انہیں بھی ہمارے ذریعے آزماتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

> ذٰلِكَ ۛ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا۟ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ (سورة محمد: ۴)
>
> ”اور اگر اللہ چاہتا تو خود ان سے بدلہ لے لیتا، مگر وہ تمہیں ایک دوسرے کے ذریعے آزماتا ہے۔“

یہی حال تقریباً تمام کفریہ ریاستوں کا ہے حتیٰ کہ بہت سی ایسی مملکتیں بھی جو اسلام سے منسوب ہیں، وہ بھی اپنے اندر زوال اور ہلاکت کے اسباب لیے ہوئے ہیں، البتہ ان میں یہ اسباب مختلف درجوں میں پائے جاتے ہیں۔

اسی لیے اگر کوئی یہ سوال کرے، جیسا کہ لوگ اکثر پوچھتے ہیں کہ کیا مثلاً امریکہ میں جو معاشی بحران آیا یا جو حالات چل رہے ہیں، کیا توقع کی جاسکتی ہے کہ کوئی نیا بحران آئے جو امریکہ کو تباہ کر دے، اسے ہلا دے اور وہ ملک بکھر جائے؟

تو دیکھیں، میں کوئی ماہرِ اقتصادیات نہیں ہوں۔ لیکن الحمدللہ، اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو علمِ قرآن، علمِ سنت اور اسلامی اصول دیے ہیں، ان کی روشنی میں ہم کچھ بنیادی حقائق جانتے ہیں، جو عام لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہوتے ہیں۔

مسلمانوں کے پاس وہ علم اور بصیرت ہے جو کفار کے پاس نہیں، وہ برسوں، بلکہ صدیوں تحقیق کرتے ہیں، ریسرچ سینٹر بناتے ہیں، مختلف مطالعات کرتے ہیں، پھر جا کے کسی چھوٹے سے نتیجے پر پہنچتے ہیں۔

جبکہ ہم مسلمان ان بنیادی اصولوں کو بچپن سے جانتے ہیں۔ ایک بچہ جب تھوڑا سا قرآن پڑھ لیتا ہے، تو وہ جان لیتا ہے کہ جو قوم ظلم کرتی ہے، وہ ہلاکت کی راہ پر چل پڑتی ہے۔

یعنی وہ حقائق جو کفار ہزاروں کوششوں کے بعد سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، ہمیں وہ قرآن سے سادہ انداز میں سمجھا دیے گئے ہیں۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ امتِ مسلمہ، ایک عظیم امت ہے، جس کے پاس نہایت نافع علوم، درست عقائد اور مفید نظریات و مفاہیم موجود ہیں جو دنیا کو حقیقی فہم و بصیرت دیتے ہیں۔

یقیناً امتِ مسلمہ کے پاس ایک گہری بصیرت اور سمجھ بوجھ ہے، جو دوسری اقوام کے پاس نہیں۔ دیگر اقوام ایک معمولی نتیجے تک پہنچنے کے لیے سخت محنت اور لمبی جدوجہد کرتی ہیں، جبکہ ہم مسلمان بعض اوقات ان نتائج سے پہلے سے واقف ہوتے ہیں۔

اس بات کو ہمارے علماء نے بھی واضح کیا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس بارے میں بہت عمدہ بات کہی ہے کہ:

> ”یہ امت (امتِ مسلمہ) قلیل وقت میں نافع علم، درست تجربات اور پختہ حکمت حاصل کر لیتی ہے، جو دوسری اقوام بڑے عرصے میں بھی حاصل نہیں کر سکتیں۔“

یہ بات بالکل ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ چاہے امریکہ کی موجودہ معاشی بحران کی کیفیت ہو، ہو سکتا ہے اس سے ان پر سختی آئی ہو، پھر وقتی طور پر کچھ سنبھل بھی گئے ہوں۔ لیکن ہمارا ظن اور ہمارا عقیدہ یہ ہے واللہ اعلم کہ یہ سب وقتی بہتری ہے۔

بلکہ ان کے اپنے ماہرین اور دیگر اقوام کے ماہرین، حتیٰ کہ مسلمانوں میں سے بھی جو ماہرین معاشیات ہیں، وہ سب یہی کہتے ہیں کہ یہ معاشی بحالی ایک وقتی معاملہ ہے اور یہ کہ آئندہ تین سے پانچ برس کے اندر (یعنی دو ہزار پندرہ تک) امریکہ ایک نئے شدید معاشی بحران کا شکار ہو سکتا ہے۔

یعنی یہ توقع کی جا رہی ہے کہ مستقبل میں ایک اور بڑا معاشی بحران آئے گا، جو ممکن ہے کہ امریکہ اور دیگر بڑی مغربی طاقتوں کو شدید متاثر کرے اور جو چھوٹی چھوٹی مملکتیں ان کے اثر میں ہیں، وہ بھی اس کی لپیٹ میں آئیں گی۔

لیکن جو بات ہم کہنا چاہتے ہیں، وہ یہ ہے کہ، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے، غالب گمان یہی ہے کہ امریکہ کی تباہی اللہ تعالیٰ امتِ مسلمہ کے ہاتھوں لائے گا۔

یعنی امتِ مسلمہ ہی وہ امت ہو گی جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ امریکہ کو ہلاک کرے گا۔

جب سے امریکہ نے امتِ مسلمہ کے خلاف کھلی جنگ کا آغاز کیا ہے، اسی دن سے اس کی الٹی گنتی شروع ہو گئی ہے یعنی زوال اور خاتمے کا سلسلہ واقعی طور پر شروع ہو گیا ہے اور اس کے اثرات بھی دیکھنے کو مل رہے ہیں۔

کیونکہ امریکہ کی جنگ کسی خاص تنظیم مثلاً القاعدہ یا کسی مخصوص جہادی گروہ یا مسلمانوں کی کسی خاص جماعت یا افراد کی ایک قلیل تعداد کے خلاف نہیں ہے۔ یہ جنگ صرف چند افراد یا کسی ایک جماعت کے خلاف نہیں، بلکہ یہ جنگ پورے عالمِ اسلام کے خلاف ہے، اسلام کی تہذیب و تمدن، دینِ اسلام، اسلامی فکر، اسلامی سوسائٹی اور اسلامی شناخت کے خلاف ہے۔

امریکہ نے ایک پوری تہذیب، ایک مکمل ثقافتی اور دینی نظام اور ایک عالمی انسانی قوت سے ٹکر لی ہے، وہ قوت جو آپس میں اسلام کے نام سے جڑی ہوئی ہے۔ یہ ایک متحد انسانی اجتماع ہے جو مختلف طاقتوں پر مشتمل ہے، لیکن اس سب کو اسلام کا رشتہ جوڑتا ہے۔

اے امتِ مسلمہ! اس وقت امریکہ در حقیقت پوری امت مسلمہ کے ساتھ حالتِ جنگ میں ہے۔ یہ ایک حقیقی جنگ ہے۔ ہم مجاہدین، یا القاعدہ جیسی تنظیموں کے افراد، ہم دراصل صرف نیزے کی نوک ہیں، محاذ پر کھڑے وہ سپاہی ہیں جو امتِ مسلمہ کی نمائندگی کر رہے ہیں۔

یہی معنیٰ ہے "طلیعہ" (پیش رو) کا کہ ہم مجاہدینِ امت کی پیش رو جماعت ہیں۔ لیکن یہ مجاہدین، یہ چند افراد جو میدان میں ہیں، ان کے پیچھے لاکھوں کی تعداد میں امت کے وہ لوگ ہیں جو ان کے ساتھ محبت کرتے ہیں، ان کے لیے دعا کرتے ہیں، ان کی حمایت کرتے ہیں، یہی لوگ اصل طاقت ہیں، یہی مدد ہیں، یہی سہارا ہیں، یہی پشت پناہ ہیں۔

اور ہم چند مجاہدین، ان کے بغیر کچھ بھی نہیں۔ کیا ہم بغیر اس امت کے جو ہمارے پیچھے کھڑی ہے، جہاد کر سکتے ہیں؟ نہیں۔

مثلاً مصر کو دیکھیں، جس کی آبادی آٹھ ساڑھے آٹھ کروڑ ہے۔ اگر ہم کہیں کہ صرف نصف آبادی مجاہدین کو پسند کرتی ہے، اسامہ بن لادن، ایمن الظواہری اور دوسرے مجاہدین سے محبت رکھتی ہے، کیا یہ بات سچ نہیں؟

پھر اگر پورے عالمِ عرب کی بات کریں، جس کی آبادی تقریباً بیس سے پچیس کروڑ ہے، تو کم از کم نصف لوگ تو مجاہدین کے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں۔ بلکہ ہم تو سمجھتے ہیں کہ نصف سے بھی زیادہ امت کے افراد مجاہدین کے ساتھ ہیں۔

ہاں، ممکن ہے بعض لوگ مجاہدین کے کچھ طریقوں پر اعتراض کریں جیسے: "ہمیں پسند نہیں کہ اسامہ بن لادن سعودی عرب میں داخل ہو" یا "ہمیں القاعدہ کے وہ حملے پسند نہیں جن میں سعودی عرب کے اندر مسلمان مارے گئے"، لیکن وہ ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں: "ہم مجاہدین کے ساتھ ہیں، وہ جو امریکہ اور اسرائیل کو نشانہ بناتے ہیں، ہم ان کو دعائیں دیتے ہیں، ان کے لیے نیک تمنائیں رکھتے ہیں اور ان کی کامیابی کے خواہش مند ہیں"۔

یہی وہ عوام الناس ہیں، یہی امتِ مسلمہ کے عام مسلمان ہیں جو عرب ہوں یا غیر عرب، اکثر و بیشتر اسامہ بن لادن، القاعدہ اور مجاہدین کے حامی ہیں۔

اور حقیقت یہی ہے۔ لوگ کہتے ہیں: "ہمیں یہ پسند نہیں کہ وہ فلاں جگہ دھماکے کریں، لیکن ہم مجاہدین کے ساتھ ہیں، اللہ ان کو جزائے خیر دے، اس لیے کہ وہ امریکہ کو نشانہ بناتے ہیں، اسرائیل کو نشانہ بنانا چاہتے ہیں، اور شاید کبھی کبھار انہوں نے ایسا کیا بھی ہے اور ان شاء اللہ وہ مزید کوشش کریں گے"۔ یہ عوام الناس کا عمومی رویہ ہے۔

عالمِ اسلام کے عام مسلمان، عرب ہوں یا غیر عرب، اکثریت اسامہ بن لادن، مجاہدین اور القاعدہ کے ساتھ ہمدردی رکھتی ہے۔

حتیٰ کہ جو لوگ تنقید کرتے ہیں، وہ بھی بعض مخصوص پہلوؤں پر ہی اعتراض کرتے ہیں۔

لیکن مجموعی طور پر وہ ان سے محبت رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ یہ لوگ مسلمان ہیں، اللہ کی راہ میں جہاد کر رہے ہیں اور وہ دل سے ان کے ساتھ ہیں، چاہے بعض باتوں سے اختلاف رکھتے ہوں۔

کوئی کہتا ہے: "مجھے ان کی فلاں بات پسند نہیں، میں چاہتا ہوں کہ وہ اس کو درست کریں۔ ہم ان کو نصیحت کرتے ہیں کہ فلاں طریقہ درست کریں، لیکن وہ ہمارے بھائی ہیں اور ہم ان کے ساتھ ہیں"۔

تو امت مسلمہ ہی مجاہدین کی پشت پر کھڑی ہے۔

مجاہدین اور ان کے رہنما اگر ان کی پشت پر امت کھڑی نا ہوتی، تو وہ جہاد نہیں کر سکتے تھے۔

یہی مطلب ہے "طلیعہ" (پیش رو) کا: ہم امت کے نیزے کی نوک ہیں، ہم اس امت کی طلیعہ (صفِ اول) ہیں۔ لیکن ہم خود پوری امت نہیں ہیں، ہم صرف امت کا ایک حصہ ہیں، کوئی الگ وجود نہیں۔ ہم امت کا نہ متبادل ہیں، نہ اس سے الگ کوئی گروہ بلکہ ہم اسی امت کا ایک جز ہیں، اور اس کی پیش رو جماعت ہیں۔ اور امت ہماری پشت پر ہے، اللہ تعالیٰ کے بعد امت ہی ہمارا سہارا اور پشت پناہ ہے۔

اور الحمدللہ! جہادی تحریک، جہادی فکر، جہادی شعور اور امت میں جہاد کے احیاء کا جذبہ روز بروز بڑھ رہا ہے، یہ سوچ اور نظریہ ہر روز پھیل رہا ہے اور امریکہ اس پوری امت سے بر سرِپیکار ہے۔ اگرچہ امریکی حکام ہمیشہ یہ کہنے کی کوشش کرتے ہیں جیسا کہ بش، اوباما، اور دوسرے امریکی رہنما بار بار کہتے رہے ہیں:

> "ہم مسلمانوں کے خلاف نہیں، ہم اسلام کے خلاف نہیں، ہم صرف دہشت گردوں سے جنگ کر رہے ہیں، ان سے جو مذہب کو دہشت گردی کے لیے استعمال کرتے ہیں۔"

اور وہ (امریکہ اور اس کے حواری) یہی بات کہتے رہتے ہیں، یہی تصور پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں، یقیناً مسلمانوں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ان کی باتوں پر یقین کر لیتے ہیں، وہ یا تو جاہل ہیں یا ان لوگوں میں سے ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے۔ یہ امت کے زندیق، فاسد، فاجر اور بدکار لوگ ہیں، اور ایسے لوگ امت میں موجود ہیں، یہ حقیقت ہے۔

لیکن امت کی اکثریت، امت کا عام طبقہ، بڑا اور وسیع طبقہ، ایسا جھوٹ ہر گز نہیں مانتا۔ انہیں خوب معلوم ہے کہ امریکہ ایک کافر ریاست ہے، عیسائی، یہودی، صہیونی، لادین، فاجر، بدکار، صلیبی، جارح، دشمن، ظالم، غاصب اور امتِ مسلمہ پر مختلف جگہوں پر حملہ آور ہے۔

یہ وہی ریاست ہے جو:

- فلسطین میں یہودیوں کی مدد کرتی ہے،
- ہمارے ملکوں میں ظالم حکمرانوں کی پشت پناہی کرتی ہے،
- اور امتِ مسلمہ کے خلاف سازشوں اور ظلم کے بڑے منصوبے بناتی ہے۔

یہ بات امت کے تقریباً تمام افراد کو معلوم ہے، بلکہ ہم کہیں کہ امتِ مسلمہ کے اکثر مرد، عورتیں، بڑے، چھوٹے، سب کے دلوں میں یہ عقیدہ بیٹھا ہوا ہے۔

ہاں، ان میں سے کچھ ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے اس عقیدے کو عمل میں بدلتے ہیں اور وہ جہاد کی راہ میں نکل پڑتے ہیں، یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے اندر عزم، انقلابی سوچ، صبر، اور یقین جیسی صفات ہوتی ہیں، اور بالعموم ان میں زیادہ تر نوجوان ہوتے ہیں، یہ دنیا کی تمام اقوام میں ایک فطری حقیقت ہے۔

یہ ممکن ہی نہیں کہ ہم پوری امت مثلاً عالمِ عرب یا عالمِ اسلام کے ان لاکھوں کروڑوں افراد سے کہیں کہ یہ سب افغانستان یا کسی اور مقام پر آکر ہماری صفوں میں شامل ہو جائیں، یا سب ہی القاعدہ میں شامل ہو جائیں، یہ ممکن ہی نہیں۔ اور ہم ان سے یہ چاہتے بھی نہیں۔

الحمدللہ! ہم خود کفیل ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ وہ اپنے مقام سے ہمارا سہارا بنیں، ہماری پشت پناہی کریں، جو وہ کر رہے ہیں۔

ہر شخص اپنے اپنے مقام پر جو کچھ ممکن ہو، وہ کرے، ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ جو کچھ کر سکتا ہے وہ کرے، بلکہ کہتے ہیں کہ جو کچھ آسانی سے ہو سکتا ہے، وہی کر لے۔

الحمد للہ! اہم بات یہ ہے کہ امت ہمارے ساتھ ہے، امت مجاہدین کے ساتھ ہے یعنی امتِ مسلمہ ایک مجاہد امت ہے اور امریکہ کے خلاف کھڑی ہے۔

تو مطلب یہ ہوا کہ امریکہ ایک ایسی جنگ میں داخل ہو چکا ہے جو امتِ مسلمہ کے خلاف ہے اور یہ جنگ اب ترقی کر رہی ہے، آگے بڑھ رہی ہے۔ ہم جو کہ مجاہدین کی قیادت میں ہیں جیسے القاعدہ اور دیگر مجاہد تنظیمیں، ہم اس جنگ میں امت کی جانب سے دفاع کا فریضہ و نمائندگی سر انجام دے رہے ہیں۔ تو ہمیں چاہیے کہ:

- ہم امت کے اندر موجود ان جہادی تصورات و مفاہیم کو ترقی دیں،
- انہیں مزید مستحکم کریں، پختہ کریں،
- اور انہیں عملی حقیقت میں تبدیل کریں۔

اسی کے ساتھ ہمیں چاہیے کہ کفار اور امریکیوں کی طرف سے پھیلائے گئے شبہات کا جواب دیں، اور امت کو ہمیشہ صحیح نظریات اور درست تصورات سے روشناس کرائیں۔

یہی دعوت ہے، یہی جہاد ہے، دعوت اور جہاد ایک ساتھ چلتے ہیں اور اس معرکہ میں شمولیت اور اس میں کامیابی دینا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

امت کی تمام مؤثر قوتوں کو چاہئے کہ اس مقصد میں باہم تعاون کریں۔

امریکہ کے بارے میں خوش خبری ہے کہ ان شاءاللہ جلد زوال پذیر ہونے والا ہے۔ امریکہ ختم ہونے والا ہے، زائل ہونے والا ہے۔

بس یہ چند آزمائشیں ہیں، یہ زوال کا درمیانی وقت ہے، بس تھوڑا صبر، تھوڑی قربانی اور پھر وہ اپنی سرزمین تک محدود ہو جائے گا، وہیں سمٹ جائے گا۔

امتِ اسلام عروج کی جانب بڑھ رہی ہے اور امریکہ اور اس کے دشمن زوال اور پسپائی کی طرف، اب امت مسلمہ بیدار ہو چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اسے بیداری، آگہی، اور انقلابی روح دی ہے۔ اور کفار ان شاءاللہ پسپا ہوں گے۔

یہ ایک انتہائی اہم نظریہ ہے، ہمیں چاہیے کہ جہاں بھی ہوں، جس حالت میں ہوں، مسلمانوں کو اس نظریے سے باخبر رکھیں، سمجھائیں۔

جہاں تک عرب انقلابات اور لیبیا کا تعلق ہے تو ہم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ امریکہ نے ان انقلابات پر کیسا ردعمل دیا؟

امریکیوں کی گھبراہٹ، ان کی بے چینی اور ان کی مختلف حکمت عملیوں کے ذریعے ان انقلابات سے نمٹنے کی کوششیں، یہ سب مراحل، یہ سب ردعمل، ان پر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے اور ان پر بہت سی باتیں مشاہدے میں آئی ہیں۔

یعنی ہمیں ہمیشہ ہوشیاری اور بیداری کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور انقلابات، نئی شروع ہونے والی تحریکوں کے بارے میں سمجھنا بہت ضروری ہے۔ وہ لوگ جو اس وقت پیچھے ہٹ رہے ہیں، ان شاءاللہ، یہ ایک اہم بات ہے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم ہمیشہ مسلمانوں کو سمجھائیں، جہاں بھی ہم ہوں اور جہاں بھی موقع ملے۔ عرب بہار اور لیبیا کے بارے میں، ہم نے دیکھا کہ امریکہ نے کیسے ردعمل ظاہر کیا اور ان انقلابات سے خوفزدہ ہوا۔ ہم نے دیکھا کہ ان کا ردعمل مختلف مراحل سے گزرا۔ ابتدا میں، وہ حکام کا ساتھ دیتے تھے، جو ان کے اتحادی تھے، ظالم حکمران، پھر جب انہیں احساس ہوا کہ عوام جیت رہے ہیں اور یہ ظالم حکومتیں زوال پذیر ہیں، تو انہوں نے عوام کے ساتھ ہونے کا مظاہرہ کیا اور دعویٰ کیا کہ وہ عوام کے ساتھ ہیں اور جمہوریت، آزادی، اور عوامی حق میں ہیں۔ ان سے پوچھا جاتا کہ اب آئے ہو، پہلے کس کے ساتھ تھے؟

پچھلے کئی عشروں سے تم ہی ان ظالم حکمرانوں کے حمایتی تھے، تم نے ہی ان ظالموں کو مضبوط اور محفوظ رکھا، انہیں طاقت دی، اور لوگوں کے خلاف ظلم و ستم، تشدد اور جبر کیا۔ تم ہی ان کی حمایت کرتے رہے اور بہت سے عوامی تحریکوں کو دبایا۔ مثال کے طور پر، الجزائر اور شام کی تاریخیں ہمارے سامنے ہیں اور دیگر چھوٹی چھوٹی کوششیں بھی۔ لیکن اب امریکہ پریشان اور مشکل میں ہے اور اسے سمجھ نہیں آرہا کہ آگے کیا ہوگا۔ وہ بے بس ہیں، اور ہم اللہ کے فضل سے، مجاہدین اور امت مسلمہ اور امتِ جہاد ان انقلابوں سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ہم خوش ہیں اور ان کی حمایت کر رہے ہیں، جیسا کہ علی بابا (امریکہ) نے بھی اعلان کیا کہ: ’’ہم ان انقلابات کی تائید کرتے ہیں۔‘‘

الحمد للہ، ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس میں حصہ دار ہیں اور ہم اس میں حصہ لیتے رہیں گے، اسے درست کریں گے اور اس کی اصلاح کریں گے۔ ہمیں سب کو اس کی اصلاح کے لیے کوشش کرنی چاہیے اور ہمیشہ اسے اللہ کی اطاعت اور اس کی راہ پر قائم رہنے کی طرف راغب کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی راہ پر قائم رہنے اور اللہ تعالیٰ کے دین کو قائم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یعنی توحید کا قیام، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اعلان کرنا اور اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا۔ مکمل آزادی، جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اور اس کی راہ پر قائم رہنے میں ہے۔ یہ مکمل آزادی ہے۔

اے مسلمانو! مکمل بندگی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! نہ امریکہ، نہ مغرب، نہ کوئی اور تمہاری مدد کر سکتا ہے۔ لہٰذا لیبیا کی عوام، انقلابیوں اور بن غازی میں موجود عبوری کونسل کے لیے میرا پیغام یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں، اس کی طرف رجوع کریں۔ انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ، اسلام اور اپنے دین، امت، قوم اور مسلمانوں کی تہذیب کے ساتھ رہیں اور اسلام ہی کو ترجیح دیں۔ اسلام غالب آنے والا ہے اور کوئی شک نہیں کہ یہ اس صدی میں ہی غالب آئے گا، ان شاء اللہ۔ یہ صدی غلبۂ اسلام کی صدی ہے، طاقت، ظہور، فتح اور اسلام کے لیے تمکین کی صدی ہے اور اللہ کے حکم سے اسلام ہی غالب آئے گا۔ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ مستقبل دینِ اسلام کا ہے، چاہے یہ کسی کی عزت کے ساتھ ہو یا ذلت کے ساتھ، انجام کار اسلام ہی غالب ہو گا۔

اہالیانِ لیبیا کو چاہیے کہ وہ اسلام کو منتخب کریں، مسلمانوں کے ساتھ مل کر رہیں اور امریکیوں سے دور رہیں، ان سے جدا ہو جائیں۔ ان سے پیچھے ہٹ جائیں۔ آپ کو ان سے کچھ بھی نہیں چاہیے۔ اللہ کی قسم، چاہے یہ مدد دیں۔ نیٹو کے اتحادی بھی اب تھوڑا الجھ گئے ہیں، اگر وہ سمجھدار ہوتے اور اللہ سے مدد مانگتے، تو بہتر ہوتا۔ اب یہی مرحلہ ہے کہ وہ رک جائیں۔ انہیں شکریہ کہہ کر راستے سے ہٹا دیں اور ان کی باتوں میں نہ آئیں نہ ہی ان کی کسی پیش کش کو قبول کریں۔

اور ان سے کہہ دیں کہ چلے جاؤ، ہماری مدد نہ کرو، نہ ہمارے شہریوں کا دفاع کرو اور قذافی کو مارنا بھی ٹھیک ہے کیونکہ وہ ظالم تھا اور انسانی حقوق کے خلاف جرائم کا مرتکب ہے۔ بس، آپ نے جو کچھ کیا، نیک کام کیا ہے، ہم آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں، بس اب چلے جاؤ۔ کھلے الفاظ میں کہہ رہا ہوں، اگر وہ مغرب اور امریکہ کے ساتھ تعلقات جاری رکھیں، خاص طور پر ان کے ساتھ سازشیں کریں اور ان کے وفادار بنیں، تو خدا کی قسم لیبیا اور اس کے مجاہدین خسارے میں پڑیں گے۔ اور عبوری کونسل بھی دوراہے پر ہے۔ یا تو وہ صحیح راستہ منتخب کریں، یعنی اللہ تعالیٰ، اس کے دین، اپنی امت، اسلام، تہذیبِ اسلامی، اپنی مسلم قوم اور مجاہدین کے ساتھ رہیں یا پھر ان لوگوں کا انتخاب کریں جو امریکہ کے ساتھ ہیں۔

اللہ کی قسم! اگر انہوں نے امریکہ کا انتخاب کیا تو وہ کامیاب نہیں ہوں گے اور نہ ہی آرام پائیں گے۔ کیونکہ انسان اپنی کمزوری اور جہالت سے اکثر جلد بازی کرتا ہے، طاقتور کے ساتھ ہو جاتا ہے اور غالب کے پیچھے چلا جاتا ہے، تاکہ آرام کرے، مگر خدا کی قسم، یہ جہالت اور غفلت ہے۔ تمہیں کبھی بھی سکون نہیں ملے گا اگر تم نے امریکہ کا ساتھ دیا۔

اللہ کی قسم! تمہارے لیے صرف غم، مشقت اور بے انتہا جنگیں آئیں گی، جو ختم ہونے کا نام نہیں لیں گی۔ اللہ کی قسم، اس حوالے سے اگر تم نے کوئی اقدام اٹھایا تو تمہیں لیبیا کے مجاہدین، القاعدہ، امت مسلمہ کے مجاہدین، آنے والی نسلیں اور تحریکِ جہاد نہیں چھوڑیں گی، یہ سب تمہارے مقابل آئیں گے۔ یہ تمہارے پاس آرہے ہیں۔

ہم ابھی خاموش ہیں اور آپ کو موقع دے رہے ہیں اور مجاہدین بھی خاموش ہیں اور آپ کو موقع دیتے ہیں، ہر جگہ آپ کو یہ موقع مل رہا ہے اور آپ سکون سے رہیں۔ ہم تیار ہیں کہ آپ کے ساتھ ہوں، شرط یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں اور سیدھے راستے پر رہیں۔ ہمارے اور آپ کے درمیان اللہ کی کتاب، اللہ کا دین، اور اللہ کی شریعت ہے۔ یہ کتاب اللہ اور

سنت رسول اللہ ﷺ ہیں۔ یہ علمائے اسلام ہر جگہ موجود ہیں، الحمدللہ۔ وہ ہمارے اور آپ کے درمیان اللہ کی کتاب اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق فیصلے کریں گے۔ ہم کسی پر زبردستی کچھ نہیں ڈال رہے اور نہ ہی کوئی طالبان کی شریعت یا ان کا تصورِ اسلام زبردستی مسلط کر رہے ہیں، نہ القاعدہ کا کوئی تعلق ہے۔ ہم سب کا دین، شریعت الٰہی، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔

یہ علمائے مسلمین، علمائے اسلام، دنیا بھر میں موجود ہیں اور جب آپ تھوڑا سکون لیں گے تو وہ ہمارے اور آپ کے اور لوگوں کے درمیان فیصلے کریں گے اور سب کے لیے اللہ کی کتاب اور سنت رسول اللہ ﷺ کی بنیاد پر فیصلے کریں گے۔ مثلاً، کوئی چیز حلال ہے یا حرام، وہ بتائیں گے۔

ان کا اصول صرف اللہ کے کتاب اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق ہی فیصلہ کرنا ہے، اس کے سوا کچھ نہیں۔

امریکہ سے دھوکہ کھانا سمجھداری نہیں، پروفیسر محمود جبریل اور دیگر لوگ، جو تعلیم یافتہ، معتبر، اور انسانی، سماجی، اور اسٹریٹیجی کی تعلیم میں ماہر ہیں، ان سے دھوکہ نہ کھائیں۔ ہم محمود جبریل اور اس کو نسل کے ذریعے مجاہدین اور عوام کو دھوکہ دینے یا ان کی باتوں پر یقین کرنے کا کسی طور پر مشورہ دینے کے قائل نہیں۔

آپ کو چاہیے کہ آپ اپنے دین، اپنی امت اور اپنے مسلم بھائیوں کے ساتھ رہیں۔ اسلام کو اختیار کریں، کیونکہ امریکہ آپ کو دھوکہ دے رہا ہے۔ محمود جبریل اور دیگر افراد امریکہ کے ساتھ ہیں اور ان کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ وہ آپ سے کہتے ہیں کہ اسامہ بن لادن، القاعدہ اور مجاہدین برے ہیں اور وہ قتل و غارت گری، فساد اور جرائم کرتے ہیں اور صرف قتل و غارت گری پر یقین رکھتے ہیں، اگر آپ نے ان کی بات مان لی اور ان کی تصدیق کر دی تو اللہ کی قسم! آپ باطل پر یقین کر رہے ہیں۔

اس کے برعکس امت کے بیٹے جو اللہ کی عبادات اور فریضہ جہاد کو پورا کرنے والے ہیں، جو انہوں نے اپنی صلاحیت اور قربانی سے انجام دیے ہیں اور یہ امت کے نمائندہ ہیں۔ انہوں نے یہ فرض ادا کیا ہے اور پوری امت کی جانب سے فرض کفایہ ادا کر رہے ہیں۔ اس کے باوجود کہ آپ معقول فکر و نظر کے مالک اور آپ ایک تعلیم یافتہ انسان ہیں۔ اگر آپ نے انہیں چھوڑ کر امریکہ کا ساتھ دیا تو خدا کی قسم، روزِ قیامت آپ کی سٹریٹیجک پلاننگ، آپ کا علم کوئی کام نہیں آئے گا۔ آپ کو یہاں اس موڑ پر صحیح راستہ چننا ہے اور وہ ہے اللہ اور آخرت کا راستہ۔

آپ اللہ، آخرت، اور اللہ کے حضور کامیابی کو منتخب کریں۔ کل آپ قبر میں ہوں گے، اور قیامت کے دن آپ کو کوئی ڈگری، کوئی اسٹریٹیجی، نہ لکھی گئی کتابیں اور نہ ہی شہرت کام آئے گی۔ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی کامیابی ہی اصل کامیابی ہے۔

ہم ان انقلابیوں، قائدین، تعلیمی اور فکری شخصیات، وکلاء، قاضیوں، مفکرین، صحافیوں اور دیگر عوامی نمائندوں سے جو اس عبوری کونسل، مجاہدین یا لیبیا کی نئی صورتحال میں شامل ہیں، کہنا چاہتے ہیں کہ یہ مناسب وقت ہے کہ آپ نے کس راستے کا انتخاب کرنا ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ اس پر غور کریں، سوچیں، اور تدبر سے فیصلہ کریں۔

واللہ! ہو سکتا ہے کوئی کمزور، غریب، سادہ سا انسان آ جائے، جس نے نہ کبھی کچھ پڑھا ہو، نہ لکھا ہو، نہ سیاہ و سفید کا فرق جانتا ہو، ایک معمولی کسان ہو، لیکن وہ اللہ کا مددگار بن جائے، اللہ کے دین کی نصرت کرے، مجاہدین کی مدد کرے اور تمہارے (باطل) راستے سے نفرت کرے، امریکہ سے لڑے، اور پھر ایک گولی آئے اور وہ شہید ہو جائے۔ ایسا شخص کامیاب ہے، فلاح پانے والا ہے، اور اعلیٰ ترین درجات کا حامل ہے۔

اور اس وقت تم؟ تم جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہو گے، اللہ کی پناہ، تم اگر بچ گئے یعنی اگر تم ہمیشہ والی جہنم سے بچ بھی گئے، تب بھی نافرمانوں کے لیے مخصوص آگ میں عذاب ہے۔

اور اگر تم نے، اللہ نہ کرے، اللہ کی شریعت کا انکار کیا اور امریکیوں کا ساتھ دیا، تو پھر تم ابو جہل، اُبی بن خلف، فرعون، ہامان، قارون، بُش، اور شارون جیسے لوگوں کے ساتھ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہو گے۔

یہی ہے آج کی ''اسٹریٹیجک پلاننگ''! تم سمجھتے ہو کہ تم بہت ذہین اور ہوشیار ہو اور ہم بھی ان شاء اللہ تمہیں سمجھدار مانتے ہیں۔ لیکن اصل اسٹریٹیجک پلاننگ یہ ہے کہ اپنی آخرت کی منصوبہ بندی کرو۔

اے محمود جبریل! یہ تمہارے لیے سب سے بڑا امتحان ہے۔ اور اگر تم سن رہے ہو، یا جو بھی سن رہا ہے، تو یہ پیغام سب کے لیے ہے۔

میں نے تمہیں اس لیے مخاطب کیا کہ تم ایک نمایاں شخصیت ہو، بڑے استاد ہو، مفکر ہو، عقلمند اور منصوبہ ساز سمجھے جاتے ہو۔

تو بس، یہی اصل امتحان ہے، یہی اصل کسوٹی ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے تمہیں کھڑا کیا ہے۔

اب تمہاری عقل، تمہارا علم، تمہارا شعور، سب کی حقیقت سامنے آ رہی ہے۔ اب تمہارا فیصلہ ظاہر کرے گا کہ تم نے ان سب چیزوں کا کیا نتیجہ نکالا۔ اب فیصلہ ہے کہ تم کیا چنتے ہو؟

تو میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے دین کا ساتھ دو، اللہ کا ساتھ دو، اللہ کے دوستوں کا ساتھ دو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۝ (سورۃ التوبۃ: ۱۱۹)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔''

اللہ کے ساتھ ہو جاؤ، اللہ کے دوست بن جاؤ، اللہ کے اولیاء کے ساتھی بن جاؤ اور اللہ کے دین کی نصرت کرنے والوں میں شامل ہو جاؤ تا کہ تم دنیا و آخرت دونوں میں کامیاب رہو۔

اور اگر تم نے دوسرا راستہ چنا یعنی امریکہ کا ساتھ دیا تو واللہ یہ نہ سمجھنا کہ تمہیں کوئی سکون ملے گا، یا تم کوئی سول سوسائٹی بن جاؤ گے جیسا کہ تم کہتے ہو، یا کوئی جدید اور ترقی یافتہ مملکت بن جاؤ گے یا مغرب سے اچھے تعلقات قائم کر لو گے اور نہ جانے کیا کچھ خواب دیکھ رہے ہو۔

تم دہشت گردی کے خلاف جنگ میں کود و گے، دوسرے مسائل میں پھنسو گے، مغرب سے ٹکراؤ ہو گا اور مجاہدین کے مدِ مقابل آ جاؤ گے۔ واللہ! تمہیں پریشانی، دکھ، مصیبت اور مسلسل رنج و عذاب کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ واللہ! تمہیں ہم سے بھی چین نہیں ملے گا، اور نہ ہی دوسروں سے، یہ بات بالکل واضح ہے، ہمارے اور تمہارے درمیان حق کا معاملہ ہے، اس میں کوئی ڈر یا مداہنت نہیں۔

ہمارے نزدیک لیبی اور غیر لیبی میں کوئی فرق نہیں۔ نہ میرا باپ، نہ میرا بھائی، نہ میرا چچا، میرے نزدیک سب ایک جیسے ہیں۔ ہمارا معیار صرف اللہ کی شریعت کی بنا پر دوستی اور دشمنی ہے بس!

اگر کوئی دور دراز کا غیر مسلم، مثلاً ایک امریکی، ایمان لے آئے اور کلمہ شہادت پڑھ لے تو وہ ہمارا بھائی، ہمارا قریبی، ہمارا دوست، ہمارا محبوب، ہمارا حقیقی بھائی بن جاتا ہے۔ اور اگر میرا اپنا باپ، ماں، بھائی کفر پر قائم رہیں، اللہ ہمیں محفوظ رکھے، تو وہ ہمارے دشمن بن جاتے ہیں۔

اللہ ہمیں اور تمہیں اور اُنہیں عافیت میں رکھے، آمین۔

پھر وہ کافر، خواہ بش ہو یا شیرون، سب ہمارے دشمن ہیں، جن سے ہم بیزاری کا اعلان کرتے ہیں، اُن سے لڑتے ہیں، اُن کے خلاف جہاد کرتے ہیں۔ یہی اللہ کے دین اور اس کے احکامات کے تقاضے ہیں۔

> يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰي عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ○ (سورۃ الصف: ۱۴)

> ”اے ایمان والو! اللہ (کے دین) کے مددگار بن جاؤ جیسے عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا: اللہ کی خاطر میرے مددگار کون ہیں؟ حواریوں نے کہا: ہم اللہ (کے دین) کے مددگار ہیں، تو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ ایمان لایا اور ایک گروہ نے انکار کیا، تو ہم نے ایمان والوں کو ان کے دشمنوں پر مدد کی تو وہی غالب ٹھہرے۔“

تو آج ہم بھی یہی پیغام انقلابیوں کو دے رہے ہیں کہ یہ فیصلہ کن وقت ہے، جیسا کہ ہم نے کہا، راستہ تمہارے سامنے ہے۔ اگر تم نے درست راستہ چن لیا، تو اللہ سے مدد مانگو۔ تم تو کہتے ہو کہ ”ہر رائے سنی جائے، بات چیت ہو، کسی کو الگ نہ کیا جائے اور ہم نے ماضی میں ظلم و جبر برداشت کیا ہے“۔ تو لو! اب تمہارے سامنے موقع ہے۔ فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔

ہم یہاں بیٹھے تمہارا انتظار کر رہے ہیں، ہمیں کوئی جلدی نہیں ہے۔ ہم اپنے طریقے سے، آرام سے کام کر رہے ہیں۔ ہم نے تمہیں موقع دیا ہے کہ دیکھیں تم کیا فیصلہ کرتے ہو، اگر تم نے اللہ کا راستہ، دینِ اسلام کا راستہ اور امتِ مسلمہ کے ساتھ ہونے کا انتخاب کیا، تو ہم تمہارے ساتھ ہیں، خوش آمدید۔

چاہے کچھ کمی ہو، کچھ کوتاہی ہو، کچھ نرمی ہو، حتیٰ کہ اگر کوئی معذرت بھی درکار ہو، تو بھی راستہ کھلا ہے۔ لیکن اگر تم نے امریکہ کا راستہ چُنا اور ان کے ساتھ کھڑے ہو گئے، اور کل کو ہم تمہیں ”دہشت گردی کے خلاف جنگ“ میں دیکھیں اور نہ جانے کیا کچھ تم کرو، تو سن لو، ہمیں کوئی پریشانی نہیں، ہم نے تو پہلے ہی فیصلہ کیا ہوا ہے، ہمارے لیے یہ معمول کی بات ہے۔ تم ہو یا کوئی اور، حتیٰ کہ اگر سو ممالک بھی امریکہ کے ساتھ شامل ہو جائیں، ہم تب بھی ان کے خلاف لڑتے رہیں گے۔

اور لیبیا نہ کچھ بڑھاتا ہے نہ گھٹاتا ہے، لیبیا ہمارے لیے نیا میدان نہیں، بلکہ یہ تو ہمارے حق میں زیادہ مفید ہے، یہ تو اللہ کی طرف سے ہمارے لیے ایک نئی فتح ہے۔ یعنی جب اسلام اور امریکہ کی جنگ ہے، تو تمہارا مقام اہم ہو جاتا ہے۔

میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں۔ واللہ، دل سے، محبت سے، خیر خواہی سے، اللہ کے ساتھ ہو جاؤ، اللہ کے دین کے ساتھ ہو جاؤ، اللہ کے اولیاء اور مجاہدین کے ساتھ ہو جاؤ۔

مختصر بات یہ ہے کہ اگر تم یہ کہو کہ ہم امریکہ سے نہیں لڑ سکتے، مغرب سے ٹکر نہیں لے سکتے اور ان کے خلاف جنگ کا اعلان نہیں کر سکتے تو ہم نے تم سے جنگ کا مطالبہ نہیں کیا، نہ ہم کہتے ہیں کہ ان سے جنگ کرو، لیکن ایک درمیانی راستہ ضرور ہے، تم اس پر تو عمل کر سکتے ہو، تم ان کے ساتھ مل کر مجاہدین کے خلاف مت لڑو۔ ان سے علیحدگی اختیار کرو، ان سے دُور رہو۔

ان سے کہو، خدا حافظ، تم اپنی جگہ ہم اپنی جگہ، ہم خود ہی ان سے لڑنے کے لیے کافی ہیں، ہم انہیں تباہ کر سکتے ہیں، ہم اپنی اسلامی مملکت قائم کر سکتے ہیں۔ ہم اپنے نوجوانوں سے خود بات کریں گے، ہمارے پاس اپنی طاقت اور وسائل موجود ہیں۔

تم بس الگ ہو جاؤ اور اگر امریکہ سے تمہارا تعلق بگڑ بھی جائے، تو کوئی مسئلہ نہیں، تم ایک کمزور مملکت بن کر بھی جی سکتے ہو، جیسے باقی کئی کمزور مملکتیں جی رہی ہیں۔

تم بس گزارہ کرو، چلتے رہو، لیبیا الحمدللہ ایک زرخیز ملک ہے۔ اگر زراعت پر توجہ دی جائے تو خود کفیل بن سکتا ہے۔ اللہ کی قسم! ماضی میں بھی لیبیا خود کفیل رہا ہے۔ تیل بھی تمہارے پاس ہے، تم اسے کسی بھی طریقے سے استعمال کر سکتے ہو، بیچ سکتے ہو اور اس سے بہترین فائدہ اُٹھا سکتے ہو، خواہ امریکہ سے تعلقات کشیدہ ہی کیوں نہ ہوں، امریکہ تمہیں روک نہیں سکتا۔

دنیا میں جو تضادات ہیں، تم ان سے فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ لیبیا کی تمام معدنی اور قدرتی دولت تمہارے فائدے میں لائی جا سکتی ہے۔

اگر عوام تمہارے ساتھ ہو یا عوام کی بڑی تعداد تمہارے ساتھ ہو تو پوری امت مسلمہ تمہارے پیچھے ہے، مجاہدین تمہارے پیچھے ہیں، چاہے وہ مغربِ اسلامی ہو، مصر ہو، وسطی افریقہ ہو، یا پوری دنیا، سب پر اسلام ہی غالب آنے والا ہے۔ یہی صحیح انتخاب ہے۔

لیکن اگر تم امریکہ اور اس کی دہشت گردی کے خلاف جنگ میں شامل ہو گئے، تو یاد رکھو، تمہیں کبھی سکون نصیب نہیں ہو گا۔ نہ تم کوئی "جدید ریاست" قائم کر سکو گے، نہ کوئی ماڈرن حکومت بنا پاؤ گے، یہ سب بس ایک دھوکہ ہے۔ نہ کفار کی طرف سے سکون ملے گا، نہ مسلمانوں کی طرف سے، تو پھر بہتر ہے کہ تم ایسی مشقت برداشت کرو جو تمہیں آخرت کی کامیابی دے، کیونکہ آخرت کی کامیابی سب سے اہم ہے۔

اور دنیا میں بھی اگر تمہارا دل مطمئن ہو، تب ہی تمہیں سکون اور حقیقی خوشی نصیب ہو گی۔

خوشی کیا ہے؟ خوشی یہ ہے کہ تم خود اپنے دل میں سکون محسوس کرو۔ خود کو مطمئن سمجھو، اللہ کا شکر ادا کرو کہ تمہیں کوئی بڑا خوف یا فکر لاحق نہیں اور اگر تم اپنی آخرت کے بارے میں پُر امید ہو، مسلمان ہو، اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو یہ سب سے بڑی کامیابی ہے۔

اور جنت، جہنم، حساب، قیامت، اور دوبارہ اٹھائے جانے پر ایمان رکھو۔ تم جب اپنی آخرت کی ضمانت لے لو اور اللہ تعالیٰ کے وعدے پر اطمینان ہو کہ قیامت کے دن تم کامیاب لوگوں میں ہو گے تو تم سب سے زیادہ خوش اور کامیاب انسان ہو گے، چاہے دنیا میں تم سب سے کمزور اور غریب ہی کیوں نہ ہو۔ چاہے امریکہ تم پر بمباری کرے (جو کہ نہیں کر سکتا) وہ کچھ نہیں کر سکتے۔

واللہ، امریکہ کے پاس اب کچھ باقی نہیں رہا۔ وہ خود مسائل میں ڈوبا ہوا ہے۔ اس پر ہر طرف سے محاذ کھل چکے ہیں اور مزید کھلنے والے ہیں۔ شام میں جنگ شروع ہو چکی ہے، افریقہ میں بھی اور ممکن ہے کہ پاکستان میں بھی بڑا محاذ کھلے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ ایسا ہو۔

افغانستان، عراق سب جگہ جنگ جاری ہے اور ان شاءاللہ شام بھی بہت جلد فتح ہو جائے گا، ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ شام میں مسلمانوں کو فتح دے تاکہ اسلام کا پرچم بلند ہو۔

صومالیہ، یمن، جزیرۃ العرب ان تمام خطوں میں امریکہ کے خلاف محاذ کھل چکے ہیں، امریکہ ختم ہو چکا ہے، دنیا کے ہر کونے میں اس کے خلاف دروازے کھل چکے ہیں۔ وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، دیکھ لو اس نے صومالیہ میں کیا کر لیا؟ کچھ بھی نہیں، امریکہ زوال پذیر ہے۔ اور یورپی ممالک جیسے اٹلی، فرانس پہلے سے ہی کمزور ہو چکے ہیں، تمہیں کچھ بھی نہیں کہہ سکتے۔

لہٰذا تمہارا انتخاب آزادی، مردانگی اور غیرت ہونا چاہیے جو تمہارے ایمان، دین، امت اور تمہارے خیر خواہوں کے ساتھ ہو۔

یہی صحیح انتخاب ہے۔ امریکہ سے مرعوب ہونا، بس ایک دھوکہ ہے۔ امریکہ کا سورج غروب ہو چکا ہے، وہ شکست کھا رہا ہے۔ تم اس کے پیچھے پیچھے چل رہے ہو؟ اور اُس سے ڈر رہے ہو؟

یہ میں سادہ زبان میں، اپنے دل کی بات آپ سے کر رہا ہوں، کوئی لکھی ہوئی تقریر نہیں، لیکن دعا ہے کہ یہ بات لوگوں تک پہنچے، وہ سمجھیں اور میری بات کو ایک خیر خواہ کی نصیحت سمجھیں۔

یہیں پر اپنی بات کو ختم کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے خیر کا طالب ہوں۔

☆☆☆☆☆

ہمیں کسی جمِّ غفیر کی تلاش نہیں!

"آج ہمیں کسی جمِ غفیر کی تلاش نہیں، ہمیں تو ان چنیدہ لوگوں ہی کی تلاش ہے جو لاکھوں میں ایک ہیں، لیکن اپنے کندھوں پر امت کے غموں کا بوجھ اٹھانے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ وہ جن کے قلوب اس دین کی فکر میں گھلتے ہیں، جو مسلمانوں کی حالتِ زار سے بے چین ہو کر اپنے بستروں میں کروٹیں بدلتے ہیں، جو یہ سوچ کر ہی تڑپ اٹھتے ہیں کہ آج دنیا کے کتنے مختلف خطوں میں مسلمان بہنوں کی عصمتیں پامال کی جا رہی ہیں، جو ان سب امور پر سوچنے اور ان غموں کا مداوا کرنے کو اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے میدانِ عمل کا رخ کرتے ہیں۔

مجھے یہ حدیث کبھی پوری طرح سمجھ نہیں آئی تھی کہ 'تم انسانوں کو سو (۱۰۰) اونٹوں کی طرح پاؤ گے جن میں سواری کا بوجھ اٹھانے کے قابل ایک اونٹ بھی نہیں ملتا'، یہاں تک کہ میں فلسطین اور افغانستان کے جہاد میں شریک ہوا اور اس حدیث کی عملی تشریح اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔ واقعتاً سینکڑوں انسانوں میں سے محض چند رجالِ کار اور مٹھی بھر مردِ میداں ہی بر آمد ہوتے ہیں۔"

شیخ عبد اللہ عزام رحمۃ اللہ علیہ

مُجاهد جہاد کیوں چھوڑ جاتا ہے؟

تاليف: أبو البــراء الإبّـي

وجه نمبر: تينتيس (33)

یہ تحریر تنظیم قاعدۃ الجہاد في جزیرۃ العرب سے وابستہ یمن کے ایک مجاہد لکھاری ابو البراء الاِبی کی تالیف 'تبصرة الساجد في أسباب انتكاسة المجاهد' کا ترجمہ ہے۔ انہوں نے ایسے افراد کو دیکھا جو کل تو مجاہدین کی صفوں میں کھڑے تھے، لیکن آج ان صفوں میں نظر نہیں آتے۔ جب انہیں تلاش کیا تو دیکھا کہ وہ دنیا کے دیگر دھندوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ایسا کیوں ہوا؟ اور اس سے کیسے بچا جا سکتا ہے؟ یہ تحریر ان سوالوں کا جواب ہے۔ (ادارہ)

تینتیسویں وجہ: ایسا میدانِ عمل اختیار کرنا جو مجاہد کی شخصیت اور صلاحیت کے ناموافق ہو

اس کے نتیجے میں وہ ناکام ہو جاتا ہے اور میدان عمل بدلنے کے بجائے مایوسی کا شکار ہو کر سرے سے کام ہی چھوڑ جاتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ وہ راہ جہاد سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی مجاہد آغاز میں اعلامی یا امنیاتی ساتھیوں کے ساتھ کام شروع کرے، لیکن ان کے ساتھ چل نہ سکے، اور نتیجتاً جہاد ہی چھوڑ جائے۔ حالانکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ وہ سابقہ میدان کو چھوڑ کر کوئی ایسا میدانِ عمل چنے جو اس کے موافق ہو۔ نہ یہ کہ راہِ جہاد سے ہی منہ پھیر لے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"انسان کی اصل قدر و قیمت اس کام کے سبب بنتی ہے جس میں وہ ماہر ہو۔"

اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"عوام الناس کہتے ہیں کہ انسان کی اصل قدر و قیمت اس کام کے سبب بنتی ہے جس میں وہ ماہر ہو۔ جبکہ خواص الناس کہتے ہیں کہ انسان کی اصل قدر و قیمت اس کام کے سبب بنتی ہے جس کا وہ خواہش مند ہو۔"

صحابہ بھی اپنی صلاحیتوں اور قابلیتوں میں منفرد تھے۔ اور ہر ایک نے وہ کام اختیار کیا جس میں وہ ماہر تھا۔ ان میں سے کسی کو بھی بے کار نہیں دیکھا گیا۔ پس حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اللہ کی سونتی ہوئی تلوار تھے۔ جبکہ حضرت اُبَی بن کعب رضی اللہ عنہ قرآن کے ماہر قاری تھے۔ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ حلال و حرام کے بڑے عالم تھے۔

اور دیکھیے کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ دعوت کے میدان میں مؤثر ترین شخص تھے۔ یہاں تک کہ قبیلہ غِفار کی اکثریت انہی کے ہاتھوں مسلمان ہوئی۔ اس کے باوجود وہ حکومتی ذمہ داری کے لیے موزوں نہ تھے جیسا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتلایا۔

ایک مصنف نے لکھا: "حدیث میں تو آیا ہے:

كلٌّ مُيَسَّرٌ لما خُلِقَ له۔

"ہر ایک کے لیے وہ چیز یا عمل آسان کر دیا گیا ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔" (صحیح بخاری و مسلم)

جب حقیقت یہ ہے تو پھر قابلیتوں کو کیوں کچلا جاتا ہے؟ اور صلاحیتوں اور خوبیوں کی گردن کیوں موڑی جاتی ہے؟ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے اسباب بھی مہیا کرتے ہیں۔ اس شخص سے زیادہ کس کی نفسیاتی حالت ابتر ہو گی اور مزاج خراب ہو گا جو اپنا آپ چھوڑ کر کوئی اور شخص بننا چاہتا ہو؟ عقلمند اور ہوشیار وہ ہے جو اپنی خودی کا مطالعہ کرے۔ اور اس جگہ کو پُر کرے جو اس کے لیے خالی رکھی گئی تھی۔ اگر اسے لشکر کے آخر (ساقہ) میں مقرر کیا جائے تو وہ (ساقہ) میں ہی رہے۔ اور اگر اسے پہرہ داری (حراسہ) سونپی جائے تو وہ پہرہ داری (حراسہ) ہی کرے۔ شیخ نحو، سیبویہ کو ذرا دیکھیے، انہوں نے علم حدیث حاصل کیا لیکن یہ علم ان پر بوجھل ثابت ہوا یہاں تک کہ ان کی مہارتیں ماند پڑنے لگیں۔ چنانچہ انہوں نے علم نحو کی طرف رخ موڑ دیا اور اُس میں اتنی مہارت حاصل کر لی کے حیران کن رموز و اسرار بیان کرنے لگے۔ کسی دانا نے کہا، جو شخص ایسے کام کا خواہشمند ہو جس کا وہ اہل نہیں، تو اس کی مثال اس شخص کی ہے جو دمشق کے مرغزار میں شہد کی مکھیوں کی پرورش کرنے کا خواب دیکھ رہا ہو یا پھر سرزمین حجاز میں سیب اگانے پر تلا ہو۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اذان صحیح طرح نہیں دے سکتے تھے کیونکہ وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نہیں تھے۔ اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ وراثت نہیں تقسیم کر سکتے تھے کیونکہ وہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نہیں تھے۔ تربیت کے ماہرین کہتے ہیں، "اپنی جگہ خوب پہچان لو"۔

امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ تحفۃ المودود بأحکام المولود میں فرماتے ہیں:

"یہ بھی ضروری ہے کہ لڑکے کی صورت حال معلوم کی جائے اور یہ دیکھا جائے کہ وہ کن کاموں کے لیے تیار اور آمادہ ہے۔ پھر جان لیا جائے کہ وہ

اسی کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ یہ جاننے کے بعد اسے کسی دوسرے کام پر مجبور نہیں کرنا چاہیے، چاہے اس کی شرعاً اجازت ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ جس کام کے لیے لڑکا آمادہ نہیں اگر اس پر مجبور کیا گیا تو وہ نہ تو اس میں کامیاب ہو گا، اور وہ اس کام سے بھی رہ جائے گا جس کے لیے وہ مناسب تھا۔ پس اگر سرپرست دیکھے کہ لڑکا سمجھ دار ہے، چیزوں کو صحیح پہچانتا ہے، حافظہ بھی اچھا ہے اور پر مغز ہے تو یہ علامتیں ہیں کہ وہ علمِ دین کے لیے قابل اور مناسب ہے۔ تاکہ وہ اس علم کو اپنے دل پر اس عمر میں ہی نقش کرلے جب دل ابھی دیگر چیزوں سے خالی ہے۔ اس صورت میں علمِ دین اس میں متمکن ہو جائے گا۔ وہ علم سے بہرہ ور بھی ہو گا اور ان صلاحیتوں کے سبب اس کا علم بڑھتا بھی رہے گا۔

لیکن اگر اس میں یہ صلاحیت تو نہ ہو البتہ وہ گھڑ سواری اور اس کے فنون کے لیے آمادہ ہو، مثلاً گھوڑے کی پیٹھ پر براجمان ہونا، نشانہ بازی میں ماہر ہونا اور تیر اندازی کی قدرت رکھنا، اور دوسری طرف علمِ دین کے میدان میں نہ تو اس کے پاؤں جم رہے ہوں اور نہ وہ اس کے لیے پیدا کیا گیا ہو، تو سرپرست کو چاہیے کہ وہ لڑکے کو گھڑ سواری کے لوازمات فراہم کرے اور ان پر اس کی مشق کروائے۔ کیونکہ یہ خود اس لڑکے کے لیے بھی فائدہ مند ہو گا اور مسلمانوں کے لیے بھی۔

پھر اگر سرپرست پائے کہ لڑکے میں یہ خصوصیت بھی نہیں اور نہ ہی وہ اس کے لیے پیدا کیا گیا ہے، البتہ اس کی آنکھ کسی حرفت وصنعت کی طرف لگی ہے، جس کے لیے وہ آمادہ بھی ہے اور قابل بھی ہے، جبکہ وہ حرفت و صنعت مباح اور عوام کے لیے فائدہ مند بھی ہے، تو اسے چاہیے کہ لڑکے کے لیے وہ سہولیات دستیاب کرے جن سے وہ صنعت سیکھ سکے۔

البتہ یہ سب کچھ اس ناگزیر دینی تعلیم کے بعد ہو جس کی ہر لڑکے کو ہر وقت ضرورت رہتی ہے۔ چونکہ اتنی تعلیم تو ہر ایک کے لیے آسان اور سہل ہے۔ تاکہ بندے پر اللہ کی حجت تمام ہو جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں پر حجت بالغہ اسی طرح حاصل ہے جیسے بندوں کو اللہ تعالیٰ کی نعمت سابغہ حاصل ہے۔ واللہ اعلم۔"

☆☆☆☆☆

سورۃ الانفال

خواطر، نصائح اور تفسیر

شہید عالمِ ربّانی استاد احمد فاروق رحمۃ اللہ علیہ

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء والمرسلین محمد و علیٰ آلہ و صحبہ و ذریته اجمعین اما بعد

فقد قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ فی کتابه المجید بعد أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمان الرحیم

﴿وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً ۚ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَسَيُنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ۝ لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝﴾(سورۃ الانفال: ۳۵تا ۳۷)

صدق اللہ مولانا العظیم

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي، وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي، وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِسَانِي، يَفْقَهُوا قَوْلِي

اس سے قبل ہم نے پڑھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات واضح فرمائی کہ خانہ کعبہ کی تولیت کے، اس کی دیکھ بھال کرنے، اسے سنبھالنے کے مستحق متقی لوگ ہیں اور یہ مشرکین جو اس وقت اس پر قابض ہیں، یہ اس کے مستحق نہیں کہ یہ خانہ کعبہ کا انتظام سنبھالیں یا اس کی دیکھ بھال کریں، اور ان کا قبضہ ناجائز ہے اور ایک دن زائل ہونا ہے اور اللہ نے اپنے متقی بندوں کو وہاں تمکین بخشنی ہے۔ اور حقیقتاً ہوا بھی ایسا ہی۔ فتح مکہ کے موقع پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو تمکین نصیب فرمائی۔

آگے اللہ مشرکین کے خانہ کعبہ کی تولیت کے مستحق نہ ہونے کی مزید ایک دلیل بیان فرماتے ہیں:

﴿وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً﴾

کہ ان کی نماز کچھ نہیں، جو اللہ کے گھر کے قریب یہ پڑھتے ہیں، سوائے تالیوں اور سیٹیوں کے۔ یعنی یہ جو نماز پڑھتے ہیں وہ تالیاں اور سیٹیاں ہیں۔

مشرکین مکہ خود کو دین ابراہیمی پر عامل کہتے تھے لیکن ابراہیم علیہ السلام کے دین کے نام پہ جو شرک ان کے یہاں رائج تھا اس کی ایک مثال اللہ سبحانہ وتعالیٰ یہاں دیتے ہیں اور وہ نماز جیسی اشرف و اعلیٰ عبادت کی مثال ہے۔ مشرکین مکہ کے یہاں عبادت کے نام پر جو چیز رائج تھی اس کی مثال ان کے عقیدے یا ان کے عقائد و اعمال کی نجاست و گندگی کو سمجھنے کے لیے کافی ہے اور اسی کی بنیاد پر اللہ نے فرمایا کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ﴾(سورۃ التوبہ: ۲۸)

اے ایمان والو! مشرک نجس ہیں۔ تو اس کے لیے ان کی نماز کی مثال لے لو۔ نماز کے حوالے سے بھی ان کا عقیدہ یہ ہے کہ نماز میں تالیاں پیٹتے ہیں اور نماز میں سیٹیاں بجاتے ہیں اور یہ بات بھی معروف ہے کہ یہ خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے بے لباس ہو کر طواف کیا کرتے تھے تو اللہ کی جو سب سے افضل عبادت گاہ ہے زمین پہ اس کا احترام بھی ان کے سینے میں بس اتنا ہے کہ اس کے سامنے تالیاں بجانے کو یہ عبادت کہتے ہیں اور اس کا برہنہ طواف کرنے کو یہ عبادت سمجھتے ہیں اور خود اللہ تعالیٰ کی تعظیم سے بھی یہ اتنے ناواقف اور اتنے جاہل ہیں تو یہ کیسے مستحق ہو سکتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے گھر کی دیکھ بھال کریں اور اس کی چابی ان کے پاس ہو اور وہاں حاجیوں کو یہ پانی پلائیں اور یہ اس کو اپنے لیے باعث فضیلت سمجھیں! یہ تو اللہ سے، اللہ کے حقوق سے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شان سے ہی ناواقف لوگ ہیں۔ تو اللہ نے فرمایا کہ ان کی نماز تالیاں پیٹنے اور سیٹیاں بجانے کے سوا کچھ نہیں۔ تو یہ صرف اس وقت سے خاص نہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین سے، اپنے نبی سے ہمارا تعارف کروایا اور اپنی معرفت عطا کی ورنہ نصاریٰ آج بھی جو عبادت کرتے ہیں اس میں وہ تالیاں پیٹتے ہیں، موسیقی کی دھن پہ گانے گاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ اللہ کے یہاں تقرب کا کوئی ذریعہ ہے۔ ہندو اپنے بھجن گاتے ہیں اور ان کے یہاں بھی ڈھول کی تھاپ کے اوپر رقص کیے جاتے ہیں اور اسے وہ اللہ سے قرب کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ بدھ مذہب کے پیروکار بھی اسی قسم کی عبادت کرتے ہیں اور ابھی کچھ دن پہلے ایک منظر دیکھا کہ وہ منہ سے طرح طرح کی آوازیں نکالتے ہوئے ورزش نما حرکتیں کر کے سمجھتے ہیں کہ یہ اللہ کی قربت کا باعث ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان ساری خرافات سے ہمیں نجات دی اور عبادت میں بھی وہ پاکیزہ طریقہ عطا کیا جس کے ہر ہر رکن سے، ہر ہر جزو سے وقار ٹپکتا ہے، اللہ کی عظمت کا احساس ٹپکتا ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ جس ذات کی عبادت یہ کر رہے ہیں واقعتاً اس کا خوف ان کے دل میں ہے، ہاتھ باندھ کر اس کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں، سجدے میں جاتے ہیں۔ تو مسلمانوں کی اجتماعی نماز کا جو منظر ہے وہ خود اتنا مسحور کن اور متاثر کن ہوتا ہے، یوں با جماعت کھڑے ہو کر حرم کے گرد جو نماز ہوتی ہے اس کا منظر کافر تک کے دل پر ایک تاثیر چھوڑ تا ہے۔ صرف ظاہر میں بھی دونوں ادیان کا، یعنی عقیدے کے اعتبار سے تو وہ کفر و شرک میں مبتلا ہیں ہی لیکن ظاہر میں بھی

دیکھیں تو مسلمان اور کافر کے طریقوں میں اتنا فرق ہے کہ اللہ کا جتنا بھی ہم شکر ادا کریں کم ہے کہ اس نے ہمیں ہدایت بخشی اور اپنے دین کی معرفت عطا کی۔

﴿فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ﴾

"پس چکھو عذاب کا مزہ اس کفر کی وجہ سے جو تم کرتے ہو۔"

پس جس کو تم عبادت سمجھتے ہو یہ خود کفر و شرک ہے، یہ اللہ سے قریب کرنے کا نہیں اللہ سے دور لے جانے کا اور اللہ کی رحمت کا نہیں اللہ کے عذاب کا باعث ہے۔ پھر آگے اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾

"یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا، یعنی کافر، اپنے اموال خرچ کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کے رستے سے روکیں۔"

پیارے بھائیو! یہ ایک عمومی تبصرہ ہے قرآن کا جو ہر دور میں صادق آتا ہے۔ ہر دور کے کفار اپنے اموال کے بل پہ، وسائل کے بل پہ، عسکری قوت کے زور سے چاہتے ہیں یا سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ کے دین کو روک لیں گے، مٹا لیں گے۔ آج بھی بڑے بڑے بجٹ پاس ہوتے ہیں پورے میادین جہاد، جو سات آٹھ مختلف محاذ اس وقت دنیا میں کھلے ہیں، کے مقابلے کے لیے، ان سب میں محض امریکہ کا بجٹ دیکھیں اور کسی ایک یورپی ریاست کا بجٹ جو وہ جہاد کے خلاف لگا رہی ہے کا تناسب دیکھیں تو کوئی موازنہ ہی نہیں ہے۔ ایک امریکہ کا بجٹ کئی کافر ریاستوں کے بجٹ سے زیادہ ہے، اور یہ میں صرف دفاعی بجٹ کی بات کر رہا ہوں۔ ملکوں کے پورے پورے بجٹ سے زیادہ اس کا دفاعی بجٹ ہے جو وہ ہمارے مقابلے کے لیے خرچ کر رہے ہوتے ہیں۔ ان پینتالیس ملکوں نے پچھلے دس سال میں افغانستان کے اندر جو مال لگایا ہے، اس کا کوئی مالی موازنہ گر ہم کرنا چاہیں اس مال سے جو مجاہدین کی طرف سے یا اللہ کے رستے میں چلنے والوں کی طرف سے لگایا گیا ہے تو گویا کسی ہاتھی کا کسی چیونٹی سے مقابلہ ہے۔ کوئی آپس میں توازن بنتا ہی نہیں ہے دونوں چیزوں کا۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس کے اوپر کیا تبصرہ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾

جنہوں نے کفر کیا وہ یقیناً مال خرچ کرتے ہیں اللہ کے رستے سے روکنے کے لیے۔ مقصد کیا ہوتا ہے ان کا یہ سارا مال خرچ کرنے سے؟ وہ اسے جن بھی اچھے اچھے الفاظ سے مزین کریں کہ ہم جمہوریت پھیلائیں گے، لوگوں کو آزادی دلائیں گے، لوگوں کے حقوق کی حفاظت کریں گے، لیکن اصل مقصد ایک ہی ہوتا ہے کہ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، اللہ کے رستے سے لوگوں کو روکنا۔ لوگوں کو اللہ کی اتباع کی طرف اور توحید کی طرف جانے سے منع کرنا۔ تو اللہ فرماتے ہیں:

﴿فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً﴾

پس یہ خرچ کرتے رہیں گے، آئندہ بھی ان کا یہی طریقہ رہے گا کہ یہ خرچ کرتے رہیں گے، پھر یہ خرچ کرنا ان کے لیے حسرت کا باعث بنے گا، ندامت کا باعث بنے گا، خود پچھتائیں گے اس خرچ کرنے پہ۔

روس اگر بیٹھا تھا تو اسی خرچے کے بل پر بیٹھا تھا۔ اس کی اکانومی جب بیٹھ گئی، اس کی معاشی کمر جب ٹوٹ گئی تو بہت بڑی عسکری قوت کی موجودگی کے باوجود اس کو یہاں سے پیچھے ہٹنا پڑا۔ آج بھی روس کی جو عسکری طاقت ہے اس کے مقابلے کے لیے ہمارے پاس مادی اعتبار سے کوئی چیز نہیں موجود۔ لیکن پیچھے ان کی معاشی کمر ایسی ٹوٹی کہ ماسکو کے اندر لوگوں کو ڈبل روٹی تک خریدنے کے لیے روبل کا اتنا بڑا تھیلا بھر کر لے جانا پڑتا تھا کہ ان کے روپے کی قیمت گرتے گرتے بالکل لاشئ ہو گئی تھی۔

پس آج بھی اگر امریکہ نے تاریخ دی ہے کہ ہم یہاں سے باہر نکلیں گے، ۲۰۱۳ء سے آغاز کر کے ۲۰۱۴ء تک نکل جائیں گے افغانستان سے تو وہ عسکری طور پر تو ابھی بھی مضبوط کھڑا ہے، عسکری میدان میں اس کا مقابلہ خود چین بھی ابھی نہیں کر سکتا، تو ہمارا اس کے ساتھ کیا مقابلہ! لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ خرچ کرنا ان کے لیے حسرت کا باعث بنے گا۔ وہ خود بعد میں بیٹھ کر تجزیے کرتے ہیں کہ ہم نے آٹھ سال میں جو خرچہ کیا وہ فالتو تھا اور اس سے ہماری معیشت کو یہ نقصان ہو گیا۔ کاش ہم اپنے ملک کی داخلی تعمیر پر اس کو فلاں فلاں جگہ خرچ کرتے تو مسائل قابو میں رہتے۔ تو وہ مال کہ جس کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ وہ اسے خرچ کر کے دین کو مٹائیں گے، اسے خرچ کرنا الٹا ان کی اپنی تباہی کا باعث بنتا ہے۔

﴿فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ﴾

اور پھر آخر میں سارا خرچ کرنے کے بعد بھی یہی مغلوب ہوں گے، یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ تو یہ اللہ کی سنت ہے جو مشرکین مکہ پر پوری ہوئی، جو اس سے پہلے انبیاء کے مقابلے پر آنے والوں پر پوری ہوئی اور جو قیامت تک پوری ہوتی رہے گی۔ جہاد میں مراحل ایسے ضرور آتے ہیں جہاں وقتی طور پر لگتا ہے کہ اتنے وسائل کا مقابلہ مجاہدین نہیں کر پا رہے، اتنی قوت کا مقابلہ نہیں کر پا رہے، وقتی طور پر ضرب بھی لگتی ہے، نقصان بھی ہوتا ہے، لیکن بالآخر ﴿ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ﴾ کافر مغلوب ہو جاتے ہیں اور بالآخر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا دین ہی غالب آ کر رہتا ہے۔

تھوڑی دیر کے لیے بھی، کوئی کافر تک اس پر غور کرے کہ یہ کیا چیز ہے، یہ کیسا دین ہے کہ جس کا یہ مقابلہ کر رہے ہیں، کہ اتنے ملکوں نے مل کر پیسے ڈالے، یہ ابھی ٹوکیو کانفرنس جو ہوئی ہے، یعنی ملینز کے حساب سے ڈالرز ہیں جو انہوں نے اکٹھے کیے ہیں افغانستان میں کافر فوجوں کی مدد کرنے کے لیے، اس سے پہلے لندن اور شکاگو کانفرنس میں۔ ایک ایک کانفرنس میں اربوں کھربوں کے حساب سے ڈالر وہ اکٹھے کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود مجاہدین کے جو چند ہزار یا

چند لاکھ روپے ہیں وہ ان کا مقابلہ کرنے کے لیے کافی ثابت ہو جاتے ہیں۔ ایک ٹینک، ایک ہمر، ایک ہموی بنانے کے لیے انہوں نے کتنے پیسے خرچ کیے، کتنے ذہن لگے، کتنے وسائل لگے، مگر اس کو اڑانے کے لیے ایک پریشر ککر کافی ہوتا ہے۔ تو اتنا آسان سا موازنہ ہے اس مال اور قوت سے اللہ کی اس نصرت کا جو وہ اپنے بندوں کی کرتے ہیں۔ ایک عام امریکی فوجی کی آپ کِٹ دیکھیں جو اس نے پہنی ہوتی ہے، اس کے مقابلے میں ایک مجاہد کو دیکھیں تو وہ تو گویا اس طرح ہے جیسے خالی ہاتھ لڑ رہا ہو۔ امریکی فوجیوں کے پاس کھانے کو طرح طرح کی پیک شدہ اشیا موجود ہیں، انرجی بسکٹ ہیں، پینے کے لیے بہترین مشروبات ہیں، ایمرجنسی میں رابطے کے لیے آلات موجود ہیں جن کے ذریعے وہ جہاں مصیبت میں پھنسیں وہاں سے رابطہ کر کے ہیلی کاپٹر طلب کر سکتے ہیں۔ اس کی بندوق میں لیزر موجود ہے جو اسے صراحتاً بتاتی ہے کہ اس کی گولی کس جگہ جا کر لگے گی، پھر اس بندوق کا وزن اس کے حجم کے مقابلے میں انتہائی کم رکھا ہے، نائٹ ویژن اس کے پاس ہے، یعنی اس کی ایک کِٹ ہمارے چار مجاہدین کے لیے کافی ہے، اس قدر سامان ان کا ایک ایک فوجی لے کر گھومتا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کی مدد ہوتی ہے تو ایک چھوٹا سا افغانی بچہ اٹھتا ہے اور وہ اس امریکی فوجی کا علاج کر دیتا ہے۔

تو پیارے بھائیو! یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ جتنے بھی وسائل لے کر میدان میں اتریں گے، وہ جتنے بھی وسائل کھپائیں گے وہ ان کے لیے حسرت کا باعث بنیں گے، ﴿ثُمَّ یُغْلَبُوْنَ﴾ اور بالآخر وہ مغلوب ہوں گے، وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی جَهَنَّمَ یُحْشَرُوْنَ، اور جنہوں نے کفر کیا وہ جہنم کی طرف پلٹائے جائیں گے یا جہنم کی طرف حشر کیا جائے گا ان کا۔ ﴿لِیَمِیْزَ اللّٰهُ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ﴾ تا کہ اللہ تعالیٰ پاکیزہ کو ناپاک سے، پاک کو، طیب کو خبیث سے علیحدہ کر دیں۔ یہ پاک و ناپاک کا، فائزین و خاسرین کا، سعداء و اشقیاء کا، خوش بختوں اور بدبختوں کا جو علیحدہ ہونا ہے یہ قیامت کے دن اپنی حتمی اور واضح ترین صورت میں پیش آئے گا کہ جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ جہنمیوں کو ایک طرف کر دیں گے اور ساری جو خباثت ہے اور جو ساری گندگی ہے، جو ساری نجاست ہے، اللہ اس کو ادھر پھینک دیں گے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے کامیاب، اپنے محبوب اور اپنے اولیاء بندوں کو ایک اور طرف کر دیں گے اور ان کو جنت کی طرف لے کے جایا جائے گا وفد کی صورت میں اور وہاں پہ دروازے ان کے لیے پہلے سے کھلے ہوئے ہوں گے۔ تو یہ دونوں فریقوں کو علیحدہ کیا جانا اور یہ فیصلہ ہونا کہ کون عزت کا مستحق ہے اور کون نہیں، کون رحمت کا مستحق ہے اور کون نہیں، کون جنت کا مستحق ہے اور کون نہیں، کون کامیاب ہوا اور کون ناکام، یہ قیامت کے دن ہونا ہے۔ تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ یہ سارا کچھ اس لیے ہے، یہ جو دنیا میں جنگیں ہو رہی ہیں، یہ جو کافروں اور مسلمانوں کی کشمکش ہو رہی ہے یہ اس لیے ہے کہ تا کہ دیکھیں اللہ تعالیٰ کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرتا ہے اور کفر و سرکشی جس کے سینے کے اندر چھپی ہے وہ بھی کھل کر عالم شہود میں آ جائے، سامنے آ جائے۔ پھر قیامت کے دن اسی کی بنیاد پہ، جس نے جہاد کے میدان میں، اللہ کے دین کے رستے میں، دعوت کے میدان میں، امر بالمعروف کے میدان میں، اسی دین سے متعلق میدان میں اپنے آپ کو کھپایا، اپنے آپ کو لگایا، اپنا دن رات ایک کیا، تو وہ پاکیزہ لوگوں میں شمار ہو گا اور اس کا اجر قیامت کے دن ملے گا اور جس نے اپنا کفر اپنا شرک، اپنے اندر کی چھپی خباثت، اللہ کے دین کے لیے دشمنی کفر کے میدان میں اتر کر دکھائی، اس کی سزا اس کو قیامت کے دن ملے گی تو یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فیصلہ کریں گے۔ اللہ فرماتے ہیں کہ:

﴿لِیَمِیْزَ اللّٰهُ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ وَیَجْعَلَ الْخَبِیْثَ بَعْضَهٗ عَلٰی بَعْضٍ فَیَرْكُمَهٗ جَمِیْعًا فَیَجْعَلَهٗ فِیْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾

لِیَمِیْزَ اللّٰهُ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ تا کہ اللہ تعالیٰ اس دن خبیث اور پاکیزہ کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر دیں، وَیَجْعَلَ الْخَبِیْثَ بَعْضَهٗ عَلٰی بَعْضٍ اور خبیث کو ایک دوسرے کے اوپر یا نجاست یا گندگی کو ایک دوسرے کے اوپر ڈال دیں، فَیَرْكُمَهٗ جَمِیْعًا پھر اس کا ایک ڈھیر بنا دیں، فَیَجْعَلَهٗ فِیْ جَهَنَّمَ پھر اس کو جہنم میں جھونک دیں۔

تو پیارے بھائیو اتنی نفرت اور اتنی حقارت کے ساتھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ذکر کیا ہے اپنے دین کے رستے میں کھڑے ہونے والوں کا، اپنے دین کے خلاف لڑنے والوں کا، جیسے وہ کوئی گندگی کا ڈھیر ہوں، اللہ ان کو اٹھائیں گے ایک دوسرے پہ اکٹھا کریں گے، ڈھیر لگائیں گے، اور پھر اللہ تعالیٰ اس کو جہنم میں پھینک دیں گے، اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ اور یہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں۔

تو یہ خسارے اور کامیابی کا میرے عزیز بھائیو اللہ تعالیٰ قرآن میں ایک اور ہی تصور دیتے ہیں۔ دنیا والے دنیا کی جس نگاہ سے چیزوں کو جانچ رہے ہوتے ہیں، دنیا کی ظاہری ٹیپ ٹاپ سے چیزوں کو دیکھ رہے ہوتے ہیں، میڈیا کی باتیں سن کر وہاں سے پیمانے متعین کر رہے ہوتے ہیں، ابھی آپ دیکھیں کہ شکاگو کانفرنس کے کسی نے مناظر دیکھے ہوں تو وہاں زرداری ان کے سفیروں سے مل کے اتنا خوش ہوتا ہے کہ اس کے دانت کئی کئی منٹ تک اندر نہیں ہوتے اور جو اس کے ساتھ وفد کے لوگ ہیں وہ بھی وہاں اسی طرح خوش نظر آ رہے ہیں، ان کا یہ خیال ہے کہ دنیا میں عزت کا جو اونچا ترین مقام ہے وہ انہوں نے پا لیا ہے۔ سب سے جو بلندی ہو سکتی تھی، دنیا کی بڑی بڑی کانفرنسوں میں ان کو دعوت دے دی گئی ہو، وہاں شریک ہو گئے، کیمروں نے ان کی تصاویر ثبت کر لیں، وہ اپنے پوتوں پڑپوتوں کے سامنے بھی فخر کا اظہار کریں گے کہ ہم فلاں جگہ گئے تھے اور وہاں ہمارا اوباما نے استقبال کیا تھا اور ہیلری کلنٹن نے ہم سے ہاتھ ملایا تھا، یہ چیزیں ان کے نزدیک سب سے بڑی بلندی ہیں جس تک وہ پہنچ سکتے ہیں اس کو وہ کامیابی سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ وہ بہت سمجھ دار ہیں، وہ بہت ذہین ہیں تب وہ اس مقام تک پہنچے ہیں اور وہ باقی سب کو اسی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ یہ بے چارے ہیں، مساکین دنیا کے چھوٹے موٹے کاموں میں لگے ہوئے ہیں، یہ فیصلہ اللہ نے قیامت کے دن کرنا ہے۔ یہ کوئی پیمانہ نہیں

ہے عزت اور ذلت کا۔ قیامت کے دن پتا چلے گا کہ وہ جو دنیا کے اندر کرسیوں پر بیٹھے تھے، تختوں پر بیٹھے تھے، قیامت کے دن بھی کیا ان کے حصے میں تخت آئے گا یا نہیں آئے گا، اور وہ جو دنیا کے اندر بالکل دھتکارے ہوئے تھے، قیامت کے دن وہ کن تختوں کے اوپر اور کن تاجوں، ہیروں، جواہرات اور موتیوں کے اندر کھیل رہے ہوں گے۔ تو وہ دن ہے جب اللہ تعالیٰ واضح فرمائیں گے اشقیاو سعدا کو، اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کی شقاوت و سعادت ہو گی۔ جو جنت میں داخل ہوں گے ان کے لیے بھی بالآخر موت کو ذبح کیا جائے گا، ایک جانور کی صورت میں موت کو لایا جائے گا اور اسے ذبح کر دیا جائے گا اور اعلان ہو جائے گا کہ جو جنت میں ہے وہ اب ہمیشہ کے لیے جنت میں ہے اور جو جہنم میں ہے وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں ہے، تو وہاں پہ کھل جائے گی بات کہ کون کامیاب ہوا اور کون ناکام ہوا، تو اللہ تعالیٰ وہ حقیقی کامیابی ہمیں نصیب فرمائے اور اپنے وعدوں پہ ایسا پختہ ایمان نصیب فرمائے کہ بڑی سے بڑی لالچ اور دنیا کی بڑی سے بڑی دھمکی ہمیں اپنے رستے سے نہ ہٹا سکتی ہو۔ اللہ تعالیٰ ان باتوں پہ عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

سبحانک اللھم و بحمدک ونشھد ان لا الہ الا انت نستغفرک و نتوب الیک و صلی اللہ علی النبی

☆☆☆☆☆

ایمان، استقامت، فرعون اور غزہ

انہوں نے مجھ سے کہا کہ ’اگر اسرائیل کی جانب سے ہمیں دوبارہ اپنے علاقے خالی کرنے کا حکم ملا، تو ہم نہیں جائیں گے۔ ہم یہیں رہیں گے۔ ہم تھک چکے ہیں۔ اگر ہم اب یہاں سے نکلے تو ہم دوبارہ کبھی اپنے گھروں کو لوٹ نہ سکیں گے۔ ہم یہیں اکٹھے اپنے گھروں میں مرنے کو باہر سڑکوں پر مرنے پر ترجیح دیتے ہیں‘۔ اور وہ یہ سب بڑے تحمل سے، بڑی استقامت اور یقین سے کہتے تھے، ایسی استقامت جس میں ہیرو بننے کے شوق کو کوئی دخل نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆

دخترانِ کشمیر کے نام

آپ کی پاکیزگی، آپ کی استقامت، اور دین سے آپ کا گہرا تعلق ہی ایک شاندار دور کی بنیاد رکھے گا، اور ایک نئے باب کا آغاز کرے گا۔ یاد رکھو! آپ اس امت کا انمول خزانہ ہو، اس کا سب سے قیمتی ورثہ۔ آپ کا عزم ہی ڈھال ہے، آپ کی ثابت قدمی ہی ہر دشمن کے خلاف قلعہ ہے، اس قوم کی عزت اور وقار کی ذمہ داری آپ کے کندھوں پر ہے، اور یہ ایک امانت ہے، اس سے ہر گز خیانت نہ کرنا۔

☆☆☆☆☆

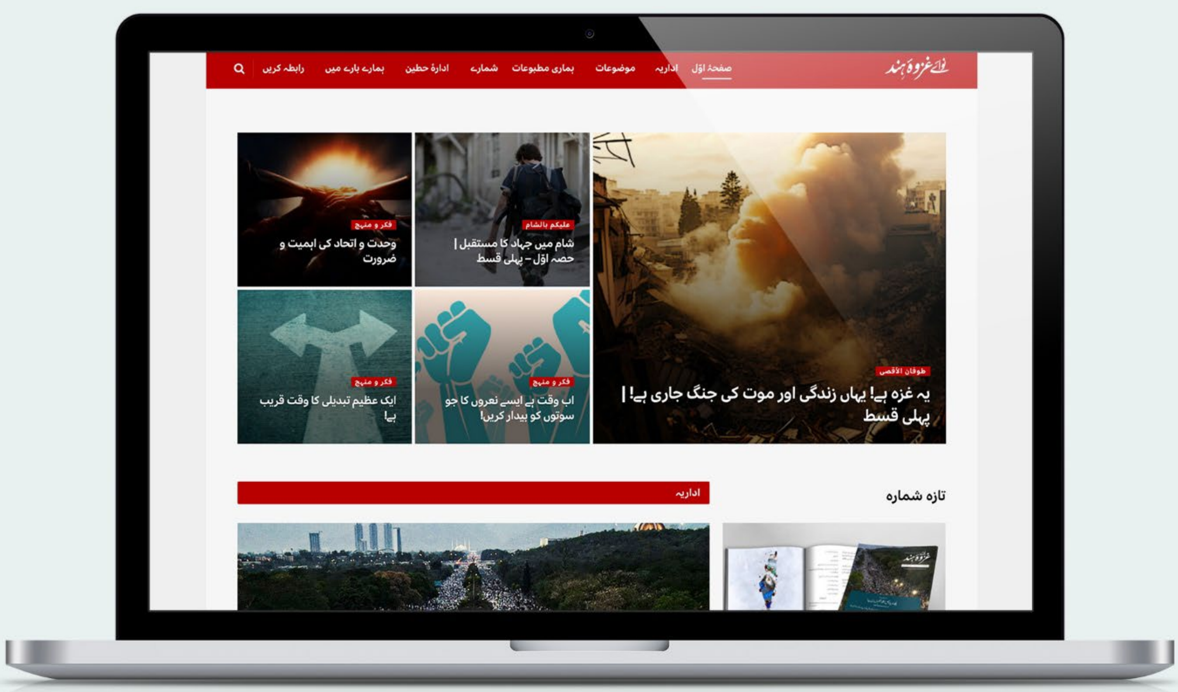

نوائے غزوۂ ہند کی نئی ویب سائٹ لانچ کر دی گئی ہے!

https://nawaighazwaehind.site

الشوک والقرنفل
کانٹے اور پھول ۵

شیخ یحییٰ السنوار شہید رحمۃ اللہ علیہ کا شہرۂ آفاق ناول

مجلّہ ’نوائے غزوۂ ہند‘ بطلِ اسلام، مجاہد قائد، شہیدِ امت، صاحبِ سیف و قلم شیخ یحییٰ ابراہیم السنوار رحمۃ اللہ علیہ کے ایمان اور جذبۂ جہاد و استشہاد کو جلا بخشتے، آنکھیں اشک بار کر دینے والے خوب صورت ناول اور خود نوشت و سرگزشت ’الشوک والقرنفل‘ کا اردو ترجمہ، قسط وار شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ یہ ناول شیخ نے دورانِ اسیری اسرائیل کی بئر سبع جیل میں تالیف کیا۔ بقول شیخ شہید اس ناول میں تخیل صرف اتنا ہے کہ اسے ناول کی شکل دی گئی ہے جو مخصوص کرداروں کے گرد گھومتا ہے تاکہ ناول کے تقاضے اور شرائط پوری ہو سکیں، اس کے علاوہ ہر چیز حقیقی ہے۔ ’کانٹے اور پھول‘ کے نام سے یہ ترجمہ انٹرنیٹ پر شائع ہو چکا ہے، معمولی تبدیلیوں کے ساتھ نذرِ قارئین ہے۔ (ادارہ)

آٹھویں فصل

دوسری طرف ان مزدوروں کی تعداد جو صبح کے وقت ۱۹۴۸ء کی مقبوضہ اراضی میں کام کرنے کے لیے جاتے تھے، بتدریج بڑھنے لگی، اور اس کے ساتھ ساتھ دیگر چیزیں بھی بڑھنے لگیں، صبح سویرے مرد نکلتے تھے، ہر ایک اپنے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا بیگ یا تھیلا لے کر جس میں وہ اپنے دن کا کھانا رکھتا تھا، اور لمبی مسافت طے کر کے مزدوروں کے اسٹاپ تک پہنچتا تھا، وہاں بڑی تعداد میں گاڑیاں، ٹرک اور بسیں موجود ہوتی تھیں، یہ یافا کے لیے، یہ اشدود کے لیے، یہ تل ابیب کے لیے وغیرہ، اور ہر ڈرائیور اپنے مسافروں کو اپنی منزل کی طرف بلاتا تھا اور مزدور اس کے پیچھے چلتے تھے، وہ گاڑیاں چڑھتے جو انہیں لے جاتی تھیں، فلافل[1]، فول[2] یا سحلب[3] وغیرہ بیچنے والوں نے ان مزدوروں کی بڑی تعداد کو اپنے کاروبار کے لیے ایک مناسب ہدف اور منافع بخش بازار پایا، مزدور جب گاڑی کی طرف جاتے تو وہ اپنی جیب سے کچھ پیسے نکال کر فلافل خریدتے، جلدی سے اسے کھاتے یا اپنے کھانے کے تھیلے میں رکھ لیتے اور گاڑی میں سوار ہوتے اور وہ اپنی نیند پوری کرتے جو ایک یا دو گھنٹے کے لیے منقطع ہو گئی تھی یہاں تک کہ وہ اپنے کام کی جگہ پر وہاں اپنے مقبوضہ وطن میں پہنچ جاتے۔

یہ مزدور تعمیرات، زراعت یا صفائی وغیرہ میں کسی بھی مشکل اور پیشہ ورانہ کام کو جسے یہودی غرور کے ساتھ کرنے سے انکار کرتے ہیں، کام کرتے، وہاں یہودی مالک (معلم) ان کے سروں پر کھڑا ہوتا، انہیں احکام دیتا اور ان کے کام کی نگرانی کرتا، صبح دس بجے وہ آدھے گھنٹے کا وقفہ لیتے، جس میں وہ اپنا ناشتہ یا دوپہر کا کھانا کھاتے اور اگر وہ چائے بنا سکیں تو چائے پیتے، پھر وہ اٹھ کر اپنا دن کا کام مکمل کرتے اور شام تین یا چار بجے اپنے کام کو ختم کرتے، پھر وہ گاڑی تلاش کرتے جو انہیں غزہ یا مغربی کنارے واپس لے جاتی، واپسی کے راستے میں سوتے اور اپنے گھروں کو پہنچتے جبکہ کام نے انہیں تھکا دیا ہوتا تھا۔

جمعہ کے دن وہ صرف دوپہر دو بجے تک کام کرتے، کیونکہ یہودی مالکان ہفتہ کے دن کی تیاری کرتے، جو کہ ہفتہ وار چھٹی کا دن ہوتا ہے، ان میں سے کچھ مزدور روزانہ کام کرتے اور دن کے اختتام پر اپنی مزدوری وصول کرتے، اور اگلے دن دوبارہ مزدوروں کے مقامات پر جمع ہوتے، ٹھیکیدار اور یہودی مالکان اپنی گاڑیوں میں آتے اور مزدوروں کی تلاش کرتے، جو ان کے مطلوبہ کام کے لیے موزوں ہو، کچھ مزدور ہفتہ وار یا ماہانہ بنیادوں پر یا مستقل طور پر کام کرتے۔

مزدوروں اور یہودی مالکان کے درمیان تعلقات میں بہتری اور روزانہ سفر کی تھکاوٹ کے باعث، مالکان نے اپنے مزدوروں کے لیے ہفتے بھر رہنے کی جگہیں تلاش کر لیں تھی، مزدور اتوار کی صبح اپنے گھر سے نکلتے اور جمعہ کی دوپہر تک کام کرتے، پھر اپنے گھر واپس آتے، ان کے جیب میں پیسے اور تھیلے میں اسرائیل سے لائے گئے سامان ہوتے، کچھ مزدور قلقیلیہ یا طولکرم میں گھر کرائے پر لیتے، تاکہ داخلی علاقوں میں قریب ہوں، کئی مزدور ایک کمرے یا گھر میں ہفتے بھر یا کبھی کبھی پورے مہینے رہتے، تاکہ سفر کا کرایہ بچا سکیں اور روزانہ کے سفر کی تھکاوٹ سے بچ سکیں، اندرونی علاقوں میں فلسطینی مزدور ایک نئی دنیا سے ملتے، جس کی عادات، روایات اور اقدار ہمارے معاشرے سے بالکل مختلف ہوتی، ان میں سے اکثر مزدور ان چیزوں سے متاثر نہیں ہوتے بلکہ انہیں حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، لیکن کچھ نوجوان ان چیزوں سے متاثر ہو جاتے، کچھ شراب پینے لگتے، زانیہ عورتوں کے ٹھکانوں اور رقص گاہوں میں جانے

---

[1] فلافل ایک مشہور مشرق وسطی کا کھانا ہے جو چنے یا فوا کے بیجوں سے بنایا جاتا ہے، چنے یا فوا کے بیجوں کو پیس کر ان میں مختلف مصالحے اور سبزیاں ملائی جاتی ہیں، پھر ان کے گول یا چپٹے گولے بنا کر گرم تیل میں تل لیا جاتا ہے، فلافل کو عام طور پر پیٹا بریڈ یا روٹی میں لپیٹ کر، سلاد، ترشی اور چٹنی کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ یہ ایک مزیدار اور مقوی ویجیٹیرین کھانا ہے جو دنیا بھر میں مقبول ہے۔

[2] فول: ایک خاص قسم کا لوبیا ہے، یہ خوراک میں استعمال ہوتا ہے اور مشرقِ وسطیٰ، شمالی افریقہ اور جنوبی ایشیاء میں مقبول ہے فول مدامی کو مختلف طریقوں سے پکایا جاتا ہے اور یہ غذائیت سے بھرپور ہوتا ہے۔

[3] سحلب: ایک مشہور مشروب ہے جو خاص طور پر سردیوں میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ مشروب مشرق وسطی، ترکی، اور جنوبی ایشیا میں بہت مقبول ہے، سحلب ایک گرم، کریمی اور میٹھا مشروب ہے جو عام طور پر دودھ، چینی، اور سحلب پاؤڈر سے تیار کیا جاتا ہے، سحلب پاؤڈر ایک قسم کی آرکڈ (orchid) کے جڑوں سے حاصل کیا جاتا ہے۔

لگتے، شاذ اوقات ایسا بھی ہوتا کہ کوئی مزدور کسی یہودی لڑکی سے ملتا، اس سے محبت کرتا اور اس کے معاشرے کی عادات کے مطابق اس کے ساتھ رہنے لگتا۔

مزدوروں کی آمد و رفت میں اضافہ کے باعث مزید گاڑیوں کی ضرورت پڑی، جس سے نئے ڈرائیوروں کو موقع ملا، کچھ مزدوروں نے اپنی گاڑی خرید لی اور اپنے ساتھ پڑوسی مزدوروں کو لے جاتے جو انہیں کرایہ دیتے، اس طرح وہ صبح کے وقت پیدل چلنے اور شام کو واپسی کے سفر سے بچتے، پیجو گاڑیاں علاقوں میں داخل ہونے لگیں اور گاڑیوں کی آمد و رفت میں اضافہ ہوا، آپ دیکھتے ہیں کہ ان میں سے کچھ مزدور اپنی گاڑی پر کچھ کرسیاں یا دیگر فرنیچر لا رہے ہیں جو ان کے یہودی مالک نے نئے فرنیچر کے بدلے میں نکال دیا ہوتا تھا یہ مزدور ان چیزوں کو اپنے گھر کی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے لے آتے، یا اپنے دوستوں، رشتہ داروں کو تحفہ دیتے، یا ہارڈ وئیر مارکیٹ(Hardware Market)میں فروخت کرتے۔

یہودی تاجروں نے الخلیل شہر اور دیگر قریبی علاقوں جیسے طولکرم اور قلقیلیہ میں آنا شروع کر دیا، جہاں وہ اپنی ضرورت کی اشیاء خریدتے تھے، کچھ تاجروں نے ورک شاپس، لوہار کی دکانوں یا درزیوں کے ساتھ معاہدے کیے تاکہ وہ انہیں سو دروازے یا ہزار کھڑکیاں فراہم کریں، انہیں یہ اشیاء اسرائیلی کارخانوں کی نسبت بہت سستی مل جاتیں، فلسطینی کاروباری افراد قیمت بڑھا کر زیادہ منافع کماتے، اور اس طرح زیادہ سے زیادہ لوگوں کو روزگار فراہم کرتے۔

☆☆☆☆☆

حالات بہتر ہونے کے باوجود مزاحمت جاری رہی، یہ مزاحمت کبھی کم اور کبھی زیادہ ہوتی رہی، کیونکہ یہ صرف مالی حالت سے وابستہ نہیں تھی، بلکہ قومی وابستگی اور ذمہ داری کے احساس سے جڑی ہوئی تھی، اگرچہ تنگ دستی ان جذبات کو مزید بھڑکاتی تھی، مزاحمتی کارروائیاں پھر بھی جاری رہتیں، کبھی یہاں بم پھینکا جاتا، کبھی وہاں فائرنگ ہوتی، کبھی یہاں کرفیو لگتا تو کبھی وہاں گرفتاریاں ہوتی، تفتیش ہوتی اور لوگوں کو گھنٹوں روک کر رکھا جاتا، کبھی کوئی مخبر پکڑا جاتا تو اسے مار دیا جاتا۔

یہودی ریاست کے اندر سینکڑوں اور ہزاروں مزدوروں کے داخلے نے مزاحمت کاروں کو ۱۹۴۸ء سے قبضے میں لی گئی زمینوں کے اندر بڑے پیمانے پر کارروائیاں کرنے کا موقع فراہم کیا، عبد الحفیظ نے جو ہماری پڑوسن ام العبد کا بیٹا تھا، اپنی ماں کو قائل کیا کہ اپنے بھائیوں کے مستقبل کے لیے اسے پڑھائی چھوڑ کر کام شروع کرنا چاہیے تاکہ اس کے بھائی تعلیم جاری رکھ سکیں اور اس کی ماں کو مشکل کاموں سے آرام مل سکے، کئی کوششوں کے بعد اس کی ماں راضی ہو گئی، عبد الحفیظ نے دوسرے ہزاروں لوگوں کی طرح اسرائیل میں کام شروع کر دیا، چند ماہ بعد وہ اپنے گھر کے لیے ایک مناسب دروازہ اور ٹین کی چادریں خریدنے میں کامیاب ہو گیا، انہوں نے گھر کی زمین کو بھی کنکریٹ سے ہموار کر دیا۔

لیکن کچھ عرصے بعد سب کو یہ علم ہوا کہ عبد الحفیظ کا مقصد صرف بہتر زندگی اور اپنے بھائیوں کی تعلیم نہیں تھا، تقریباً دو سال بعد پتہ چلا کہ عبد الحفیظ عوامی محاذ میں شامل ہو چکا تھا اور اس کا مقصد اسرائیل میں فدائی کارروائیاں کرنا تھا، چند ماہ بعد جب وہ کام کے دوران وقفے لیتا، تو وہ اپنے کھانے کے تھیلے میں چھپائے ہوئے بم کو یافا لے جاتا اور کسی بس، کیفے یا نائٹ کلب میں رکھ دیتا، کام ختم کرنے کے بعد گھر واپس آتا، اور بم وہاں پھٹ جاتا، جہاں زخمی یا ہلاکتیں ہوتی تھیں۔

عبد الحفیظ اس حالت میں دو سال تک رہا، اور وہ انتہائی احتیاط اور چالاکی سے کام کرتا رہا، اس دوران اس نے کئی کامیاب کاروائیاں کیں، مگر شین بیٹ [۴] مخبروں کی تحقیقات سے اس پر شک پیدا ہو گیا، ایک رات قابض فوج کی بڑی تعداد نے اس کے محلے پر چھاپہ مارا، اس کے گھر کو گھیر لیا اور اسے گرفتار کر لیا، تحقیقات کے دوران، اسے شدید تشدد، مار پیٹ اور اذیت کا سامنا کرنا پڑا، مگر اس نے کوئی الزام بھی قبول نہ کیا، آخر کار انہوں نے اس کے ایک ساتھی کو گرفتار کیا، جس نے اعتراف کیا کہ عبد الحفیظ " الجبهة الشعبية" کے ساتھ ہے، جب اس سے سامنا کروایا گیا تو اس نے صرف اتنا ہی قبول کیا، اور اسے ڈیڑھ سال کی قید کی سزا دی گئی۔

☆☆☆☆☆

جب تعلیمی سال کے اختتام پر میرے بھائی محمود کی گرمیوں کی تعطیل کی وجہ مصر سے واپسی قریب ہوتی، تو ہم صلیب احمر کے دفتر جا کر پوچھتے کہ مصری جامعات کے طلباء کب واپس آئیں گے، یا پھر اعلانات کی تختی پر نظر رکھتے جہاں واپس آنے والے گروہوں کے نام اور واپسی کی تاریخیں لکھی ہوتی تھیں، جس دن محمود واپس آتا، ہم سب پاسپورٹ کے دفتر کے سامنے اس کا انتظار کرتے، وہاں بسیں طلباء کو لے کر آتی تھیں جن کے ساتھ فوجی جیپیں بھی ہوتی تھیں، وہ پاسپورٹ دفتر میں داخل ہو کر اترتے اور انتظار گاہ میں بیٹھتے، جہاں ان کے اہل خانہ ان سے ملنے کے لیے لپکتے، انہیں چومتے اور گلے ملتے، اور پھر گھر لے جاتے۔

---

[۴] شین بیت (Shin Bet) جسے اسرائیل میں عمومی سکیورٹی سروس (General Security Service یا GSS) کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، اسرائیل کی داخلی سکیورٹی اور انسداد دہشت گردی کی ایجنسی ہے، اس کا مقصد اسرائیل کی اندرونی سکیورٹی کو یقینی بنانا، دہشت گردی کو روکنا، اور جاسوسی کے خلاف اقدامات کرنا ہے، شین بیت کی ذمہ داریوں میں ملکی اور بین الاقوامی سطح پر مختلف خطرات کا پتہ لگانا اور ان کا سد باب کرنا شامل ہے، یہ ایجنسی مختلف انٹیلی جنس اور سکیورٹی آپریشنز انجام دیتی ہے تاکہ اسرائیلی عوام اور حکومت کی حفاظت کی جا سکے، شین بیت کی تشکیل ۱۹۴۸ء میں ہوئی تھی، اور تب سے یہ اسرائیل کی سکیورٹی کا ایک اہم حصہ ہے۔ اس کی کارکردگی اور آپریشنز عموماً خفیہ ہوتے ہیں، اور ان کے بارے میں عوام کو زیادہ معلومات نہیں ہوتیں۔

ہم ہر سال محمود کی واپسی پر وہاں بیٹھتے اور اس کا انتظار کرتے، وہ باہر آتا اور ہم اس کی طرف دوڑتے، پھر وہ ہمیں پیار کرتا، ہمارے حالات پوچھتا، اور میری ماں کے سر اور ہاتھ کو چومتا، میری ماں فخر اور محبت سے اس کی طرف دیکھتیں، اور ان کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو ہوتے، وہ اپنے بیٹے ''چیف انجینئر محمود'' پر فخر کرتی تھیں، ہمارے محدود وسائل کے باوجود میری ماں مختلف قسم کے کھانے تیار کرتیں تاکہ محمود کا استقبال کیا جاسکے اور اس کی ایک سال کی محرومی کو پورا کیا جاسکے۔

محمود ہمارے لیے مصری مصنوعات کے کچھ سوتی کپڑے لاتا تھا، انہی دنوں میں ہم نئے کپڑوں کی لمس اور خوشبو سے متعارف ہوئے، کیونکہ اس سے پہلے ہم صرف وہ کپڑے پہنتے تھے جو ہم خیرات سے لیتے یا دوسری استعمال شدہ چیزوں کی دکانوں سے خریدتے، پہلے سال کی تعلیم کے اختتام سے ہی میری ماں نے اسے ''چیف انجینئر'' کہنا شروع کر دیا تھا۔

☆☆☆☆☆

ایک گلی کے کونے پر کچھ نوجوان ایک سیاہ کمبل بچھاتے، جو انہیں ایجنسی سے ملتا اور اس پر بیٹھ کر تاش کھیلتے، ہر روز شام کے بعد وہ وہاں بیٹھ کر کچھ وقت گزارتے کیونکہ کوئی اور تفریحی ذرائع موجود نہیں تھے، وہ اپنے کھیل کو مغرب کے بعد تک جاری رکھتے جب اندھیرا چھا جاتا تو پھر وہ اپنے تاش کے پتے سمیٹتے، کمبل جھاڑتے اور اسے تہہ کر کے اپنے گھروں کو روانہ ہو جاتے، کیونکہ کچھ دیر بعد کرفیو کا وقت ہو جاتا، ایک دن جب وہ وہیں بیٹھے تھے تو شیخ احمد وہاں سے گزرے، انہیں اسی نام سے بلایا جاتا تھا حالانکہ وہ ابھی جوان ہی تھے، اور وہ مغرب کی نماز پڑھ کر مسجد سے واپس آرہے تھے، وہ ہمیشہ کی طرح سلام کرتے ہوئے گزرے لیکن اس بار وہ ان کے پاس آئے اور ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔ ان نوجوانوں نے حیرانی سے کھیل روک دیا، تاش کے پتے سمیٹ لیے اور اس نئے آنے والے کی طرف متوجہ ہو گئے، شیخ احمد ان کے پاس بیٹھ گئے اور کہا: مجھے ایک اہم بات کرنی ہے جو آپ لوگوں سے متعلق ہے، ان کے چہروں پر حیرت واضح تھی اور انہوں نے کہا: جی فرمائیں، پھر شیخ نے قرآن کی آیات اور احادیث کا حوالہ دیتے ہوئے تفصیل سے بات کی، وقت ضائع کرنے کے نقصانات اور عبادت کی اہمیت پر زور دیا، اللہ کی نعمتوں کی یاد دہانی کرائی اور آخرت میں خسارہ اور جہنم کے عذاب سے خبردار کیا، اس سب کو بڑی نرمی سے اسلام کے مستقبل سے جوڑتے ہوئے کہا کہ ضروری ہے کہ اسلام کا جھنڈا فلسطین کی سرزمین میں جو معراج اور اسراء کی جگہ ہے، بلند ہو، یہاں تک کہ ارض فلسطین آزاد ہو جائے اور لوگ نجات پالیں اور کوششیں کامیاب ہو جائیں۔

چاروں نوجوان خاموشی سے شیخ کی باتیں سنتے رہے، یہ پہلی بار تھا کہ وہ ایسا کچھ سن رہے تھے، انہیں دین اور وطنی جذبے کا یہ عجیب مرکب اچھا لگا، فلسطینی منظر نامے کے اس عرصے میں دیکھا گیا تھا کہ شیخ یا دیندار شخص حقیقت اور قومی درد سے بے خبر ہوتا تھا جبکہ قوم پرست یا فدائی دین اور دینداری سے بے خبر ہوتا تھا۔ ان کے چہروں پر پسندیدگی اور رضامندی کے آثار نمایاں ہونے لگے، ان میں سے ایک نے پوچھا: شیخ! ہم سے کیا توقع ہے؟ شیخ احمد کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی اور کہا: کل ان شاءاللہ، آپ غسل کریں، پاک صاف ہوں اور وضو کریں، پھر اذان بلند ہونے پر مسجد جائیں اور نماز ادا کریں۔ نوجوانوں نے سر ہلا کر رضامندی ظاہر کی۔ شیخ احمد نے ایک ایک کر کے ان سے مصافحہ کیا اور روانہ ہو گئے۔ نوجوانوں نے اپنے تاش کے پتے سمیٹ لیے، کمبل جھاڑا اور اسے تہہ کر لیا اور روانہ ہو گئے کیونکہ اندھیرا چھا چکا تھا اور کرفیو کا وقت قریب تھا۔

☆☆☆☆☆

سڑکیں کھودنے کی مہم کے بعد یہ واضح ہو گیا کہ قابض فوج کے لیے کیمپ پر قابو پانے کا ہدف زیادہ آسان اور ہموار ہو گیا ہے، اور اس کی گشت کرنے والی گاڑیاں آسانی سے حرکت کر سکتی ہیں اور کیمپ میں ہونے والی چیزوں پر نظر رکھ سکتی ہیں، اور پھر کسی بھی مشتبہ حرکات والے علاقے کو گھیر کر تلاشی لے سکتی ہیں اور مشتبہ افراد کو گرفتار یا قتل کر سکتی ہیں۔ گشت کی گاڑیوں کی تیز رفتار حرکت اور کیمپ کے ہر حصے میں اچانک پہنچنے کی صلاحیت نے مزاحمت اور فدائیوں پر اثر ڈالنا شروع کر دیا، لہٰذا ایک نئے طریقہ کار کی ضرورت تھی تاکہ فدائیوں کو جلدی سے قابض فوج کی موجودگی کے بارے میں آگاہ کیا جاسکے، تاکہ وہ اپنی حفاظت اور تیاری کر سکیں، اور ایسا ہوا کہ ہر جگہ جہاں قابض فوج کے فوجی نظر آئے اور جیسے ہی کسی بچے یا لڑکی نے یا کسی بڑے مرد اور خواتین نے بھی قابض فوج کو دیکھا، انہوں نے بلند آواز میں ''بیعو...... بیعو......'' کا نعرہ لگایا اور جس نے بھی یہ لفظ سنا، فوراً بلند آواز میں ''بیعو...... بیعو...... واتریح منو'' کا نعرہ لگایا، اس وقت مقصد قابض فوج کے فوجیوں سے اپنے ہتھیار فروخت کرنے کا مطالبہ تھا۔

یہ نعرہ بلند کرنے اور اس نعرے کو زور سے کہنے کی روایت کچھ ہی وقت میں ایک عوامی نغمے کی شکل اختیار کر گئی، جب طلباء اور طالبات اسکول جانے اور وہاں سے واپس آنے کے دوران قابض فوج کی گشتی دیکھتے تو ان کے گلے میں ایک عوامی نغمہ گونجنے لگتا ''بیعو... بیعو... واتریح منو والصندل أحسن منه'' اور وہ اس نعرے کو اس وقت تک دہراتے رہتے جب تک ان کی آنکھیں اس گشتی پر پڑی رہتی اور فوجی نہیں جانتے کہ اس کے بارے میں کیسے عمل کریں اور الجھن اور پریشانی میں مبتلا ہو جاتے۔ فدائی یہ آوازیں سنتے اور ان کے مقام کو جان لیتے اور اپنی حفاظت اور تیاری کرتے، طریقہ یہ تھا کہ چھوٹے بچے یہ نعرہ دہراتے، لیکن جب چھوٹے بچے موجود نہ ہوتے اور بڑوں کے لیے یہ نعرہ دہرانا ضروری ہوتا تو وہ بھی بلند آواز میں یہ نعرہ لگانے سے گریز نہیں کرتے۔

☆☆☆☆☆

دن تیزی سے گزرتے گئے، اور ہم نے محمود کی مصر سے واپسی کے دن گننا شروع کر دیے، وہ انجینئرنگ کالج سے فارغ التحصیل ہو کر واپس آ رہا تھا، اور ہم روزانہ ریڈ کراس کے دفتر جا کر اس کے نام کا انتظار کرتے، اور مصر سے واپس آنے والے قافلوں میں اس کا نام ڈھونڈتے، کچھ دنوں کے بعد واپس آنے والوں کی فہرستیں اعلان بورڈ پر لٹکائی گئیں اور ہمیں تیسرے قافلے میں محمود کا نام ملا، ہم گھر کی طرف دوڑے تاکہ اپنی ماں کو چیف انجینئر محمود کی واپسی کی خوش خبری دیں۔

اور اس کی آمد کا انتظار اور تیاری زور و شور سے شروع ہو گئی، سب سے اہم بات یہ تھی کہ ماں نے میرے بھائی حسن سے چونا خریدنے کو کہا، ہم نے گھر کے بیچ میں ایک گڑھا کھودا اور اس میں چونا ڈال کر پانی ڈالا تاکہ وہ ٹھنڈا ہو جائے، پھر ہم نے اس کو چھان کر سارے گھر کو سفید رنگ سے پینٹ کیا، جس میں کچھ نیلاہٹ بھی شامل تھی، اس کے بعد میری ماں نے کھانے پینے کی تیاری شروع کی، خاص طور پر حلوہ اور بسبوسہ جو کہ ہمارے لیے اور آنے والے مہمانوں کے لیے تھا۔

محمود کے آنے کے دن ہم نے تیاری کی اور اسے خوش آمدید کہنے کے لیے نکلے، ہم "جنرل ڈائریکٹوریٹ آف پاسپورٹس" کے سامنے پہنچے، جہاں بسیں فوجی گاڑیوں کی نگرانی میں آئیں، ہم اور سینکڑوں خاندان بے صبری سے انتظار کر رہے تھے، واپس آنے والے ایک ایک کر کے باہر آنے لگے، یہاں تک کہ محمود باہر آیا، ہم دوڑ کر اس کی طرف گئے اور ہماری ماں ہم سے آگے تھیں، اس نے ہمیں بانہوں میں بھر لیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، جب ہم اپنی ماں تک پہنچے تو وہ بھی خوشی سے رو رہی تھیں۔ محمود نے ان کا سر اور ہاتھ چومے اور وہ اسے گریجویشن کی مبارکباد دے رہی تھیں۔ محمود نے کہا "میں واپس آ گیا ہوں ماں! اور ان شاء اللہ اب محنت اور پریشانی کا دور ختم ہو گیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا "الحمد للہ، الحمد للہ، ان شاء اللہ، ان شاء اللہ"۔

جب ہم گھر پہنچے تو تقریباً سارا محلہ محمود کا استقبال کرنے کے لیے جمع ہو گیا، ایک بڑے جشن کا سماں تھا، سب مرد اسے گلے لگا رہے تھے اور عورتیں میری ماں کو مبارکباد دے رہی تھیں اور کچھ زغردیں[5] نکال رہی تھیں۔ گھر میں داخل ہونا مشکل ہو گیا کیونکہ گلی میں بہت بھیڑ تھی، ہمسائے گھر میں داخل ہو کر مبارکباد دے رہے تھے اور ہماری ماں اور بہن بھائی مہمانوں کو مٹھائیاں اور مشروبات پیش کر رہے تھے۔ لوگ محمود کو چیف انجینئر کہہ کر پکار رہے تھے اور اس سے مصر، یونیورسٹی، اور اس کی صحت کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔

سورج غروب ہونے کے قریب تھا اور اندھیرا چھانے لگا، جس کے ساتھ ہی کرفیو کا وقت قریب آ گیا، ہمسائے مبارک باد کے کلمات دہراتے ہوئے اپنے گھروں کو جانے لگے، ہم سب محمود کے گرد بیٹھ گئے، ہمارا گھرانہ اور چچا ابراہیم کا گھر بھی جو کہ ہمارے خاندان کا حصہ بن چکا تھا۔ باتیں شروع ہو گئیں، حسن اپنی دکان بند کر کے صرف پڑھائی پر توجہ دے گا، محمد اور میں اپنے خالو کے چھوٹے سے کارخانے میں کام کرنا چھوڑ دیں گے، ہم گھر میں ایک نیا کمرہ بنائیں گے، جس سے دو کمروں کی چھت بلند ہو جائے گی اور اس کی دیواریں اونچی کر کے ایسبیس ٹوس (Asbestos) سے چھت ڈالی جائے گی، اور ہم گھر کی زمین کو سیمنٹ سے پکی کریں گے۔ یہ سب منصوبے تبھی پورے ہوں گے جب محمود نوکری پر لگے گا اور اپنی تنخواہ حاصل کرنا شروع کرے گا۔

یہ واضح تھا کہ محمود کیمپ کو نہیں چھوڑے گا، اور نہ ہی علاقے کو چھوڑ کر بیرون ملک کام کرنے جائے گا۔ وہ گھر اور خاندان سے دور تعلیم مکمل کرنے کے بعد واپس آ کر بہت خوش تھا۔ ہم نے محمود کی واپسی اور گریجویشن کی خوشی میں دو دن مزید مبارکباد دینے والوں کا استقبال کیا، تیسرے دن رات کو جب کرفیو کا وقت گزر چکا تھا اور ہم سو رہے تھے، تو ہم نے گاڑیوں کی آوازیں سنیں، وہ رکنے کے بعد دوبارہ چل پڑیں اور چلی گئیں، لیکن ہمیں اچانک صحن میں فوجیوں کی آوازیں سنائی دیں اور ان کی زور زور سے دروازہ کھٹکھٹانے کی آوازیں آئیں اور انہوں نے ہمیں صحن میں باہر نکلنے کو کہا۔ میری ماں اور بہنوں نے جلدی سے اپنے سروں کو ڈھانپ لیا اور ہم سب باہر نکلے۔ محمود آگے آگے جا رہا تھا، تو ہم نے دیکھا کہ درجنوں فوجی گھر پر قابض ہیں اور ہر طرف سے ہم پر بندوقیں تانی ہوئی ہیں۔ میری ماں چیخ کر بولیں، "تم لوگ کیا چاہتے ہو؟ کیا چاہیے؟" ایک افسر نے محمود کی طرف دیکھ کر پوچھا "کیا تم محمود ہو؟" محمود نے جواب دیا، "ہاں، میں محمود ہوں" افسر نے کہا، "ہمیں تمہیں سرایا لے جانا ہے۔" میری ماں چیخ کر بولی "کیوں؟ کل ہی تو مصر سے واپس آیا ہے۔" افسر نے کہا، "ان سے صرف کچھ سوالات پوچھنے ہیں اور کل صبح تمہیں واپس بھیج دیں گے۔" اس نے محمود سے ان کے ساتھ چلنے کو کہا۔ محمود نے کپڑے بدلنے کی درخواست کی، لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور اسے اسی حالت میں چلنے کو کہا۔ جب میری ماں باہر نکلنے کی کوشش کر رہی تھیں تو انہوں نے اسے روک دیا اور دروازہ بند کر کے نکل گئے۔ گاڑیوں کے انجن کی آوازیں دور ہوتی گئیں۔ اس رات ہم سو نہ سکے، اور میری ماں چیخ رہی تھی، رو رہی تھی اور اپنی قسمت کو کوس رہی تھی۔ فاطمہ اور حسن اسے تسلی دینے کی کوشش کر رہے تھے کہ محمود صبح تک واپس آ جائے گا، کیونکہ افسر نے کہا تھا کہ انہیں صرف کچھ سوالات پوچھنے ہیں۔ لیکن وہ کہتی رہتی، "کچھ سوالات؟ اگر انہیں کچھ سوالات پوچھنے تھے تو دن میں بلا لیتے، نوٹس بھیج کر، پھر اپنی قسمت کو روتی، "ہائے میری قسمت، ہائے میری قسمت، محمود، تم نے کیا کیا؟"

[5] ایک مخصوص چیخ نما آواز جو عرب ثقافت میں عورتیں خوشی کے موقع پر نکالتی ہیں۔

صبح کے پہلے پہر میں اور کرفیو ختم ہونے کے بعد وہ اپنے ساتھ حسن کو لے کر سرایا چلی گئیں، وہاں گیٹ پر پہرا دینے والے فوجیوں نے انہیں روک دیا اور اندر جانے نہیں دیا جبکہ وہ سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں کہ کیا ہوا ہے اور وہ محمود سے ملنا چاہتی ہیں۔ لیکن وہ کچھ نہیں سمجھے اور صرف یہی کہتے رہے، "یہاں سے چلی جاؤ!" حسن نے ان کی حالت دیکھ کر انہیں سمجھایا کہ وہ انہیں اندر جانے نہیں دیں گے اور انہیں گیٹ کے سامنے انتظار کرنا ہو گا، وہ انہیں کھینچ کر سامنے والی طرف لے گیا اور بٹھا دیا۔ ایک گھنٹہ گزر تا گیا، پھر دوسرا، محمود باہر نہیں نکل رہا تھا اور وہ جانا چاہتی تھیں۔ کبھی اندر جانے کی کوشش کرتیں اور حسن انہیں روکتا، انہیں قائل کرنے کی کوشش کرتا کہ وہ انہیں اندر نہیں جانے دیں گے اور ذلیل کریں گے۔ ہم گھر میں ہنگامی حالت میں تھے اور ہم نے عام سوگ کا اعلان کر دیا تھا، اور ہم انتظار کر رہے تھے کہ ماں اور حسن محمود کے ساتھ واپس آئیں گے اور انتظار طویل ہو تا گیا۔

غروب کے قریب ماں اور حسن اپنے قدموں کو گھسیٹتے ہوئے واپس آئے، ان کے چہروں پر غم چھایا ہوا تھا، اور ماں ایسی حالت میں تھیں کہ میں نے کبھی ایسی بدتر حالت نہیں دیکھی تھی۔ حالت سے ہی سوال کا جواب مل رہا تھا اور ہم میں سے کوئی بھی ایک لفظ بولنے کی جرأت نہیں کر سکا، بلکہ ہر کوئی اپنے بستر پر بغیر کسی آواز کے جا گرا۔ حسن ان کے پاس بیٹھا تھا اور انہیں تسلی دینے کی کوشش کر رہا تھا، کہہ رہا تھا: کل میں ایک وکیل کے پاس جاؤں گا تاکہ ہم اسے محمود کے بارے میں پوچھنے اور اس کے معاملے کو دیکھنے کے لیے مقرر کر سکیں۔ اور ہم ریڈ کراس کو اس کی گرفتاری کی اطلاع دیں گے، ماں نے جواب دیا: میں ہر قدم پر تمہارے ساتھ رہوں گی، تو اس نے اتفاق کیا۔

صبح سویرے دونوں دوبارہ روانہ ہو گئے تاکہ اس کام کو انجام دیں۔ ایک وکیل مقرر کیا اور ریڈ کراس کو اطلاع دی۔ انہیں اچھی طرح سمجھ آ گیا کہ ہمارے اور ان کے سامنے صرف انتظار ہے، کیونکہ کوئی معلومات ایک ماہ گزرنے سے پہلے واضح نہیں ہو سکتی، صرف انتظار اور صرف انتظار۔ ابتدائی ایام سیاہ، بھاری اور غمگین تھے، لیکن ایسا لگتا ہے کہ ہمیں ہر مصیبت کے ساتھ جینے کی طاقت مل گئی ہے چاہے وہ کتنی ہی بڑی ہو۔ بس اس کے پہلے گھنٹوں اور دنوں کو گزارنا ہوتا ہے پھر معاملہ پہلے کی طرح عام ہو جاتا ہے، جیسے ہر پچھلی مصیبت۔ اہم بات یہ ہے کہ ہمارے پچھلے تمام منصوبے منسوخ یا حسن ظن رکھتے ہوئے ملتوی ہو گئے تھے۔ حسن کو دکان پر کام جاری رکھنا تھا، اور مجھے اور محمد کو اپنے ماموں کی فیکٹری میں صفائی اور ترتیب کے لیے جانا تھا۔

کچھ دن گزرنے کے بعد ماں حسن کو وکیل اور ریڈ کراس کے پاس باقاعدگی سے ہفتے میں ایک یا دوبارہ لے جاتی تھی۔ ایک ماہ سے زیادہ کے بعد وکیل نے ہمیں بتایا کہ محمود کے خلاف الزامات کی فہرست تیار کی جائے گی اور اسے عدالت میں پیش کیا جائے گا۔ لیکن لگتا ہے کہ معاملہ سادہ ہے اور دو یا تین ہفتوں میں واضح ہو جائے گا۔ تقریباً دو ہفتے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ محمود کو عدالت میں پیش کیا گیا ہے، اور جج نے اس کی حراست میں دو مہینے کی توسیع کر دی ہے۔ دو ہفتے بعد ہمیں ریڈ کراس سے معلوم ہوا کہ محمود سے ملاقاتیں غزہ کے مرکزی جیل میں ہوں گی اور اگلے مہینے سے ہم اسے ہر مہینے کے پہلے جمعہ کو مل سکتے ہیں۔

حسن نے ثانوی تعلیم مکمل کر لی تھی اور خاندان کی معاشی حالت کے پیش نظر جو اس کے مصر یا کہیں اور پڑھنے کے لیے سفر کرنے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتی تھی، اس نے راضی ہو کر 'انروا'(UNRWA) کے صنعتی اسکول میں داخلہ لے لیا اور مکینیکل فٹنگ اور مشیننگ کے شعبے میں اس کا داخلہ ہو گیا۔ اسے سال کے آغاز میں تعلیم کا آغاز کرنا تھا جہاں دو سال کی تعلیم کے بعد اسے صنعتی ڈپلومہ ملنا تھا۔

(جاری ہے، ان شاءاللہ)

☆☆☆☆☆

شام کی نئی حکومت اور اس پر تنقید!

"جب ہم نئے شامی نظام کے ان مواقف پر تنقید کرتے ہیں جو ہمیں اسلامی شریعت اور ان اصولوں سے متصادم نظر آتے ہیں جن کے لیے مجاہدین نے جدوجہد کی، تو ہم ظاہری امور پر فیصلہ کرتے ہیں، ہم دلوں کے باطن کو جانچنے کے مکلف نہیں ہیں۔ پس شرعی آواز کو، جو حق اور باطل کو واضح کرتی ہے، بلند رہنا چاہیے، خاص طور پر جب ہم دین اور عقیدے کے حامل ہیں اور اسی کے لیے جہاد کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کے اس عمل پر اعتراض کیا جو ان کی شریعت کے خلاف تھا، حالانکہ انہوں نے پہلے صبر کرنے کا وعدہ کیا تھا، مگر وہ شریعت کے خلاف عمل پر صبر نہ کر سکے۔ حضرت خضر علیہ السلام، غالب قول کے مطابق، ایک مُلہم نبی تھے اور موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی پابندی کے مکلف نہ تھے۔ تو پھر اس شخص کا کیا حال ہو گا جو مسلمان مجاہد ہو اور اللہ کی شریعت کی پابندی کا مکلف ہو؟

چاہے معذرت خواہ کتنی ہی صفائیاں پیش کریں، شرعی حکم کو واضح رہنا چاہیے، ورنہ دین مٹ جائے گا اور شریعت ختم ہو جائے گی۔ اللہ ہی توفیق دینے والا اور ہدایت پر چلانے والا ہے۔"

شیخ حسن بن علی الکتانی

دنیا کے سب سے بڑے دفاعی بجٹ کے باوجود امریکہ اپنے دفاع سے مطمئن نہیں بلکہ خوفزدہ ہے

سات اکتوبر کے بابرکت حملوں نے عالمی طواغیت کی سیاست، پالیسیوں، اسٹریٹیجک مفادات کو کاری ضرب لگا کر ان کی بساط پلٹ دی، اور شاید اس کے اثرات و نتائج ایک عرصے تک سامنے آتے رہیں گے۔ ظفر سید انڈیپینڈنٹ اردو میں اپنے ایک کالم میں لکھتے ہیں کہ اسرائیل کے آئرن ڈوم نظام کو دنیا میں سب سے مؤثر قرار دیا جاتا تھا، لیکن حماس کے قیمتاً ارزاں میزائلوں اور راکٹوں کی بارش نے اسے گڑبڑا دیا۔ لہٰذا ممکن نہیں کہ کوئی میزائل دفاعی نظام کبھی ۱۰۰ فیصد تحفظ فراہم کر سکے۔ سپر پاور ہونے کا دعویدار امریکہ ۵۰۰ ارب ڈالر سے زیادہ لاگت والے مہنگے دفاعی نظام کی طرف گامزن ہے۔ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے ۲۰ مئی ۲۰۲۵ء کو 'طلائی گنبد' یا 'گولڈن ڈوم' نامی دفاعی نظام بنانے کے منصوبے کا اعلان کیا، جس کا مقصد امریکہ کو بیلسٹک، کروز، ہائپر سونک میزائلز اور خلا سے داغے جانے والے میزائلز سے محفوظ رکھنا ہے۔ یہ منصوبہ ٹرمپ کے تین سالہ دورِ حکومت کے اختتام سے پہلے مکمل فعال ہو جائے گا۔ یہ کام ۱۹۸۰ء کی دہائی میں صدر ریگن نے شروع کیا تھا۔ صدر کے مطابق اس نظام پر ۱۷۵ ارب ڈالر کی لاگت آئے گی، تاہم کانگریشنل بجٹ آفس کا کہنا ہے کہ اصل لاگت ۵۴۲ ارب ڈالر کے لگ بھگ ہو گی۔ چین تین سو ارب ڈالر کے لگ بھگ اور روس ایک سو ارب ڈالر کے دفاعی بجٹ کے لحاظ سے امریکہ سے بہت پیچھے ہیں۔ امریکہ میں پیٹریاٹ اور نیشنل ایڈوانسڈ سرفیس ٹو ایئر میزائل سسٹم جیسے میزائل سے بچاؤ کے نظام پہلے ہی سے موجود ہیں، لیکن امریکی عسکری ماہرین کے مطابق اس مہنگے نظام کی ضرورت یوں پیش آئی کہ چین، روس، شمالی کوریا اور انڈیا سمیت کئی ممالک نے گزشتہ چند سالوں میں ایسے میزائل تیار کیے ہیں، جو امریکہ کے موجودہ میزائل دفاعی نظاموں پر غلبہ پانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان ہتھیاروں میں جدید بیلسٹک اور کروز میزائلوں کے علاوہ نئے لانگ رینج ہائپر سونک میزائل شامل ہیں، جنہیں امریکہ اپنے لیے خطرہ سمجھتا ہے۔ صدر ٹرمپ نے عندیہ دیا ہے کہ یہ نظام ۲۰۲۹ء تک فعال ہو جائے گا۔ ماہرین کے مطابق یہ دورانیہ بہت کم ہے اور اس وقت تک اتنے بڑے نظام کو فعال کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن دوسری طرف کئی ملکوں کے پاس ابھی سے ہائپر سونک میزائل موجود ہیں، اس لیے امریکہ سمجھتا ہے کہ اسے ہنگامی بنیادوں پر کام کرنے کی ضرورت ہے، اس لیے ہو سکتا ہے کہ امریکہ زیادہ وسائل جھونک کر اس کو جلد از جلد مکمل کرنے کی کوشش کرے۔ چین نے اس نظام پر سخت تحفظات کا اظہار کرتے ہوئے ۲۱ مئی کو کہا کہ امریکہ کا یہ منصوبہ جارحانہ عزائم لیے ہوئے ہے اور اس سے خلا کو فوجی مقاصد کے لیے استعمال کرنے کی دوڑ میں اضافہ ہو جائے گا۔ چینی وزارت خارجہ کی ترجمان ماؤ ننگ نے کہا کہ چین امریکہ پر زور دیتا ہے کہ وہ جلد از جلد اس نظام پر کام روک دے۔

مراکش اور اسرائیل مشترکہ فوجی مشقیں

اسرائیلی افواج اس سال "افریقی شیر ۲۵" نامی جنگوں مشقوں میں حصہ لے رہی تھی، جو براعظم افریقہ میں امریکہ کی زیر قیادت سب سے بڑی مشترکہ فوجی مشق تھی، جو مراکش اور پڑوسی ممالک میں جاری رہی۔ ۱۴ اپریل کو شروع ہونے والی اور ۲۳ مئی تک جاری رہنے والی اس مشق میں اسرائیل سمیت ۵۰ سے زیادہ ممالک کے دس ہزار فوجی شامل رہے۔ افریقی شیر نامی اس مشق میں گھانا، سینیگال اور تیونس میں مشقیں شامل تھیں، جبکہ اسرائیلی فوج صرف مراکش کے اندر ہونے والی کارروائیوں میں حصہ لے رہے تھے۔ مقامی مظاہروں اور مراکش میں سول سوسائٹی کے گروپوں کے بیانات نے اسرائیلی فورسز کی موجودگی کی مذمت کی، خاص طور پر یہ رپورٹس کہ گولانی بریگیڈ کے خصوصی آپریشن یونٹ کے فوجی جن پر مارچ میں غزہ میں ۱۵ فلسطینی طبی کارکنوں کو قتل کرنے کا الزام ہے، مشق کے لیے آنے والوں میں شامل تھے۔ بائیں بازو کی جماعتوں، یونینوں اور سول سوسائٹی کے گروپوں کے اتحاد مراکش فرنٹ فار سپورٹنگ فلسطین اینڈ اگینسٹ نارملائزیشن نے اسرائیلی فوجیوں کی شرکت کو ایک اشتعال انگیزی قرار دیا اور انہیں مشقوں سے فوری طور پر ہٹانے کا مطالبہ کیا۔ اقوام متحدہ کی خصوصی نمائندہ فرانسسکا البانی نے بھی مراکش میں گولانی کے فوجیوں کی موجودگی کی غیر مصدقہ رپورٹس اور تصویروں پر تشویش کا اظہار کیا اور خبردار کیا کہ اگر جنگی جرائم کے الزامات کی تحقیقات نہ کی گئیں تو یہ بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی ہو سکتی ہے۔ سوشل میڈیا پر گردش کرنے والی تصاویر میں دکھایا گیا ہے کہ فوجی اگادیر شہر کے قریب مشترکہ تربیت کے دوران گولانی بریگیڈ کے نشانات پہنے ہوئے ہیں۔ افریقی شیر ۲۵، جس کی قیادت یو ایس افریقن کمانڈ کرتی ہے اور جس کی میزبانی بنیادی طور پر مراکش کرتا ہے اسرائیل کی شرکت پر سرکاری خاموشی کے باوجود، گزشتہ ہفتے مشق کے دوران دو 'اسرائیلی' چھاتہ برداروں پر مشتمل ایک ٹریفک حادثے نے مختصر طور پر ان کی موجودگی کو مقامی خبروں میں پہنچا دیا۔ دونوں فوجیوں کو معمولی زخموں کی وجہ سے ہسپتال میں زیر علاج رکھا گیا۔ اسرائیل نے ۲۰۲۰ء کے اواخر میں امریکہ کی ثالثی میں نارملائزیشن معاہدے کے تحت مراکش کے ساتھ

فوجی تعلقات کی بحالی کے بعد ۲۰۲۲ء سے افریقی شیر مشقوں میں حصہ لیا ہے۔ اس سال یہ اسرائیل کی مسلسل تیسری شرکت تھی۔

امریکی فوج کے سابق افغان مترجم کی امریکہ میں موت

۳۶ سالہ جمال ولی کو فیئر فیکس، ورجینیا، پولیس افسران نے ۲۳ اپریل کو تیز رفتاری پر پکڑ لیا، افغان ڈرائیور نے فوری طور پر اعلان کیا کہ اس کے پاس ہتھیار ہے اور اس نے پولیس اہلکار کو اپنی گاڑی میں واپس جانے کے لیے کہا۔ فیئر فیکس پولیس ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے جاری کردہ ویڈیو میں دکھایا گیا ہے کہ ۳۶ سالہ نوجوان نے جارحانہ انداز میں افسر پر چیخ کر کہا کہ اس کے پاس گاڑی کی کوئی رجسٹریشن نہیں ہے، اس نے اپنے نام سے شناخت کرنے سے انکار کر دیا، اور اپنے ہتھیار تک پہنچنے کی کوشش کی۔ ولی نے چیخ کر کہا: ''مجھے طالبان کے ساتھ کام کرنا چاہیے تھا، وہ تم سے بہتر ہیں''۔ ولی نے امریکہ پر غصے کا اظہار کیا، جس کے بارے میں اس نے کہا کہ ''اسے یہاں لایا گیا''، یہ دعویٰ کرتے ہوئے کہ اس نے اسپیشل فورسز میں خدمات انجام دیں اور مزید یہ کہ اس کا بھائی اس کی خدمت کے نتیجے میں مارا گیا۔ جب آفیسرز نے اس تک بڑھنے کی کوشش کی تو ولی نے ایک ہینڈ گن نکالی اور دو اہلکاروں پر گولیاں برسائیں۔ جوابی فائرنگ میں ولی کو چار گولیاں لگیں۔ چند ماہ قبل جنوری میں امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کے ایک ایگزیکٹیو آرڈر نے ان افغانوں کے لیے امریکہ میں پناہ لینے کا راستہ روک دیا جنہوں نے افغانستان میں امریکی فوج کی موجودگی کے دوران ان کی حمایت کی تھی اور ان کے ساتھ مل کر کام کیا تھا۔ امریکی اخبار نیو یارک ٹائمز نے اس حوالے سے اپنی ایک رپورٹ میں بتایا کہ ہزاروں افغان شہری جنہوں نے افغان جنگ (۲۰۰۱-۲۰۲۱) کے دوران امریکی فوج کے ساتھ مل کر کام کیا اور ان کی حمایت کی اور امریکہ کے افغانستان سے جانے کے بعد انہیں محفوظ طریقے سے امریکہ میں پناہ دینے اور آباد کرنے کی منظوری دی گئی تھی مگر صدر ٹرمپ نے ایک ایگزیکٹیو آرڈر کے ذریعے ان افغانوں کے لیے امریکہ آنے کا راستہ بند کر دیا ہے۔ ایسے ہی افغان شہریوں کی بہت سی ویڈیوز سوشل میڈیا پر بھی دیکھنے کو ملتی ہیں جو امریکہ سے شکوے شکایتیں کرتے نظر آتے ہیں کہ انہوں نے امریکہ کے لیے اپنی جانیں خطرے میں ڈال کر امریکہ کے لیے کام کیا۔ افغانستان میں طالبان حکومت کے قیام کے بعد جو لوگ امریکہ پہنچنے میں کامیاب ہوئے انہیں امریکہ میں نامناسب حالات اور نسلی تعصب کا سامنا ہے۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ ایسے بہت سے افغان شہریوں کو درحقیقت افغانستان میں کوئی خطرہ نہیں ہے کیونکہ افغان حکومت کی جانب سے سابق فوجیوں اور اہلکاروں کے لیے عام معافی کا اعلان کیا گیا ہے لیکن یہ افراد چونکہ امریکہ کے لائف سٹائل اور چمک دمک سے متاثر ہیں اور ایک اسلامی معاشرے کے بجائے ایسے مغربی معاشرے کو پسند کرتے ہیں جہاں نفسانی خواہشات پر روک ٹوک نہ ہو، اس لیے ایسے افراد اس مغربی طرزِ زندگی تک پہنچنے کے لیے یہ جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کی زندگیوں کو افغانستان میں خطرات لاحق ہیں۔

امریکی ریپبلکن کانگریس مین کا فلسطینیوں پر ایٹمی حملے کا مطالبہ

امریکی ریپبلکن کانگریس مین رینڈی فائن نے فلسطینیوں اور مسلمانوں کے لیے یکساں رویہ اپنانے کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ جس طرح ہم نے غیر مشروط ہتھیار ڈالنے کے لیے جاپانیوں پر دو بار نیوکلیئر حملے کیے، یہاں بھی ایسا ہی ہونا ضروری ہے۔ یہ یہودی النسل سیاستدان سیاست میں آنے سے قبل ایک بہت بڑی جوئے کی کمپنی کا مالک تھا۔ اس نے اپنی سیاست کا آغاز ہی مسلمان تارکین وطن کے خلاف سخت قوانین بنوانے سے کیا۔ ۲۰۲۱ء میں اس نے اپنے سوشل میڈیا اکاونٹ سے ان اسرائیلی فوجیوں کی جشن مناتے ہوئے ویڈیوز پوسٹ کیں جو فلسطینیوں پر بمباری کرتے ہوئے خوشیاں منا رہے تھے۔ ساتھ ہی غزہ میں بچوں کی اموات کے متعلق یہاں تک کہا کہ میں اس کے متعلق برا اس لیے محسوس نہیں کرتا کیونکہ مارے جانے والوں کو انسانی ڈھال بنایا جاتا ہے۔ اکتوبر ۲۰۲۳ء میں اس ان آرٹلری شیلز پر دستخط کیے جو غزہ میں استعمال ہونے تھے۔

اردن نے غزہ کے لیے فی امدادی ایئر ڈراپ ۴۰ ہزار ڈالر تک کا نفع کمایا

رپورٹ کے مطابق اردنی حکام نے محصور فلسطینیوں پر اسرائیل کی جاری جنگ کے دوران غزہ میں بین الاقوامی امداد کی ترسیل کی نگرانی سے کافی فائدہ اٹھایا ہے۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ غزہ میں انسانی ہمدردی کی بنیاد پر امداد کی نگرانی کرنے والی ایک سرکاری تنظیم اردن ہاشمائٹ چیریٹی آرگنائزیشن (جے ایچ سی او) نے اسرائیلی حکام کے ساتھ رابطہ کیا ہے تاکہ اردن سے گزرنے والی امداد کے واحد راستے کے طور پر کام کیا جاسکے۔

بین الاقوامی امدادی تنظیموں کے ذرائع اور JHCO کی کارروائیوں کی براہ راست معلومات رکھنے والے لوگوں سے جب بات کی گئی تو ایک ذریعہ نے کہا کہ JHCO سے منسوب زیادہ تر امداد درحقیقت غیر ملکی حکومتوں اور NGOs سے حاصل ہوتی ہے، جن میں اردنی بھی شامل ہیں اور غیر اردنی بھی، جبکہ اردنی ریاست کی طرف سے براہ راست تعاون نہ ہونے کے برابر ہے۔ دو غیر سرکاری تنظیموں کے ذرائع اور اس اسکیم سے واقف دو دیگر افراد کے مطابق، اردنی حکام نے غزہ میں داخل ہونے والے ہر امدادی ٹرک کے لیے دس ہزار دو سو ڈالر کا مطالبہ کیا ہے۔ امدادی تنظیموں کو جے ایچ سی او کی طرف سے بتایا گیا کہ فیس براہ راست اردن کی مسلح افواج کو ادا کی جاتی ہے۔ ذرائع نے بتایا کہ اس کے علاوہ اردن نے غزہ پر فی ایئر ڈراپ ۲ لاکھ سے ۴ لاکھ ڈالر کے درمیان چارج کیا ہے۔ بے ترتیب ڈراپ کے لیے تقریباً ۲ لاکھ اور ٹارگٹڈ مشنز کے لیے ۴ لاکھ وصول کیے گئے، باوجودیکہ ہر ہوائی جہاز آدھے سے بھی کم ٹرک لوڈ کے برابر امداد لے جاتا ہے۔ ذرائع نے بتایا کہ اردن نے امدادی کارروائیوں سے بڑھتے ہوئے محصولات کے جواب میں اپنے لاجسٹک انفراسٹرکچر کو وسعت دی ہے۔ ذرائع کے مطابق، مملکت نے حال ہی میں

غیر ملکی گرانٹ کے ذریعے ۲۰۰ نئے امدادی ٹرک حاصل کیے ہیں اور نئے بین الاقوامی انتظامات کے تحت ترسیل میں اضافے کی توقع میں اقوام متحدہ کے تعاون سے بڑے اسٹوریج ڈپو بنا رہی ہے۔ اردن کی ایک بڑی آبادی فلسطینی پناہ گزینوں کی ہے جو ۱۹۴۸ء میں بڑے پیمانے پر بے دخلی کے بعد تاریخی فلسطین سے فرار ہونے پر مجبور ہوئے، جسے نکبہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ جنگ کے ابتدائی مہینوں میں، غزہ اور فلسطینی دھڑوں، خاص طور پر حماس کی حمایت میں اردن بھر میں بڑے پیمانے پر مظاہرے ہوئے۔ اردنی فوج کے مطابق اردن نے تقریباً ۴۰۰ ایئر ڈراپ آپریشن کیے ہیں، جن میں سے کچھ دوسرے ممالک کے ساتھ تعاون میں ہیں۔ شاہ عبداللہ دوم نے خود کم از کم ایک مشن میں حصہ لیا، یہ سب اسرائیلی فوج کے ساتھ پہلے سے طے شدہ تھے۔ ایئر ڈراپس کو غزہ کے رہائشیوں اور انسانی ہمدردی کے کارکنوں سمیت وسیع پیمانے پر تنقید کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ ان کا استدلال ہے کہ ایئر ڈراپس، جس میں بعض صورتوں میں فلسطینیوں کی اموات بھی ہوئی ہیں، غیر محفوظ، ناکافی اور غیر ضروری ہیں، خاص طور پر جب زمینی گزر گاہیں امداد کی ترسیل کے لیے زیادہ قابل عمل راستہ ہے۔

ایران امریکہ جوہری معاہدہ

ایران اور امریکہ کے مابین جوہری مذاکرات کا پانچواں دور روم میں منعقد ہوا۔ ان مذاکرات میں کسی بڑی پیش رفت کی اطلاع نہیں ملی یہ مذاکرات خلیجی عرب ریاست عمان کی ثالثی میں جاری ہیں۔ مذاکرات میں بنیادی رکاوٹ ایران کی یورینیم کی افزودگی کی پالیسی ہے۔ امریکہ اور مغربی ممالک کا خیال ہے کہ ایران جوہری ہتھیار حاصل کرنا چاہتا ہے، جبکہ ایران اس الزام کی تردید کرتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا جوہری پروگرام مکمل طور پر پرامن اور شہری مقاصد کے لیے ہے۔

مشرق وسطیٰ کے لیے امریکی ایلچی اسٹیو وٹکوف، جو مذاکرات میں امریکی وفد کی قیادت کر رہا ہے، نے واضح کیا ہے کہ واشنگٹن ایران کو افزودگی کی ”ایک فیصد گنجائش“ بھی نہیں دے سکتا۔ اس کے برعکس ایران کے وزیر خارجہ و اعلیٰ مذاکرات کار عباس عراقچی نے سوشل میڈیا پر لکھا، ”صفر جوہری ہتھیار = معاہدہ ممکن، صفر افزودگی = معاہدہ ناممکن۔“ ڈی ڈبلیو کی رپورٹ کے مطابق ایران اس وقت دنیا کی واحد غیر جوہری ریاست ہے جو ۶۰ فیصد تک یورینیم افزودہ کر رہی ہے، جو کہ ۲۰۱۵ء کے معاہدے میں طے کردہ ۶۷ء۳ فیصد کی حد سے کہیں زیادہ ہے۔ واضح رہے کہ جوہری ہتھیاروں کی تیاری کے لیے افزودگی کی شرح ۹۰ فیصد درکار ہے۔ ۲۰۱۵ء کا جوہری معاہدہ اس وقت ناکام ہوا تھا، جب امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے ۲۰۱۸ء میں امریکہ کو اس سے یک طرفہ طور پر نکال لیا تھا۔

فرانس میں حجاب پر پابندی کا قانون

فرانسیسی صدر ایمانوئل میکرون کی سیاسی جماعت رینا سنس نے ایک نیا قانون تجویز کیا ہے جس کے تحت ۱۵ سال سے کم عمر لڑکیوں کے حجاب پہننے پر پابندی ہو گی۔ اگر یہ قانون منظور ہوتا ہے، تو یہ قانون ۱۵ سال سے کم عمر لڑکیوں کو سڑکوں، پارکوں، کیفے اور دکانوں جیسے عوامی مقامات پر حجاب پہننے سے منع کر دے گا۔ اس سے قبل فرانسیسی سینیٹ نے کھیلوں کے مقابلوں میں حجاب اور دیگر مذہبی علامات پر پابندی لگانے والے متنازع بل کو منظور کیا تھا، جس پر انسانی حقوق کے کارکنوں اور بائیں بازو کے سیاستدانوں نے شدید ردعمل دیا۔ اس بل کے حامی سیاستدانوں کا کہنا ہے کہ یہ قانون فرانس کے سیکولرازم کے اصولوں کے مطابق ہے اور کھیلوں میں مذہبی علامات کو قبول نہ کرنا ضروری ہے۔ دوسری جانب، بائیں بازو کے سیاستدانوں، انسانی حقوق کی تنظیموں اور مسلم کمیونٹی نے اس اقدام کو امتیازی اور اسلاموفوبیا پر مبنی قرار دیا ہے۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل نے خبردار کیا ہے کہ یہ قانون مسلم خواتین کے خلاف مذہبی، نسلی اور صنفی امتیاز کو مزید بڑھا دے گا۔ فرانس کے وزیر داخلہ نے اس بل کی حمایت کرتے ہوئے کہا کہ یہ ملک میں علیحدگی پسندی کے خلاف ایک اہم قدم ہے

ازبکستان میں اسلام مخالف حکومتی مہم

ازبک شہر بخارا میں، اسٹیٹ سیکورٹی سروس (DXX) اور داخلی امور کے افسران حجاب اسٹورز کے مالکان سے حجاب اور سر کے اسکارف کو ہٹانے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ حجاب میں خواتین کو نمایاں کرنے والے اشتہارات پر بھی پابندی لگاتے ہوئے جواز پیش کیا کہ اس طرح کے ڈسپلے مبینہ طور پر حجاب پہننے کو فروغ دے رہے ہیں، جو ان کے بقول قانون کے مطابق نہیں ہے۔ اس پابندی کے خلاف مزاحمت کرنے والوں کو سنگین نتائج کی دھمکیاں بھی دی گئیں۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں کے اہلکاروں کی جانب سے شہر کی ایک مسجد پر چھاپہ مارا گیا، جس کے دوران پانچ افراد کو تھانے لے جا کر زبردستی داڑھی منڈوائی گئی۔ اگر آج حجاب کے اشتہارات کو روکا جا رہا ہے تو یہ تصور کرنا مشکل نہیں ہے کہ کل خود مسلم خواتین پر بھی انہی اقدامات کا اطلاق ہو گا۔ خواتین کے اسلامی لباس اور مردوں کی داڑھیاں طویل عرصے سے وسطی ایشیا میں حکومتی مہموں کے نشانے پر رہی ہیں، جہاں سیکولر حکومتیں اسلام کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ سے خوفزدہ ہیں۔ ایک اور خبر کے مطابق ایک استاد کو عربی پڑھانے پر حراست میں لے لیا گیا! شیر زود جورایف، جو ۲۰۲۱ء سے بخارا میں عربی پڑھا رہے ہیں، کو پیشکو ضلعی عدالت نے ضابطہ اخلاق (غیر مجاز مذہبی تعلیم) کے آرٹیکل ۲۴۱-۹۴ اور ۳۴ کے تحت مجرم قرار دیا اور ۷ دن کی انتظامی حراست کی سزا سنائی۔ اس کے علاوہ، اس پر ۱۸ لاکھ ۵۷ ہزار ازبک سوم (۱۰۷£) جرمانہ عائد کیا گیا۔ شیر زود جورایف جمہوریہ ازبکستان کے قوانین کی طرف سے اجازت یافتہ دستاویزات کی بنیاد پر طلباء کو عربی پڑھا رہے تھے اور اس نے کسی قسم کا ”قرآن کورس“ نہیں شروع کیا تھا۔ شیر زود جوریف نے ۲۰۲۱ء اور ۲۰۲۳ء کے درمیان بخارا کے علاقے کی ایک مسجد میں نائب امام کے طور پر کام کیا۔ اس سے قبل

۲۰۲۳ء میں، سوشل میڈیا پر ایک ویڈیو گردش کر رہی تھی جس میں انہیں اپنی بھانجی کے حقوق کے دفاع کے لیے بخارا میڈیکل انسٹی ٹیوٹ کا دورہ کرتے ہوئے دکھایا گیا تھا، جسے مبینہ طور پر حجاب کی وجہ سے بدسلوکی اور ہراساں کیے جانے کا سامنا تھا۔ اس واقعے کے بعد، انہوں نے بتایا کہ انہیں مسجد میں ان کے عہدے سے برطرف کر دیا گیا۔

داغستانی پولیس نے نقاب پہننے پر خاتون کو حراست میں لے لیا

داغستان میں ایک کافی شاپ میں کام کرنے والی ایک مسلم خاتون کو پولیس نے نقاب پہننے پر حراست میں لے لیا۔ خاتون کو اس کے کام کی جگہ سے لے جا کر اس کی شناخت پریڈ کے لیے مقامی پولیس اسٹیشن لے جایا گیا۔ حالیہ مہینوں میں، داغستان میں پولیس سڑکوں کا معائنہ کر رہی ہے اور نقاب پہنے خواتین کو حراست میں لے رہی ہے۔ یہ داغستان کے مفتی اعظم احمد عبد اللایف کے ۲۰۲۴ء کے فتوے کا براہ راست نتیجہ ہے، جس نے نقاب پہننے پر پابندی لگا دی تھی۔

بھارت کی بلڈوزر ڈرائیو: مسلمانوں کے ۷۰۰۰ گھر مسمار کر دیے گئے

احمد آباد میونسپل کارپوریشن (AMC) کی جانب سے منگل کو احمد آباد کے چندولا تالاب میں ۷ ہزار املاک کو تباہ کرنے کے لیے ایک بڑے پیمانے پر مسمار کرنے کی مہم شروع کرنے کے بعد ہزاروں مسلم خاندان بے گھر ہو گئے ہیں۔ حکام کا الزام ہے کہ اس علاقے پر غیر دستاویزی 'بنگلہ دیشی تارکین وطن' کا قبضہ ہے۔ کشمیر میں پہلگام حملے کے بعد سے ۶ ہزار سے زیادہ مسلمانوں کو شہریت کی جانچ کے لیے حراست میں لیا گیا ہے۔ تمام رہائشی ہندوستانی شہری ہیں جو کئی دہائیوں سے وہاں رہ رہے ہیں اور ان کے پاس ووٹر شناختی کارڈ اور آدھار کارڈ ہیں۔

نئی دہلی میں قائم ایسوسی ایشن فار پروٹیکشن آف سول رائٹس نے پورے ہندوستان میں ۱۸۴ مسلم مخالف نفرت انگیز واقعات کو ریکارڈ کیا۔ نصف کے قریب مقدمات میں مبینہ طور پر نفرت انگیز تقریر شامل تھی، جب کہ دیگر میں ڈرانے، ہراساں کرنے، حملے، توڑ پھوڑ، دھمکیاں، زبانی بدسلوکی اور تین قتل کے واقعات بھی شامل ہیں۔ یہ صرف جوابی تشدد سے بہت آگے کی اور زیادہ خطرناک تبدیلی ہے۔ انتہائی قوم پرست ہندتوا سوشل میڈیا اکاؤنٹس نے مسلمانوں کے خلاف نفرت کو ہوا دینے، ہندوستانی مسلمانوں کو "گھس بیٹھیے" (درانداز) اور "دیش دروہی" (غدار) قرار دینے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہ سوچ صرف کم پڑھے لکھے ہندو انتہا پسند افراد میں ہی نہیں بلکہ مختلف شعبوں میں اعلیٰ عہدوں تک موجود افراد میں پروان چڑھائی گئی ہے جس کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ مسلمانوں کو ہر شعبے میں نفرت و تعصب کا سامنا ہے۔ مسلمانوں کے خلاف انتہا کو پہنچی یہ نفرت کبھی سکیورٹی فورسز کے بلا وجہ کے کریک ڈاؤن اور گرفتاریوں کی صورت میں سامنے آ رہی ہے تو کبھی ان کے گھروں کی مسماری کی صورت میں۔

دریائے سندھ کو روکنے کیلئے بھارت کے ماسٹر پلان کا آغاز

بھارت نے دریائے سندھ کے بہاؤ کو روکنے کے اپنے ماسٹر پلان کے تحت، لداخ کے متنازع علاقے میں ۱۰ نئے میگا ہائیڈرو پاور پروجیکٹس کے منصوبے کا اعلان کیا ہے جن میں اچنتھنگ-سانجک، پارفیلا، سونٹ (باتالک)، اور خلستی شامل ہیں۔ یہ منصوبے نہ صرف معاہدے کے تحت اجازت دی گئی ذخیرہ کرنے کی گنجائش کی خلاف ورزی کرتے ہیں بلکہ پاکستان میں پانی کے بہاؤ کو روکنے اور کم کرنے کے حوالے سے سنگین خدشات بھی پیدا کرتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ ان منصوبوں کا مقصد سیاچن گلیشیئر کے برفانی علاقے میں تعینات فوجیوں کے لیے حرارت اور توانائی کی سہولیات فراہم کرنا ہے۔

پاکستان کے نئے سائبر قوانین

انسانی حقوق کی تنظیموں کا کہنا ہے کہ پاکستان کے نئے سائبر کرائم قانون کو تنقیدی آوازوں کو خاص طور پر صحافیوں کو خاموش کرنے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ پیکا ایکٹ کی قانون سازی کے چند ماہ بعد صحافیوں فرحان ملک اور وحید مراد کو حراست میں لے لیا گیا۔ سعودی عرب کے روزنامہ اردو نیوز کے رپورٹر وحید مراد کو مبینہ طور پر "آن لائن غلط معلومات" پھیلانے کے الزام میں راتوں رات ان کی رہائش گاہ پر چھاپا مار کر گرفتار کر لیا گیا تھا۔ وحید مراد نے ڈی ڈبلیو کو بیان دیتے ہوئے کہا کہ "اس طرح قانون کا غلط استعمال کرتے ہوئے صحافیوں کے خلاف مقدمہ درج کرنے سے پہلے ہی انہیں اٹھا لیا جاتا ہے۔ میرے کیس میں بھی یہی طریقہ کار اپنایا گیا"۔ پاکستان کے ایک انٹرنیٹ میڈیا چینل "رفتار" کے بانی فرحان ملک کو بھی اسی طرح "غلط معلومات پھیلانے اور تشدد کو ہوا دینے کے لیے ریاست مخالف اشاعتوں اور ویڈیوز بنانے اور پھیلانے" کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا۔ ان پر جن دو مقدمات میں فرد جرم عائد کی گئی تھی ان میں سے ہر ایک کے لیے ایک لاکھ روپے کی ضمانت پر رہا کر دیا گیا۔ ان دونوں صحافیوں نے پاکستان کی طاقتور فوج کے مبینہ کردار کے بارے میں رپورٹنگ کی تھی۔ پاکستانی فوج ملک کی ۷۷ سالہ تاریخ میں ایک طویل عرصے تک براہ راست حکمران رہی ہے۔ یہ ایک ایسا ادارہ ہے کہ بہت سے مرکزی دھارے کے ذرائع ابلاغ احتیاط سے کام لیتے ہوئے اس پر تنقید کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ ایمان مزاری، ایک وکیل اور ایکٹیوسٹ ہیں انکے مطابق "ریاست مین اسٹریم میڈیا پر اپنے مکمل کنٹرول سے مطمئن نہیں ہے اور اس لیے سوشل میڈیا کو دبانے کی اس کی بے چینی اور کوتاہ بینی ظاہر ہو رہی ہے"۔ سائبر کرائم کے قانونی ماہر اسامہ ملک نے پی ای سی اے کے قوانین کو "ڈریکونین" یا "سفاکانہ" قرار دیا ہے۔ سحر ش قریشی، اسلام آباد میں نیشنل پریس کلب کی جوائنٹ سیکرٹری، جو ایک صحافی ہونے کے ساتھ ساتھ پریس کی آزادی کی وکالت بھی کرتی ہیں، PECA کے بارے میں کہتی ہیں، "یقیناً، یہ قانون ریاستی بیانیے پر تنقید کو کنٹرول کرنے کے لیے بنایا گیا ہے۔ آپ حکومتی اقدامات پر سوال بھی نہیں اٹھا سکتے، آپ کو خاموش کر دیا جائے گا اور اگر آپ بولیں گے تو پولیس آپ کو

اٹھالے گی۔" ماہر قانون ملک کا ماننا ہے کہ نام نہاد "ڈیپ اسٹیٹ" جس سے مراد ملک کی طاقتور فوج ہے، جزوی طور پر پی ای سی اے قوانین کے ذریعے بیانیے کو کنٹرول کر رہی ہے۔ ڈیپ اسٹیٹ کے لیے ایسے صحافیوں کو کنٹرول کرنا مشکل ہو رہا ہے جو یوٹیوب کو اپنے خیالات کو پھیلانے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ انہوں نے اس بات کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا کہ یہ خاص طور پر پاکستان سے باہر کام کرنے والے یوٹیوب تخلیق کاروں کا معاملہ ہے۔ انہوں نے مزید کہا ، "ریاست ان کے خاندان کے افراد کو ہراساں کرنے کی کوشش کرتی ہے جو پاکستان میں رہتے ہیں۔" واضح رہے کہ پاکستان میں صحافیوں کے اغوا، تشدد اور قتل کروانے کے کیسز کی لمبی فہرست ہے۔ سلیم شہزاد، حیات اللہ خان، ارشد شریف تو وہ کیسز ہیں جو عالمی سطح پر مشہور ہوئے۔ ان تمام قتل کے کیسز میں پاکستانی خفیہ ادارے ملوث رہے۔

سعودی NEOM میگا سٹی موسمیاتی تبدیلی کا سبب بن سکتا ہے

ماحولیاتی طبیعیات اور کیمسٹری کے پروفیسر اور 'نیوم' منصوبے کے ایک مشیر ڈونلڈ ووئبلز نے فنانشل ٹائمز کو بتایا کہ سعودی عرب کے نئے مستقبل کے شہر کے منصوبے موسم کے نمونوں اور ہوا اور ریت کے طوفانوں کے راستے کو تبدیل کر سکتے ہیں۔ ماہرین نے کہا ہے کہ اثرات میں بارش کے پیٹرن میں تبدیلی، ہوا اور صحرائی علاقے میں طوفان شامل ہو سکتے ہیں، جن کا 'مناسب مطالعہ نہیں کیا گیا'۔ ڈونلڈ ووئبلز نے فنانشل ٹائمز کو بتایا کہ انہوں نے NEOM کی پیشرفت کے ماحولیاتی اثرات کے بارے میں تشویش کا اظہار کیا ہے، خاص طور پر The Line، جو ۱۷۰ کلو میٹر طویل، ۵۰۰ میٹر اونچی دو لینئر سٹی کمپلیکس ہیں۔ ووئبلز نے کہا کہ نیوم کے ڈھانچے کا پیمانہ اور شکل، بلند درجہ حرارت کے ساتھ مل کر، ہوا کے دھارے اور بادل کی تشکیل میں خلل ڈال سکتی ہے۔ انہوں نے خبردار کیا کہ یہ تبدیلیاں بارش کے نمونوں کو متاثر کر سکتی ہیں اور صحرائی ہواؤں اور طوفانوں کو بڑھا سکتی ہیں۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ شہری ڈیزائن اور گرمی ماحولیاتی نظام کو متاثر کر سکتی ہے۔

نیوم کی پائیداری کی مشاورتی کمیٹی کے ایک دوسرے رکن نے بھی اسی طرح کے خدشات کی تصدیق کی ہے اور کہا ہے کہ پورے آپریشن میں چھ سے ۱۲ ماہ کی تاخیر ہوئی تھی۔ ماہر نے مزید کہا کہ ایڈوائزری کمیٹی کا مستقبل اب NEOM کے ترقیاتی منصوبوں کے وسیع تر تجزیے کے حصے کے طور پر زیر جائزہ ہے۔

سعودی عرب کے متنازع ویژن ۲۰۳۰ء کا حصہ، NEOM ایک ۵ سو بلین ڈالر کا میگا پروجیکٹ ہے جو مملکت کے شمال مغربی تبوک صوبے میں واقع ہے، جس کا مقصد ایک تکنیکی طور پر ترقی یافتہ، ماحولیاتی طور پر پائیدار شہری مرکز بنانا ہے جو مکمل طور پر قابل تجدید توانائی سے چلتا ہے۔ دی لائن کے علاوہ، اس ترقی میں آکساگون نامی مستقبل کا تیرتا ہوا شہر، سکی گاؤں کے ساتھ ایک پہاڑی ریزورٹ، لگژری ہوٹل، ثقافتی اور تفریحی مرکز، ایک نیچر ریزرو، کھیلوں اور بیرونی سرگرمیوں کا زون، اور ایک پہاڑ میں تعمیر کردہ "زیر زمین ڈیجیٹائزڈ کمیونٹی" شامل ہے۔ سعودی حکام پر یہ الزام بھی لگایا گیا ہے کہ انہوں نے NEOM کے لیے زمین خالی کروانے کے لیے اس علاقے کے مقامی باشندے حویتات قبیلے کے ارکان کو زبردستی بے گھر کیا۔ مبینہ طور پر درجنوں افراد کو اپنا گھر چھوڑنے سے انکار کرنے پر حراست میں بھی لیا گیا تھا۔ ایک اور رپورٹ کے مطابق اس میگا پراجیکٹ کا ایک "جامع جائزہ" شروع کیا گیا ہے۔ اس جائزے سے واقف ایک شخص نے فنانشل ٹائمز کو بتایا کہ نیوم کے ارد گرد کئی منصوبوں کے دائرہ کار کا جائزہ "محدود وسائل" کی وجہ سے کیا جا رہا ہے۔ نیوم ولی عہد شہزادہ محمد بن سلمان کے وژن ۲۰۳۰ء کا علم بردار منصوبہ ہے جس کا مقصد مملکت کی معیشت کو تبدیل کرنا اور تیل کی آمدنی پر انحصار کم کرنا ہے۔

نومبر ۲۰۲۰ء میں ایک اسرائیلی نیوز ویب سائٹ کی جانب سے دعوی کیا گیا تھا کہ سعودی ولی عہد محمد بن سلمان نے نیوم

میں اسرائیلی وزیر اعظم بنجمن نیتن یاہو اور امریکی وزیر خارجہ مائیک پومپیو کی میزبانی کی۔ بعد ازاں سعودی عرب نے اس بات کی تردید کی کہ ملاقات ہوئی تھی۔ وزیر خارجہ فیصل بن فرحان نے صاف صاف کہا: "ایسی کوئی ملاقات نہیں ہوئی"۔ ہوائی ٹریفک پر نظر رکھنے والوں نے دیکھا کہ نیتن یاہو کے زیر استعمال ایک طیارے اسرائیل سے NEOM کے قریب کے علاقے کے لیے اڑان بھری، زمین پر کئی گھنٹے گزارے، اور واپس لوٹا۔ یہ بظاہر اسرائیل میں لیک ہونے والی خبر کی تصدیق تھی۔ رپورٹس نے دونوں ممالک کے درمیان تعلقات کے باضابطہ آغاز کے بارے میں قیاس آرائیوں کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ بظاہر لگتا ہے ہر فریق نے عوامی موقف اختیار کیا جو اس کی سیاسی ضروریات کو پورا کرتا ہے؟ یقینی طور پر، متحدہ عرب امارات (یو اے ای) اور بحرین کے ساتھ معاہدوں کے بعد، اور سوڈان کے ساتھ معمول پر آنے کی شروعات کے بعد، ایسی ملاقات ناممکن دکھائی نہیں دیتی۔ اگر ہم نقشے میں نیوم کے محل وقوع کا مشاہدہ کریں تو یہ کئی سوالات بھی اٹھاتا ہے۔ اسرائیلی بارڈ کا ساحلی حصہ ایلات جہاں ایک طرف مصر اور ایک طرف اردن کی سرحد ہے اور

وہیں اردن کی سرحد سے متصل سعودی عرب کی سرحد بھی ہے۔ اردن کی سرحد کے قریب حقل نامی سعودی شہر سے اسرائیلی علاقے ایلات ۵۰ کلومیٹر ایک گھنٹے کی ڈرائیو پر اور یہاں سعودی ساحل سے سے اگر براہ راست اسرائیلی ساحل تک کا فاصلہ ناپا جائے تو یہ بیس کلومیٹر سے بھی کم بنتا ہے۔ نیوم شہر اور حقل شہر کا فاصلہ دو سو کلومیٹر ہے۔ قطع نظر اس بات کے کہ نیوم شہر کے پروجیکٹ کا اسرائیل سے کوئی تعلق ہے یا نہیں۔ ایک ایسے پروجیکٹ پر اتنی خطیر رقم اور ملکی وسائل جھونکنا کہ جس کی مثال مادہ پرست مغرب پیش کرنے سے بھی عاجز ہے دوسری جانب غزہ میں بھوک سے بلکتے اور جان دیتے بچے۔ آخر کیسے کوئی بھی انسان یہ سب نظر انداز یا برداشت کر سکتا ہے؟

بحر ہند کے جزیرے میں ڈیگو گارشیا ہوائی اڈہ

مڈل ایسٹ آئی کی رپورٹ کے مطابق اگر ایران کی جوہری تنصیبات پر امریکہ بمباری کرنے کا فیصلہ کرتا ہے، تو وہ بحر ہند میں ایک چھوٹے سے جزیرے 'ڈیگو گارشیا' پر موجود ہوائی اڈے کو استعمال کرے گا۔

قطع نظر اس بات سے کہ اس رپورٹ میں کتنے فیصد صداقت ہے، اس ہوائی اڈے کے محل وقوع کی اہمیت کے پیش نظر اس کی تفصیلات جاننا نہایت ضروری ہے۔

امریکی فوج نے مارچ میں اس بات کی تصدیق کی تھی کہ وہ امریکہ برطانیہ کے مشترکہ فوجی اڈے پر بی ٹو سٹیلتھ بمبار طیاروں کو جمع کر رہی ہے جو فضائی دفاعی نظام سے بچ سکتے ہیں۔ یہ چھوٹا فوجی اڈہ 10km x 20 km ہے، جو بحر ہند میں Chagos جزائر کا سب سے بڑا جزیرہ ہے، اور مالدیپ سے ۷۰۰ کلومیٹر جنوب میں ہے۔

وہاں امریکی فوج کی موجودگی برطانوی سلطنت کے زوال کے دوران ۱۹۶۰ء کی دہائی سے شروع ہوئی، جب برطانیہ نے اپنی کالونیوں سے دستبرداری اختیار کی، اس کا مقصد اپنے عالمی اثر و رسوخ کو برقرار رکھنے کے لیے ڈیگو گارشیا جیسے چند اسٹریٹجک مقامات پر قبضہ کرنا تھا۔ برطانیہ نے ماریشس کو مجبور کیا کہ وہ چاگوس کو تین ملین پاؤنڈ میں فروخت کر دے، پھر ڈیگو گارشیا پر امریکی اڈہ بنانے کے لیے جزیرے کے ۱۵سو مقامی افراد کو جزیرے سے بے دخل کر دیا گیا۔ ۱۹۶۶ء کے ایک خفیہ معاہدے میں، امریکہ کو ۵۰ سال کی لیز ملی جس میں ۲۰ سال کی توسیع ہو سکتی تھی اور برطانیہ کو بدلے میں رعایتی قیمت پر بیلیسٹک میزائل مل گئے۔

۱۹۹۰ء کی دہائی کے اواخر میں جب سعودی عرب نے عراق پر امریکی بمباری کی اجازت دینے سے ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا تو امریکہ نے سعودی عرب کے بجائے ڈیگو گارشیا کا رخ کیا۔

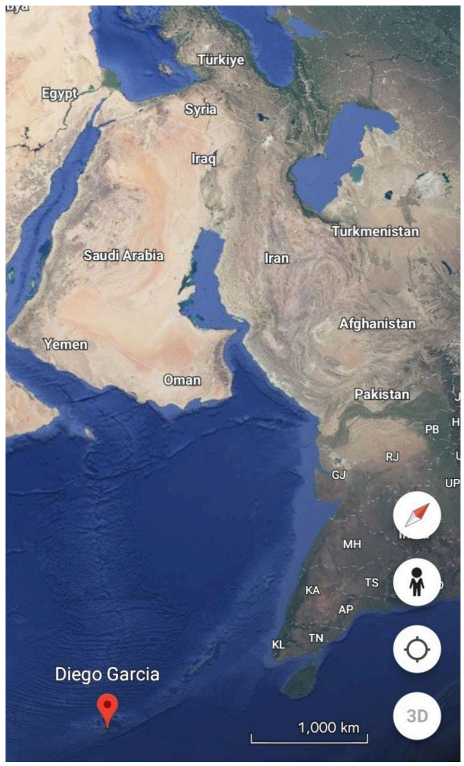

گزشتہ سالوں کے دوران، ڈیگو گارشیا وسیع تر مشرق وسطیٰ اور ہند و بحر الکاہل میں امریکی پاور پروجیکشن کے لیے مختصر نوٹس پر استعمال میں لائے جانے والے اڈے کے طور پر اہم بن گیا ہے۔ امریکی بمبار طیاروں نے "دہشت گردی کے خلاف جنگ" کے دوران عراق اور افغانستان میں اہداف کو نشانہ بنانے کے لیے ڈیگو گارشیا سے براہ راست پروازیں کیں، تب ڈیگو گارشیا کو ایندھن بھرنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔

ایک امریکی دفاعی اہلکار نے مڈل ایسٹ آئی کو بتایا کہ خلیجی ریاستوں نے، حال ہی میں، یمن میں حوثیوں پر حملہ کرنے کے لیے اپنے فضائی اڈوں کے استعمال کے لیے امریکہ پر سخت پابندیاں عائد کی تھیں۔ اور جب کہ ٹرمپ انتظامیہ کو حوثیوں پر حالیہ حملوں کے لیے مشرق وسطیٰ میں فضائی میدان استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہے، امریکی بمبار طیاروں کو خلیجی ریاستوں سے ایران کے خلاف اڑان بھرنے کی اجازت دینا خطے کے بادشاہوں کے لیے بہت زیادہ خطرناک ہو گا۔ ڈیگو گارشیا پچھلے سال کے آخر میں اس وقت سرخیوں میں آیا جب لندن نے ایک معاہدے کے تحت چاگوس جزائر ماریشس کو واپس کرنے پر رضامندی ظاہر کی جس نے برطانیہ کو یہ جزائر ۹۹ سالہ لیز پر دیے تھے۔ فروری میں، امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے اشارہ دیا تھا کہ وہ اس معاہدے کی حمایت کریں گے، لیکن اسے امریکی قدامت پسندوں کی طرف سے تنقید کا سامنا کرنا پڑا ہے اور اس پر دستخط ہونا باقی ہیں۔ ایران کے ساتھ بڑھتے ہوئے تناؤ نے ڈیگو گارشیا کو دوبارہ سپاٹ لائن دی ہے۔ بی ٹو بمبار طیاروں کی تیاری اس وقت سامنے آئی ہے جب امریکہ اور تہران دونوں ممکنہ جوہری مذاکرات سے قبل طاقت کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ امریکہ پہلے ہی یمن میں حوثیوں پر حملے کر چکا ہے، جو ایران کے ساتھ منسلک ہیں، جسے بہت سے تجزیہ کار ایران کے لیے ایک اشارے کے طور پر دیکھتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: عمر ثالث

طالبان نے چند دن بعد تنہا رہ جانے والے کمانڈر سر کاتب کو بھی مختصر جنگ کے بعد علاقے سے پسپا کر دیا اور اس کے بعد خاکریز اور شاولی کوٹ کے اضلاع بھی طالبان کے ہاتھ آئے اور پھر افغانستان کا پہلا دار الحکومت اور جنوب میں تاریخی شہر قندھار بھی مکمل طور پر ملا محمد عمر مجاہد کی حکومت کے تحت آیا۔

☆☆☆☆☆

حامل المسکُ

اشعار: احسن عزیز شہیدؒ

جب کھلی نہ تھیں اِدراک کی کھڑکیاں
فہمِ تازہ کی کرنیں بھی انجان تھیں
ہم نے چہرے پڑھے تھے کتابیں نہیں
ہم نے آنکھوں میں جھانکا تھا دل میں نہیں
چاند چہروں پہ پھیلی ہوئی روشنی
پھول آنکھوں میں کھلتی ہوئی زندگی
خود کتابوں میں لکھے کی تعبیر تھی
اس کو سمجھا تو جب ہی سمجھ پائے ہم
منزلوں کا پتہ، وہ پیامِ حرم
اس کو جانا تو دِل میں جما پائے ہم
بے ثباتی جہاں کی، ثباتِ عدن
اس کو مانا تو پھر ہی بھلا پائے ہم
اپنے خوابوں کی دنیا بکھرنے کا غم
'کیرئیر' کی تباہی کا رنج والم
یہ بھلایا تو آخر نبھا پائے ہم
اپنا عہدِ وفا تا بہ ملکِ عدم!

”ذہین اور دانا لوگوں کے مضامین میں قلم کی روشنائی، اور فصیح وبلیغ خطباء، شعراء اور اہل زبان کی سخن گوئی، جو فاسدوں کو بے نقاب کرنے اور امت کا شعور بلند کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے، ایک دو دھاری تلوار کی مانند ہے۔

ایک طرف یہ دشمنوں کے حوصلے پست کرنے، ان کی طاقت توڑنے اور صفوں کو منتشر کرنے والی کاری ضرب ہے اور دوسری طرف یہ ہمارے حوصلوں کو بلند کرنے، ہماری صفوں کو مضبوط کرنے اور ہماری تحریک کو مضبوطی عطا کرنے والی توانائی ہے۔“

فضيلة الشيخ

سَيفُ العَدل